سوداگر

(ناول)

از

رئیس احمد جعفری

ناشران

شیخ شوکت علی اینڈ سنز

بندر روڈ - کراچی

اردو اکیڈمی سندھ

جملہ حقوق دائمی بحقِ ناشران محفوظ ہیں

بار ـــ دوم

قیمت [redacted]

مطبوعہ

(انٹرنیشنل پریس میکلوڈ روڈ کراچی)

انتساب!

. . . . . کے نام!

زندگی یوں بھی گزر ہی جاتی
پھر ترا راہ گزر یاد آیا!

دَرماں طلبی، دَرد تو اَفزوں گردد
بادرد بساز، ہیچ دَرماں مطلب

(خیّام)

پیش لفظ

اُردو زبان کا دامن ناولوں سے بھرپُور ہے ، بازارِ اُدب میں نہ جنسِ کاسِد کی کمی ہے ، نہ جنسِ عالی کی ، لیکن ایسے ناوِل بہت کم ہیں جو نفسیاتی اصول پر لکھے گئے ہوں اَور اپنا کوئی خاص مقصد بھی رکھتے ہوں۔

"سوداگر" اِس لحاظ سے خاص طور پر ممتاز ہے۔ یہ ایک نفسیاتی ناوِل ہے اَور اپنا ایک خاص مقصد بھی رکھتا ہے۔

اُردو ناوِل نویسوں میں ایک کثیر تعداد ایسے اصحاب کی ہے جن کے تمام ناولوں کا پلاٹ ایک ہی ہے ۔ ایک کا

ٹائیٹل دوسرے پر لگا دیجئے تو نہایت آسانی سے وہ اس پر چسپاں ہو جائے گا۔ لیکن جعفری صاحب میں یہ بات نہیں ملتی، وہ ہر ناول کا پلاٹ جداگانہ رکھتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ ان کی انفرادیت ہر ناول میں پوری شان کے ساتھ قائم رہتی ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ اس کتاب کے قارئین ہماری اس رائے کی تائید کریں گے!

ناشران

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	منڈی !	۱۱
۲	وصیت نامہ !	۱۸
۳	قیمت !	۳۳
۴	شادی !	۵۱
۵	عذرا !	۶۴
۶	اور ایک روز !	۷۹
۷	مقدمہ کا فیصلہ !	۹۷
۸	بچی کی تصویر !	۱۱۸
۹	سوز و ساز !	۱۴۳
۱۰	ملاقات !	۱۵۶
۱۱	نئی کشمکش !	۱۷۷
۱۲	ہائے موت !	۱۹۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۳	یاد !	۲۱۳
۱۴	بھیک کا ٹکڑا !	۲۲۹
۱۵	اور وہاں !	۲۴۶
۱۶	رقابت !	۲۶۶
۱۷	کوچۂ رقیب !	۲۸۹
۱۸	ایک اور کوشش !	۳۰۳
۱۹	پھر وہی سوال !	۳۱۷
۲۰	اور اگر... ؟	۳۳۰
۲۱	آخری ملاقات !	۳۴۸
۲۲	ماں کی گود !	۳۶۲
۲۳	تلاش !	۳۷۵

(1)

مَنڈی!

محمود اور سلیم آپس میں بڑے گہرے دوست تھے۔ دونوں کو ایک دوسرے
بغیر قرار نہیں آتا تھا۔ لیکن دونوں کی طبیعتوں میں بعد المشرقین تھا، لوگوں کو حیرت
ی تھی، سیاہی اور سفیدی میں دوستی کیسی؟ سلیم بڑا با اصول، با اخلاق، مہذب
اضع اور سراپا شرافت انسان تھا، اس کے برعکس محمود کے مذہب میں اصول
ی حماقت کا دوسرا نام تھا، تواضع، اخلاق اور شرافت کو وہ علی الاعلان
ہ لوجی سے تعبیر کرتا تھا، دونوں دوستوں نے ساتھ ساتھ وکالت کا امتحان
ل کیا تھا۔ شام کو کلب میں دونوں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے۔ لوگ
ں، شطرنج، گولف، ٹینس اور رومان میں معروف رہتے، اور یہ دونوں ان
یک گوشہ میں کرسیاں بچھا کر بیٹھ جاتے اور رات گئے تک باتیں کیا کرتے۔
دنیا جہان کی باتیں!

سلیم نے کہا "یار تم اپنی عادت نہیں چھوڑو گے!"

محمود نے کہا "کیا مطلب؟"

مطلب یہ کہ جھوٹے مقدمے مت لیا کرو!"

"کیوں نہ لیا کروں؟"

"وکالت اور طبابت، یہ دونوں شریف ترین پیشے ہیں، ان کا مقصد خدمت خلق ہے، تجارت نہیں!"

محمود نے بڑی بے تکلفی کے ساتھ کہا، "آپ بیوقوف ہیں بالکل! —— خدمت خلق، تجارت کے بغیر ہو کب سکتی ہے؟"

سلیم نے حیرت سے محمود کو دیکھا اور پوچھا۔ "کیا کہا؟"

اس نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "جو کچھ کہا، تم نے سمجھ لیا!"

سلیم نے سوال کیا۔ "اچھا یہ بتاؤ، تم جو ایک قاتل کے مقدمہ کی پیروی کر رہے ہو، یہ خدمت خلق ہے یا تجارت؟"

محمود نے جواب دیا "دونوں!"

"وہ کیسے؟ سمجھاؤ!"

"خدمتِ خلق اس طرح کہ قاتل بہرحال مخلوق خدا وندی میں شامل ہے اور تجارت اس طرح کہ تم مقتول کے ورثا سے فیس کی صورت میں تین سو سے زیادہ نہ لے سکے اور میں نے بڑی آسانی سے تین ہزار ہتھیا لئے۔ اب بتاؤ تم فائدے میں رہے یا میں؟ اور تجارت کا بنیادی اصول نفع و زیان ہی ہوتا ہے"

محمود نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"دنیا میں ہر چیز اچھی بھی ہے اور بری بھی، اسی طرح قتل ایک فعل ہے، کبھی یہ گناہ بن جاتا ہے کبھی ثواب!"

"ثواب بھی؟"

"ہاں کیوں نہیں؟ میرے مؤکل کو دیکھ لو، اس نے اپنے بہنوئی کو قتل کر دیا، اس لئے کہ بہنوئی نے اس کی بہن کو قتل کر دیا تھا؟"

"لیکن وہ آوارہ تھی! وہ ایک غیر مرد کے ساتھ کراچی گئی تھی، بری حالت میں!"

"اس سے کیا ہوتا ہے؟ آوارہ ہم میں سے کون نہیں؟ کچھ بد قسمت لوگ، ایسے ہیں جن کی آوارگی طشت از بام ہو جاتی ہے اور کچھ خوش قسمت لوگ ایسے ہیں جن کی آوارگی پردے میں ڈھکی رہتی ہے ___ تمہیں معلوم نہیں، میں بتاتا ہوں میرے مؤکل کا بہنوئی خود بھی آوارہ تھا۔ اس کے کئی رنڈیوں سے بڑے گہرے تعلقات تھے! ___ اور ظاہر ہے طوائفوں سے جو تعلقات ہوتے ہیں وہ آپ لوگوں کے نزدیک سراسر ناجائز ہوتے ہیں!"

"اور آپ کے نزدیک جائز ہوتے ہیں؟"

"میں جائز اور ناجائز کے چکر ہی میں نہیں پڑتا، انسان جو کچھ کرنا چاہتا ہے، اور اسے کر بھی گزرتا ہے وہ بالکل جائز ہے، اور ناجائز وہ ہے جسے وہ چاہتا تو ہے مگر کر نہیں پاتا!"

"بڑا دلچسپ فلسفہ ہے!"

"دلچسپ نہیں، مبنی بر حقیقت!"

"اچھا یہی سہی، میں ہارا تم جیتے!"

"ہار جیت کا کوئی سوال نہیں!"

"پھر کاہے کا سوال ہے؟"

"عقلمندی اور بیوقوفی کا!"

"یعنی آپ کی بات اگر تسلیم کر لی جائے تو عقلمندی ہے اور نہ مانی تو بیوقوفی ہے!"

"ظاہر ہے اس کے سوا اور کیا مطلب ہو سکتا ہے!"

"سلیم زور زور سے ہنسنے لگا۔

محمود نے پوچھا۔"کیوں ہنس رہے ہو؟"

وہ کہنے لگا۔"ہنس اس پر رہا ہوں کہ تم اپنی احمقانہ باتوں کو یقین اور اعتماد کے ساتھ پیش کرتے ہو!"

محمود نے ایک دوسرا سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔"سوچی سمجھی اسی طرح پیش کی جاتی ہیں!"

"بجا فرمایا، آپ کے مفکرِ اعظم ہونے میں جو شبہ کرے وہ

محمود نے ہنستے ہوئے کہا۔"یہ تو صرف اصطلاح کا فرق ہے جسے احمق کہتا ہوں تم اسے کافر کہتے ہو، بات ایک ہی ہے!"

سلیم کو پھر ہنسی آ گئی۔

محمود نے کہا۔" رونا اور ہنسنا دونوں کمزوری اور عجز کی دلیل ہیں!"

"سچ کہتے ہو بھائی، میں اپنی کمزوری اور عجز کو تسلیم کرتا ہوں، اب تو ہوئے خوش؟"

بڑی سنجیدگی سے محمود نے کہا، "افسوس کے موقع پر خوش ہونے کا میں عادی نہیں، ——!"

سلیم کو غصہ آگیا۔

"آخر تم کون سے افلاطون ہو؟"

محمود نے مسکراتے ہوئے کہا۔"تمہیں غصہ آگیا، اور غصہ بھی رونے کی ایک قسم ہے!"

ان دونوں دوستوں میں یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ کچھ اور لوگ ٹہلتے ہوئے آ گئے ایک نے کہا۔"کیا باتیں ہو رہی ہیں؟ چپ چپ سے، الگ الگ؟"

محمود نے تیسرا سگریٹ لگاتے ہوئے کہا۔" کچھ کاروباری قسم کی باتیں!"

دوسرے صاحب نے پوچھا۔"کاروباری قسم کی؟ —— تم وکالت کرتے کرتے تاجر کب سے بن گئے؟"

سلیم نے کہا۔" یہ وکالت اور تجارت کو ہم معنی سمجھتے ہیں۔"

محمود نے بے پروائی سے جواب دیا "وکالت اور تجارت ہی کو نہیں ہر پیشہ کو دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں، جو اپنے اندر کاروباری پہلو نہ رکھتا ہو ــــــ جو آدمی نماز روزے کا پابند ہے وہ بھی کاروباری ہے۔ وہ آدمی کی بجائے خدا سے سودا کرتا ہے، سجدے کرتا ہے اور جنت لیتا ہے، جو رند مشرب ہے وہ بھی کاروبار سے الگ نہیں، شراب پیتا ہے، عیاشی کرتا ہے غم امروز کو پاس نہیں پھٹکنے دیتا، غم فردا سے دور رہتا ہے، یہ بھی ایک قسم کا کاروبار ہی ہوا۔ جو لوگ قومی کام کرتے ہیں، صدارت نظامت اور وزارت کی لیلیٰ پر وہ بھی عاشق ہوتے ہیں، اسے تجارت نہ کہیں تو اور کیا کہیں؟ جو شخص غریبوں اور ناداروں کی ہمدردی میں گلا پھاڑ، پھاڑ کر چیختا ہے، جیل جاتا ہے، پولیس کے ڈنڈے کھاتا ہے۔ اس وقت یہ سارے مصائب بھول جاتا ہے۔ جب اس کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے جاتے ہیں، اس کا جلوس نکالا جاتا ہے، اور اس کے لئے زندہ باد کے نعرے لگائے جاتے ہیں کیا یہ لین دین نہیں ہوا؟ ــــــ لوگ اس دنیا کو اسٹیج کہتے ہیں اور یہاں کے رہنے والوں کو ایکٹر، لیکن یہ غلط ہے، میرے خیال میں یہ دنیا بہت بڑی منڈی ہے، اور یہاں کا ہر رہنے والا گاہک ہے یا سوداگر یا کچھ لیتا ہے، یا کچھ دیتا ہے، دیتا اس لئے ہے کہ کچھ لے، اور لیتا اس لئے ہے کہ کچھ دے! بہرحال لین دین کا جذبہ

ہر وقت اور ہر شخص کے دل میں موجود رہتا ہے۔ اسے کسی طرح بھی وہ اپنے دل و دماغ سے نہیں نکال پاتا، یہ دوسری بات ہے کہ اس پراگندہ نقاب کا اعتراف نہ کیا جائے، یا اسے گول مول الفاظ میں تسلیم کیا جائے۔"

محمود نے بڑی لمبی چوڑی تقریر کر ڈالی اور لوگ بڑی توجہ سے اس کی باتیں سنتے رہے۔ اس کی یہ باتیں قابلِ قبول کسی کے لئے نہیں تھیں، لیکن ان میں ندرت تھی، ان میں زور تھا، ان میں تندی تھی اور ممکن نہ تھا کہ لوگ ان کیفیات سے متاثر نہ ہوتے۔ لیکن سلیم کافی بے مزہ ہوا۔ محمود جب اپنی کہہ چکا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا، اور جاتے جاتے اس نے کہا:

"خدا تم سے بچائے!"

سب لوگ ہنسنے لگے اور محمود بھی مسکراتا ہوا اٹھا، اور اپنے گھر کی طرف چلا گیا۔!

(۲)

وصیت نامہ

نواب صاحب جگیم پور کا انتقال ایک بہت بڑا سانحہ تھا، کوئی آنک
ایسی نہ تھی، جو اس غم میں رو نہ رہی ہو، ان کے احسانات کے بارے ہر شخ
کی گردن جھکی ہوئی تھی، کالجوں کے طلبہ ان سے وظائف پاتے تھے۔ بیواؤ
اور یتیموں کی دستگیری وہ سب سے آگے تھے، محتاجوں اور معذورو
ان کے لنگرخانہ سے برابر کھانا ملتا تھا۔ کبھی ان کے دروازے سے کو
سائل واپس نہیں گیا، اور اب ان کے مرنے کے بعد داد ودہش کا
سلسلہ بند ہو گیا تھا۔ محتاج اور ضرورت مند تو الگ رہے، خود گھر کے
جوتی میں دال بٹ رہی تھی، کئی بیویاں تھیں، اور ہر بیوی صاحب او
تھی، ان سب کا مطالبہ تھا، علاقہ تقسیم کر دیا جائے اور ہر ایک کو پورا
حصہ مل جائے، لیکن سب سے بڑا اور کٹھن سوال چھوٹی بیگم کا تھا، ان
کی عمر مشکل سے بائیس تیئیس سال کی ہوگی۔ صرف ایک سال پیشتر یہ نو

صاحب کے عقد میں آئی تھیں، ان کا نام ماہ پارہ بیگم تھا۔ بڑی خوب صورت اور خوش ادا تھیں، گانا بھی بہت اچھا جانتی تھیں، علم مجلسی سے بہت اچھی طرح واقف تھیں، جس مجلس میں بیٹھ جاتیں، بہار کی طرح چھا جاتیں بلبل کی طرح چہکتیں، اور کوئل کی طرح کوکتیں، نواب صاحب انہی باتوں پر ریجھے ہوئے تھے، یہ ان کے منیجر تراب علی کی بیٹی تھیں، نہ جانے کس طرح نواب صاحب کی نظر پڑ گئی، اور وہ ایک ہی نگاہ میں دل دے بیٹھے، فوراً پیام دیا، دوسرے ہی روز شادی ہو گئی اور چین کی بنسری بجنے لگی۔ بڑھاپے کی بیوی بڑی چہیتی ہوتی ہے، آدمی اولاد سے بھی زیادہ چاہنے لگتا ہے اسے، یہی حالت نواب صاحب کی تھی، وہ ماہ پارہ بیگم کو سب سے زیادہ چاہتے تھے، جب بیمار پڑے اور زندگی سے مایوسی ہوئی تو انھوں نے ایک وصیت نامہ لکھا محمود ان کا قانونی مشیر تھا، اسی کے مشورے سے اسے مکمل کیا اور رسمی تکمیل کے لئے دستخط کر کے اس کے حوالے کر دیا، لیکن تکمیل ابھی نہ ہو پائی تھی کہ ان کا مرغ حیات پھڑپھڑایا، اور وہ دفعتہً ایک روز قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔

نواب صاحب کا غم ان کی تمام بیویوں کو تھا، لیکن ہوشیاری کے ساتھ بین اور ماتم کا سلسلہ بھی جاری تھا اور ساتھ ہی ساتھ چوری چکاری کا بھی، یعنی جسے جو مل گیا، وہ اس نے اپنا حق سمجھ کر دوسروں کی نظر بچا کر

ہتھیالیا۔

ایک روز عجیب بات یہ ہوئی کہ نواب صاحب کی وفات کے بعد تا
بیویوں نے ایکا کرلیا اور متحد ہوکر یہ رائے قائم کی کہ ماہ پارہ بیگم کو جا
اور زر و نقد میں سے کچھ حصہ نہ دیا جائے۔ روپے اور اثر کے بل پر یہ ثابت
دیا جائے کہ چھوٹی بیگم بیوی نہیں صرف داشتہ تھیں، چنانچہ چالیسویں
بعد انہیں الٹی میٹم دے دیا گیا کہ بس ہو چکی نماز مصلیٰ اُٹھائیے محل میں
تمہارے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ جہاں سے آئی تھیں، چپ چاپ و
واپس چلی جاؤ۔ ساتھ ہی ساتھ نوکروں اور خادماؤں کو بھی مشتعل
گیا کہ وہ بھی چھوٹی بیگم سے خوب جی بھر کے انتقام لیں، ان کی ایک
بھی نہ مانیں، ان کے کسی ارشاد کی تعمیل نہ کریں اور اچھی طرح حکم
کریں، بلکہ موقعہ ہو تو تمسخر کرنے اور مذاق اڑانے میں بھی تامل نہ کریں
ان کا کچھ نہیں کرسکتا، اگر کچھ کیا تو ہم سمجھ لیں گے، چھوٹی بیگم ہمیشہ سے تیز
مزاج تھیں، اور نواب صاحب کے محل میں آکر تو غصہ اور بڑھ گیا تھا بلکہ
کہنا چاہیے ناک پر رکھا رہتا تھا۔ مگر نواب صاحب کی زندگی میں کسی نو
مجال نہیں تھی کہ چوں بھی کرسکتا لیکن اب ہر نوکر شیر تھا۔ وہ بیچاری
ایک کام کو بڑی شیریں بیانی اور نرم گفتاری کے ساتھ کہتیں —— کیو
اور پانی کی دھار دیکھ رہی تھیں —— دس دس مرتبہ کہتیں

کیا مجال جو کوئی سن لے، سب سنی کی ان سنی کر دیتے تھے۔

ماہ پارہ بیگم جب زیادہ پریشان ہو گئیں، تو عاجز آ کر اپنے باپ کے، "مزیب خلنے" پر اٹھ گئیں، جو نواب صاحب کی وفات کے فوراً بعد منیجری سے برخاست کر دئے گئے تھے اور ایک ہفتہ بعد فالج میں مبتلا ہو گئے تھے، اور اب موت کا انتظار کر رہے تھے، باپ کے گھر پہنچنے کے بعد ماہ پارہ بیگم کو ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی جنت سے جہنم میں آگیا ہو، کہاں ماماؤں، اور پیش خدمتوں کا ہجوم، ملازموں اور نوکروں کی ریل پیل سونے اور چاندی کی بارش، ایک سے ایک بڑھ کر کھانا اور بہتر سے بہتر کپڑا اور زیور موجود، کہاں تنگی ——— بچی باپ کے گھر میں روٹیاں نہیں ———،

ایک ہی ملازمہ تھی، جو سارے گھر کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھی، اور جائز حد پر چڑچڑی ہو گئی تھی۔ کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتی تھی، کیونکہ سب اس کی گود میں پل کر بڑے ہوئے تھے، کھانے میں وہی معمولی دال سالن جو متوسط گھرانوں کا عام کھانا ہے، نہ بریانی نہ شیر برنج نہ مرغ مسلم، نہ بٹیر، نہ کوفتہ نہ قلیہ، نہ باقرخانی، نہ متنجن، نہ حلوا، نہ مٹھائی!

پہلے ہر وقت دو دو موٹریں حاضر رہتی تھیں، جب ذرا جی گھبرایا موٹر میں بیٹھیں، کبھی اس پارک میں، کبھی اس باغ میں، کبھی اس سینما میں، کبھی اس تھیٹر میں، کبھی اس نواب زادی کے ہاں، کبھی فلاں خان بہادر صاحب کی

بیگم کے دو تنکدے پر کبھی یہاں کبھی وہاں، اور اب یہ باتیں خواب وخیال، ہو گئی تھیں۔ اول تو اب خود ہی کہیں آنے جانے کو جی نہیں چاہتا تھا اور اگر کبھی چاہا بھی تو سب سے پہلا سوال یہ تھا کہ جائیں کہاں؟ پہلے برابری کے ساتھ لوگ ملتے تھے، اب کون ملے گا؟ اور اگر ملے بھی تو جائیں کس طرح؟ موٹر تو کہیں آس پاس نہیں تھی، تانگے اور ایکے پر بیٹھتے شرم آتی تھی، جو دیکھے گا کیا کہے گا؛ کیا سمجھے گا؟ یہ وہی ماہ پارہ بیگم ہیں جو نواب صاحب کی زندگی میں موٹر پر اُڑی اُڑی پھرتی تھیں۔

اور اب؟

پیدل یا تانگے پر!

یہ اوقات رہ گئی تھی چھوٹی بیگم کی!

یہ سوچتے سوچتے آنکھوں میں آنسو آ گئے، عیش و کامرانی، مسرت، اور فراغت کا وہ دور یاد آگیا جب غم ایک بے معنی لفظ تھا اور خوشی ہی سب کچھ تھی، زندگی بھی اور زندگی کا حاصل بھی! ——— اور یہ باتیں کچھ اس طرح یاد آئیں کہ،

دل میں اِک درد اٹھا، آنکھوں میں آنسو بھر آئے

بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانئے کیا یاد آیا !!

اور بیٹھے بیٹھے دفعتہً ماہ پارہ بیگم اٹھیں برقع سنبھالا اور سیدھی محمود کے

مکان پر !

محمود ابھی ابھی عدالت سے آیا تھا اور اب کلب جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ ملازم نے اطلاع دی ۔ "کوئی خاتون آپ سے ملنے آئی ہیں !"

وہ سگریٹ کا کش لیتا ہوا بولا ۔ " خاتون ؟ —— جاؤ بلا لاؤ !"

فوراً برقع میں لپٹی ہوئی ایک عورت آئی اور سامنے کی کرسی پر بیٹھ گئی ۔

محمود نے کہا ۔ " فرمایئے کیسے تشریف لائیں ؟"

خاتون نے اپنے چہرے سے نقاب اٹھا دیا ۔

محمود کے منھ سے بے ساختہ نکلا ۔

" اوہ ، آپ چھوٹی بیگم ؟"

ماہ پارہ بیگم کا حسن اس وقت کچھ اور نکھر گیا تھا ، یہ ایک حقیقت ہے کہ حسن سوگوار میں جو کشش ہوتی ہے وہ حسن مسرور میں نہیں ہوتی ، محمود نے بارہا چھوٹی بیگم کو دیکھا تھا اور ہمیشہ دل ہی دل میں اس کے حسن قیامت خیز کو سراہا تھا لیکن آج ماہ پارہ کو دیکھ کر تو دل ہی دل میں اس نے دل پر ہاتھ رکھ لیا ۔ وہ نکلا جا رہا تھا اس کے ہاتھ سے ۔ بڑی مشکل سے اپنے تئیں سنبھالا اور کہا ،

" آپ نے کیسے زحمت کی ؟"

وہ اپنے آپ کو سمیٹتی ہوئی بولی ۔ " آپ ہی کے پاس آئی ہوں !"

بڑے تپاک سے محمود نے کہا

"نیک قسمت ــــــــــــ فرمایئے، میں آپ کی کیا خدمت

کر سکتا ہوں۔؟"

ماہ پارہ نے آہوں اور سسکیوں کے ساتھ اپنی ساری داستانِ

غم سنا ڈالی، نواب صاحب کے بیٹوں اور بیٹیوں اور بیویوں کے ظلم و جور

کی ساری کہانی!

اور پھر وہ بولی۔

"وہ لوگ کہتے ہیں تمہاری شادی نہیں ہوئی تھی، تم تو نواب

صاحب کی داشتہ ہو!"

محمود نے حیرت کی کیفیت اپنے اوپر طاری کرتے ہوئے کہا، "یہ کہتے ہیں؟"

وہ روتی ہوئی بولی۔

"جی ہاں یہ کہتے ہیں، اور اسے ثابت کرنے پر بھی تلے ہوئے ہیں!"

"وہ کس طرح؟"

"کہتے ہیں شہر بھر میں تمہیں کوئی گواہ نہیں ملے گا، نکاح کے

وقت جو لوگ موجود تھے ان سب کو ہم نے توڑ لیا ہے، انعام اور تحائف

دے دے کے!"

"اور قاضی؟"

وہ موا تو پہلے ہی سے لوٹا ہوا ہے، دن میں دو دو دفعہ آتا ہے، اور نہ جانے کیا کھسر پھسر کیا کرتا ہے اندر محل میں جا کر!"

"یہ بات ہے؟"

"ہاں!"

اور پھر وہ رونے لگی!

محمود نے کہا،

"آپ کی شادی کا ثبوت اتنا کافی ہے کہ کسی کے مٹائے نہیں مٹ سکتا"

"لیکن انھوں نے تو میٹ بھی دیا ہے۔"

"غلط بالکل غلط!"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"ٹھیک کہتا ہوں ——— یاد رکھیے جب تک میں نہ چاہوں دنیا کی کوئی طاقت آپ کا پلہ کمزور نہیں کر سکتی!"

وہ حیرت سے بولی،

"کیا آپ کے پاس کوئی خاص ثبوت ہے۔؟"

محمود نے کچھ دیر سوچا، پھر ایک نیا سگریٹ سلگایا اور کہا،

"ہاں"

وہ بیتابی کے ساتھ بولی، "تو بتلائیے"

"ابھی نہیں"

"پھر کب ؟"

"وقت آنے پر!"

ایک انداز خاص کے ساتھ ماہ پارہ نے محمود کو دیکھا اور کہا" یا اللہ تو وہ وقت کب آئے گا نگوڑا؟"

محمود ہنس دیا،

"بہت بے صبر ہیں آپ!"

ماہ پارہ کو بھی ہنسی آگئی،

"میری جگہ آپ ہوتے تو دیکھتی، کتنے صابر ہیں آپ!"

محمود پر سنجیدگی طاری ہوگئی، اس نے جلتا ہوا سگریٹ پھینک دیا اور ایک نیا سگریٹ سلگایا، اور کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"میرے پاس نواب صاحب کا وصیت نامہ ہے!"

وہ تقریباً چیختی ہوئی بولی، ۔ "وصیت نامہ؟"

محمود نے کہا، ۔ "ہاں!"

"تو کہاں ہے وہ؟"

"میرے پاس اور کہاں؟"

ماہ پارہ کو یقین نہ آیا،

"سچ ؟"

وہ بولا "جی ہاں سچ ——— ایک بات اور بتاؤں وہ وصیت نامہ آپ ہی کے بارے میں لکھا ہے، صرف آپ کے بارے میں!"

ماہ پارہ کی خوشی سے باچھیں کھل گئیں،

"میرے بارے میں؟ ——— کیا لکھا ہے اس میں؟"

وہ مسکرایا،

"پھر وہی بے صبری؟ ——— بہت کچھ!"

ماہ پارہ ضد پر اتر آئی۔

"آخر کیا کیا؟"

محمود نے ذرا شوخ لہجہ میں کہا۔

"بتا دوں؟

وہ اس وقت بہت خوش تھی، اپنے بوڑھے شوہر کا غم کچھ دیر کے لئے بھول چکی تھی، بولی، ———

"ہاں ضرور بتائیے؟"

محمود نے ایک زوردار کش لگاتے ہوئے کہا۔

"تفصیل بہت مختصر ہے ——— اپنی ساری جائداد منقولہ اور غیر منقولہ میں سے چوتھائی حصہ آپ کو دیا ہے ———!"

خوشی کے مارے ماہ پارہ کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ اس نے کہا،

"واقعی؟"

محمود نے بے پروائی سے کہا۔" میں جھوٹ نہیں بولتا ــــ وصیت نامہ کے ساتھ نواب صاحب نے اپنی جائداد منقولہ وغیر منقولہ کی جو فہرست دی ہے۔ اس کے لحاظ سے کم از کم نو دس لاکھ روپیہ آپ کو ملے گا!"

(فرطِ مسرت سے ماہ پارہ بے قابو ہوئی جا رہی تھی، اس نے کہا۔

"پھر تو میرے دلدّر دور ہو جائیں گے، میری مصیبت کے دن کٹ جائیں گے، میں عیش و آرام کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر سکوں گی، جو لوگ آج مجھے غریب سمجھ کر منہ نہیں لگاتے وہ پھر میرے پاس دوڑے دوڑے آئیں گے اور خوشامد کی باتیں کریں گے، پھر میرے پاس موٹر ہوں گے، کوٹھی ہوگی بنگلہ ہوگا، زیورات ہوں گے، نوکروں کی فوج ہوگی، پھر میں الّلے تلّلے سے خرچ کروں گی، دوست شاد ہوں گے، دشمن ناشاد ہوں گے ــــ میری زندگی سنور گئی محمود صاحب ــ!"

وہ بولا،

"یقیناً!"

ماہ پارہ نے کہا،" تو پھر اسے آپ اب تک چھپائے ہوئے کیوں تھے؟

کہنے لگا، "کوئی پوچھتا تو بتاتا کنواں پیاسے کے پاس نہیں جاتا پیاسا کنویں کے پاس جاتا ہے، آج پیاسا کنویں کے پاس آگیا اور کنویں کے پاس جو کچھ تھا اس نے انڈیل دیا اس کے سامنے ———

سامنے مہمان کے جو تھا میسّر رکھ دیا!"

وفورِ جذبات سے ماہ پارہ کو کچھ کہتے نہ بن پڑا، اس کے منھ سے صرف اتنا نکلا،

"کتنے اچھے ہیں آپ محمود صاحب!"

اس نے کہا،

"شکریہ!"

ماہ پارہ بولی۔ "نواب صاحب کے گھر والے کمبختوں کو ذرا ابھی اس وصیت نامہ کا پتہ نہیں ہے، ورنہ میرے پاؤں دھو دھو کے پیتے!"

محمود نے جواب دیا۔

"پتہ ہو کیسے سکتا تھا، نواب صاحب خود ہی اس وصیت نامہ کو پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے۔ دوسرے مرض الموت میں یہ انھوں نے لکھوایا، اور لکھنے والا میں تھا!"

کہنے لگی۔ "ہاں آپ ٹھیک کہتے ہیں ——— پھر اب دیر کا ہے کی ہے، دعویٰ کر دیجئے میری طرف سے!"

وہ بولا۔

"کر دوں گا ــــــــــــــــ لیکن قیمت ؟"

بڑی سیر چشمی اور حاتمانہ سخاوت کے ساتھ ماہ پارہ نے کہا۔

"میں آپ کا منہ گھی شکر سے بھر دوں گی !"

"لیکن مٹھائی سے مجھے نفرت ہے !"

"میں آپ کو خوش کر دوں گی !"

"میں ہر وقت خوش رہتا ہوں ! غم میرے پاس نہیں پھٹکتا !"

"میں آپ کو منہ مانگی قیمت دوں گی !"

"ہاں اب آپ نے پتہ کی بات کہی ــــــــــــ اور واقعی میں منہ مانگی قیمت لوں گا !"

"شوق سے ــــــــ آپ نے جو احسان مجھ پر کیا ہے اسے میں تازندگی فراموش نہیں کر سکتی، خدا ہی آپ کو اس کا اجر دے گا !"

"قیمت یا اجر، کچھ کہئے وہ میں آپ ہی سے لوں گا، خدا سے نہیں !"

وہ ہنسنے لگی،

"میں نے تو ایک بات کہی تھی، ظاہر ہے آپ کا محنتانہ میں ہی دوں گی !"

"شکریہ، یہی میں چاہتا ہوں !"

"اچھا بتائیے کیا لیں گے آپ ؟"

وہ مسکرایا۔

"دیکھئے آپ کی نیت بدلی ——— ابھی آپ کہہ چکی ہیں منہ مانگی قیمت دیں گی بھئے!"

ماہ پارہ نے بڑے انداز اور ادا کے ساتھ کہا۔ "تو میں مکرتی کب ہوں! اسی لئے تو پوچھ رہی ہوں، مانگئے جو مانگئے گا، پائیے گا!"

"جو مانگوں گا وہی لوں گا، اسی شرط پر تو وصیت نامہ آپ کو ملے گا، یہ ایک راز ہے، میرے اور نواب مرحوم کے درمیان میرے سوا کوئی بھی اس کی حقیقت نہیں جانتا۔ اگر آج غائب کر دوں تو منہ دیکھتی رہ جائیں آپ!"

ماہ پارہ سہم گئی،

"لیکن آپ غائب کیوں کرینگے؟ میں تو قیمت دینے کو تیار ہوں!"

"آپ گھبرا کیوں گئیں؟ میں نے تو ایک بات کہی تھی ——— مطمئن رہئے، وصیت نامہ میرے پاس ہے، اور میرے ہی پاس آپ کی امانت کے طور پر رہے گا!"

ماہ پارہ شکریہ ادا کرکے جانے کے لئے اٹھی، جب وہ جانے لگی، محمود نے کہا: "دیکھئے قیمت کے بارے میں یاد رکھئے گا!"

وہ بولی،

"ہاں یاد ہے ——— لیکن آپ نے قیمت تو بتائی نہیں!"
محمود نے کہا۔

"بتادوں گا، پہلے اس بارے میں آپ اچھی طرح غور کر لیجئے، ایر
نہ ہو آپ اپنا فیصلہ بدل دیں!"

وہ استقلال کے ساتھ بولی "ایسا کبھی نہیں ہو سکتا!"

بڑے اطمینان کے ساتھ محمود نے کہا "بس تو وصیت نامہ آپ کلب
——— آپ کل تشریف لائیے اسی وقت بجر اطمینان سے قیمت اور
شرائط طے ہو جائیں گے!"

(۳)

قیمت!

دوسرے روز سہ پہر کو چھوٹی بیگم صاحبہ محمود کی کوٹھی پر پہنچ گئیں، وہ گیلری میں انہی کے انتظار میں ٹہل رہا تھا، لیکن جب انہیں آتے دیکھا تو بے نیازی ظاہر کرنے کے لئے چپکے سے اندر کھسک گیا، اور ٹھیک نصف گھنٹہ انتظار کرانے کے بعد برآمد ہوا، چھوٹی بیگم نے چھوٹتے ہی کہا۔

"اب تو آپ بڑے آدمی ہوتے جاتے ہیں!"

وہ مسکراتا ہوا بولا "یہ کیسے جانا آپ نے؟"

بولیں "آدھے گھنٹے سے انتظار کر رہی ہوں آپ کا!"

محمود نے کہا،

"آپ کو انتظار کی زحمت اٹھانی پڑی اس کا مجھے افسوس ہے لیکن میرے باہر آنے میں ——— ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا!"

ماہ پارہ بیگم نے مسکراتے ہوئے پوچھا "بتایئے کیا تھا وہ موا

تاخیر کا باعث؟"

محمود نے جیب سے سو سو روپے کے نوٹوں کا ایک بڑا بنڈل نکالا اور ـــــــ جسے اس نے محض ماہ پارہ کو ورغلانے کے لئے اپنی تجوری سے نکالا تھا ـــــــ اور اچھالتے ہوئے کہا،

"دیکھا آپ نے؟"

وہ بولی، "ہاں دیکھ لیا، کیا ہے یہ؟"

محمود نے نوٹ اپنے پاس صوفہ پر رکھ لیا اور ماہ پارہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، "نہ جانے کس طرح بڑی بیگم کو سن گن مل گئی کہ میرے پاس نواب صاحب کا دستخطی کوئی اہم کاغذ ہے، وہی تشریف لائی تھیں کھوج لگانے۔ اور فی الحال یہ حقیر نذرانہ" عطا فرما گئی ہیں، اور آئندہ کے لئے بہت سے وعدے ہیں!"

ماہ پارہ نے حیرت سے کہا،

"وہ آئی تھیں؟ بڑی بیگم؟"

بڑی سنجیدگی سے جواب دیا،

"جی وہ آئی تھیں! ـــــــ بڑی مشکل پیش آئی مجھے اس وقت معلوم تھا کہ آپ بھی آنے والی ہیں، میں نے سوچا کہیں دونوں کی، مڈبھیڑ نہ ہو جائے، انہیں گھر میں بٹھایا اور پچھلے دروازے سے یہ کہہ کر

رخصت کیا یہاں آپ کا آنا جانا کسی پر ظاہر نہ ہونا چاہیئے!"

ماہ پارہ نے کچھ سوچتے ہوئے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور کہا، تو روپے لے لئے آپ نے؟"

وہ بولا،

"آپ دیکھ رہی ہیں!"

ماہ پارہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اس نے مایوس لب و لہجہ میں کہا: "ہاں ٹھیک بھی ہے ——— کہاں وہ کہاں میں"

محمود نے پوچھا۔

"کیا مطلب؟"

وہ بولی،

"کہاں نقد کہاں ادھار ——— انھوں نے ابھی اتنا بڑا بنڈل نوٹوں کا تھما دیا آپ کے ہاتھ میں اور میں سوا وعدے کے کیا دے سکتی ہوں؟"

محمود،

یہ نہ کہئے، آپ ان سے اچھی قیمت مجھے دے سکتی ہیں اگر چاہیں!"

ماہ پارہ،

"میری طرف سے ہر قیمت منظور ہے!"

"خواہ وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو؟"

"ہاں خواہ کیسی ہی بڑی ہو!"

محمود نے شریر نظروں سے ماہ پارہ کو دیکھا اور کہا،

"پھر سوچ لیجئے!"

"ہاں سوچ لیا!"

"میں آپ کو مانگتا ہوں! ——— یہی میری قیمت ہے، یہی میری فیس!"

ماہ پارہ اپنی جگہ سے اچھل پڑی،

"آپ کی یہ ہمت؟"

اور پھر وہ رونے لگی، جیسے ——— کوئی موٹی سی گالی کسی کو دے دے اور وہ بے بسی کے باعث اس کا کوئی جواب نہ دے سکے، سوا اس کے کہ آنسو بہانے لگے،

محمود نے ذرا بھی متأثر ہوئے بغیر کہا۔

"آپ رونے کیوں لگیں؟ میرا مقصد آپ کو کسی قسم کی تکلیف پہنچانا نہیں۔ میں نے تو معاملہ کی ایک بات کہی، آپ کو اگر نامنظور ہے جانے دیجیے!"

ماہ پارہ چپ چاپ بیٹھی ہوئی تھی، اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کیا کہے!

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کیا کرے؟

کیا اٹھ کر چلی جائے؟

کیا ساری زندگی مایوسی اور نامرادی، غربت اور افلاس کے عالم میں گذار دے؟

عیش و عشرت کے خوابِ شیریں سے آنکھیں ملتی ہوئی ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھے، اور پھر کبھی وہ خواب نہ دیکھے؟

کیا محمود کی بات مان لے؟

"ہائے اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

میرا اور محمود کا کیا جوڑ ہے؟

"مخمل میں ٹاٹ کا پیوند کیسے لگ سکتا ہے؟ دنیا اب تک مجھے چھوٹی بیگم کہکر پکارتی تھی، اب میں مسز محمود بن جاؤں، ایک وکیل کی بیوی؟ ہائے میں کس مصیبت میں پڑ گئی؟ اے خدا تو ہی اس بھنور سے نکال!"

لیکن یہ دعا درِ اجابت تک نہ پہنچی، یا اگر پہنچی تو جیسی اچھوتی گئی، تھی ویسی ہی واپس آگئی، یہ بھنور محمود ہی کا پیدا کیا ہوا تھا، اور وہی اس سے نکال سکتا تھا، لیکن اگر محمود کا ہاتھ پکڑ کر اس بھنور سے نکل بھی آئے، تو آگے ایک اور بھنور بھی تو تھا،

بدنامی کا!

جگ ہنسائی کا!

انگشت نمائی کا!

دولت ملنے کے بعد بھی تو گئی ہوئی عزت واپس نہیں ملنے کی! وہ یہی سوچ رہی تھی کہ ملازم چائے بنا کرلے آیا۔ محمود نے کہا،

"آئیے چائے تو پی لیں!"

وہ بولی،

"شکریہ ——— آپ پیجئے!"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ چائے تو آپ کو پینی ہی پڑے گی"

ماہ پارہ ضد پر اتر آئی،

"میں نہیں پیوں گی!"

محمود نے گھنٹی بجائی ملازم حاضر ہوا۔

"چائے لے جاؤ ابھی نہیں پیئیں گے!"

وہ خاموشی سے چائے لے کر چلا گیا، پھر محمود نے بڑی نرمی کے ساتھ

آپ خفا ہو گئیں شاید!"

وہ جل کر بولی،

"جی نہیں، آپ نے جو عزت افزائی فرمائی ہے، میں اس کی شکرگزار ہوں!"

محمود سنبھل بیٹھا،

"آپ برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں!"

وہ بے رُخی سے بولی،

"فرمایئے ——— لیکن مختصر!"

محمود نے اس طنز پر توجہ کئے بغیر کہا،

"شاید آپ کا خیال ہے، توہین کی ہے میں نے آپ کی؟ اگر یہ بات ہے تو غلط ہے، توہین کا کوئی سوال نہیں، میں نے اصول اور معاملہ کی ایک بات کہی۔ آپ کو منظور یا نامنظور کرنے کا پورا اختیار ہے، یہ خوشی کا سودا ہے، جبر کا نہیں، پھر میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ میرے اس مطالبہ میں توہین کا کون سا پہلو نکل آیا، توہین اگر آپ کی کی تھی تو نواب صاحب مرحوم نے کی تھی، مگر اس توہین کو آپ نے ہنسی خوشی برداشت کیا، اور میری جائز اور معقول بات پر برہم ہوگئیں!"

ماہ پارہ نے پوچھا،

"نواب صاحب نے میری کیا توہین کی تھی؟ اور اگر کی بھی تھی تو وہ میرے شوہر تھے، خداوند مجازی، انہیں ہر طرح کا حق تھا!"

محمود ہنسنے لگا۔

"جی یہاں بھی خاکسار کو آپ سے اتفاق نہیں ہے، نواب صاحب

نے ہر طرح کا حق حاصل کرنے، یعنی خداوند مجازی یا شوہر بننے سے پہلے آپ کی توہین کی!"

جوش کے ساتھ ماہ پارہ نے کہا،

"بالکل غلط!"

وہ کہنے لگا،

"غلط کیسے سنئے تو ——— کیا نواب صاحب عمر میں آپ سے چار گنا بڑے نہیں تھے، شادی کے وقت؟"

"ہوں گے پھر"

"کیا یہ انسانیت اور شرافت کی توہین نہیں ہے کہ بیس برس کی ایک لڑکی سے ساٹھ برس کا بوڑھا شادی کرے؟ کیا انھوں نے اس طرح اپنی ہوس کی قربان گاہ پر ایک معصوم اور نادان لڑکی کی جوانی اور شباب کو بھینٹ نہیں چڑھایا؟ کیا یہ انسانیت تھی؟ شرافت تھی؟ معقولیت تھی؟ کسی مذہب اور شریعت میں بھی اسے جائز قرار دیا جا سکتا ہے ———!"

جوش تقریر میں محمود اور نہ جانے کیا کیا کچھ کہہ ڈالتا لیکن قطع کلام کرتے ہوئے ماہ پارہ نے کہا۔

"انہیں کچھ نہ کہئے!"

وہ بولا

"میں ان کی ذات کو برا نہیں کہہ رہا ہوں، آپ سے زیادہ مجھے معلوم ہے ان کی ذات کتنی موجب خیر و برکت تھی، کتنے محتاج اور غریب ان کے در سے پلتے تھے، لیکن میں ان کے فعل کو برا کہہ رہا ہوں، وہ امام معصوم نہ تھے، ان کے ہر فعل پر نکتہ چینی ہو سکتی ہے، کئی بیویوں کی موجودگی میں اس وقت جب زندگی کا سورج ڈھل رہا تھا، ایک نئی نویلی دلہن بیاہ کر لانا کیا محض اس لئے نہیں تھا کہ وہ جلد از جلد بیوہ ہو جائے، یہ محبت ہوئی یا انتقام؟"

وہ سنجیدگی سے بولی،

"زندگی کا جہاں تک تعلق ہے کسی کو نہیں معلوم کہ وہ کب مرے گا، جس طرح بوڑھے مرتے رہتے ہیں اسی طرح آئے دن جوانوں کے جنازے بھی نکلتے رہتے ہیں۔ اگر میری شادی کسی جوان کے ساتھ ہوتی تھی تو بھی اگر میری قسمت میں رنڈاپا لکھا تھا تو وہ بھی جوان جہاں اس دنیا سے گزر جاتا۔ کیا آئے دن اس طرح کے واقعات دنیا میں ہوتے نہیں رہتے!"

محمود نے کہا،

"ہوتے رہتے ہیں ———— لیکن مجھے کہنے دیجئے، یہ شادی جو ہوئی اس میں ایثار اور بے نفسی کو تو ذرا بھی دخل نہیں تھا، طرفین

ایک دوسرے سے سودا کر رہے تھے !"

ماہ پارہ چونک پڑی،

"سودا کر رہے تھے ؟"

"جی میرا یہی مطلب ہے !"

وہ غصہ کے ساتھ بولی "آپ کو آج کیا ہو گیا ہے ؟ کسی کے فعل پر نکتہ چینی کرتے کرتے نیت پر بھی حملہ کرنے لگے !"

محمود نے کہا،

"حملہ نہیں کرتا، واقعہ بیان کرتا ہوں، وہ بھی بالکل سچ سچ !"

"کیسے مان لوں آپ کے اس انوکھے سچ کو سچ ؟"

"اس لئے کہ سچ ہے !"

"آپ کے کہنے سے ؟ ــــــ اور یاد رکھئے آپ پھر توہین کر رہے ہیں، میری بھی اور نواب صاحب مرحوم کی بھی !"

محمود ہنسنے لگا،

"آپ ضرورت سے بہت زیادہ حسّاس ہیں میں قطعاً کسی کی توہین نہیں کرتا، ننگی اور عریاں حقیقت بیان کرتا ہوں ــــــ

ــــــ اچھا ایک بات بتائیے !"

"پوچھئے، کیا بات ہے ؟"

"ساٹھ برس کی عمر میں فطری اور طبعی تقاضہ سے تو آدمی کسی بیس برس کی چھوکری سے شادی نہیں کر سکتا، اور نہ کوئی بیس برس کی چھوکری امنگ اور ولولے ساتھ کسی ساٹھ برس کے بوڑھے کو اپنا رفیق حیات منتخب کر سکتی ہے ؛ ضرور اس میں کوئی اور بات تھی !"

"کیا بات تھی بتلائیے !"

"میرا مطلب ہے دال میں کالا !"

"وہی تو پوچھ رہی ہوں ——— اب بات چھڑی ہے تو صاف صاف کہہ ڈالئے - جو کچھ جی میں ہے آپ کے !"

محمود نے ایک نئے سگریٹ سے شغل کرتے ہوئے کہا،

"ساٹھ برس کا بوڑھا اپنے شباب کی تسکین کے لئے نہیں نفس کی تسکین کے لئے شادی کر رہا تھا !"

ماہپارہ نے پوچھا،

"اور بیس برس کی لڑکی ؟"

محمود نے جواب دیا،

"وہ بھی، وہ ساٹھ برس کے بوڑھے سے نہیں اس کی بے اندازہ دولت سے شادی کر رہی تھی !"

کچھ دیر ماہ پارہ چپ رہی، پھر کچھ سوچتی ہوئی بولی،

گویا یہ نیا سودا پہلے کے مقابلہ میں گھاٹے کا نہیں نفع کا ہے !"

ماہ پارہ نے کہا،

"فرض کیجئے میں آپ کی پیش کش قبول نہ کردں انکار کردوں تو!"

بڑی بے تکلفی اور اطمینان کے ساتھ محمود نے کہا۔

"تو کچھ نہیں، میں وصیت نامہ پھاڑ کر پھینک دوں گا یا پوری قیمت لے کر بڑی بیگم کے حوالہ کر دوں گا کہ وہ پھاڑ کر پھینک دیں، پہلی صورت میں مجھے نقصان ہے، دوسری صورت میں فائدہ اس لئے غالباً دوسری ہی صورت اختیار کر دوں گا، آپ کو شکایت کا موقعہ اس لئے نہیں کہ نتیجہ دونوں کا ایک ہے !

———

—— رہیں آپ تو آپ کا خیال دل سے اس طرح نکال دوں گا جس طرح آپ نے شادی کے بعد بھی نواب صاحب کا خیال کبھی اپنے دل کے قریب نہیں آنے دیا !، —— اور یہ کوئی قابل ملامت بات نہیں، آپ اس طرح بڑھاپے سے اپنی جوانی کا انتقام لے سکتی تھیں بلکہ آپ اس اعتبار سے قابل تعریف ہیں کہ آپ نے بدچلنی نہیں اختیار کی۔ پاک دامانی کے ساتھ رنڈاپے کے دن گزار رہی ہیں، میں اگر آپ کی جگہ ہوتا تو ——"

"تو کیا کرتے آپ ؟"

"بڑے گل کھلاتا!"

وہ مسکرادی،

محمود نے کہا،

"ہاں تو بتایئے، کیا فیصلہ کیا آپ نے؟"

وہ بولی،

"کیا بتاؤں؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا!"

"ذرا ہمت سے کام لیجئے، آپ کو دولت بھی ملتی ہے اور ایک مفت کا رفیق زندگی بھی!"

وہ پھر مسکرادی،

محمود نے کہا،

"یہ پہاڑ سی جوانی، معاف کیجئے گا، صبر شکر سے تو کٹنے والی نہیں، کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی سے آپ کو شادی کرنی ہی پڑے گی، نہیں کیجئے گا، تب بھی حوا کی بیٹیاں، اور آدم کے بیٹے آپ کو بدنام کرکے رہیں گے۔ مفت کی بدنامی سے کیا حاصل؟ کیوں نہ اپنی نئی زندگی بنایئے، اپنی نئی دنیا تعمیر کیجئے"

وہ پھر مسکرادی!

محمود نے کہا،

"اگر آپ یونہی بیٹھی ہوئی اللہ اللہ کرتی رہیں، یا کسی اور آدمی سے شادی کر لی تو اچھی طرح سوچ لیجئے، یہ دولت بے حساب تو نہیں ملے گی آپ کو ——— آپ کو پورا اختیار ہے جو چاہیں کریں، لیکن ——— جو کچھ کریں حضور ذرا سوچ کر کریں!"

وہ پھر مسکرا دی،

اس بار بار کی مسکراہٹ سے محمود نے سمجھ لیا، تیر ٹھیک نشانہ پر بیٹھا ہے، اس نے پھر گھنٹی بجائی، ملازم ادب سے آکر سامنے کھڑا ہو گیا اس نے کہا،

"چائے لاؤ!"

وہ فوراً چائے لے کر حاضر ہو گیا۔

محمود نے ماہ پارہ سے کہا،

"آیئے چائے پی لیں!"

وہ اٹھتی ہوئی بولی،

"آیئے"

دونوں ساتھ ساتھ چائے کی میز پر آکر بیٹھ گئے اور آہستہ آہستہ ایک ایک گھونٹ کرکے پینے لگے۔ محمود نے پیسٹری اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا!"

"اسے بھی تو چکھئے!"

ماہ پارہ پیسٹری سے شغل کرنے لگی،

چائے پینے کے بعد دونوں پھر اسی جگہ آکر بیٹھ گئے، ماہ پارہ نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا،

"اوہ، سات بج گئے، بڑی دیر ہو گئی!"

محمود نے کہا۔ "تو کیا ہوا، آپ کسی غیر جگہ تو نہیں بیٹھی ہیں، آپ ہی کا تو گھر ہے!"

وہ پھر مسکرا دی، اور بولی، "اب جاؤں گی!"

محمود نے کہا۔ "چلی جائیے گا، ذرا دیر تو اور بیٹھئے؟"

وہ اٹھتے اٹھتے بیٹھ گئی!

محمود نے کہا۔ "شادی کے موقعہ پر اس کوٹھی پر نیا رنگ کرلوں گا، ——— بتائیے آپ کو کون سا رنگ پسند ہے؟"

وہ آنکھ جھکا کر بولی، "ہلکا آسمانی!"

محمود نے کہا، "اگرچہ آپ کے پاس کپڑوں کی کمی نہیں ہے، لیکن میری طرف سے بہر حال ایک جوڑا پیش کیا جائے گا۔ بتائیے اس کا رنگ کیسا ہو؟"

اس نے پھر آنکھیں جھکا لیں اور کہا۔ "ہلکا گلابی!"

محمود نے کہا "میرا اور آپ کا مذاق بہت ملتا جلتا ہے!"

وہ کہنے لگی،

"آپ کو تو خوش ہونا چاہیئے، حیرت کیوں ہو رہی ہے آپ کو؟"

محمود نے کہا۔ "کبھی کبھی مسرت کی زیادتی بھی حیرت کا روپ اختیار کر لیتی ہے ــــــــــــ

تری تمکینِ بے حد کی قسم ایسا بھی ہوتا ہے!"

ماہ پارہ اٹھ کھڑی ہوئی،

"اب تو آپ نے سب کچھ پوچھ لیا، اب جانے دیجئے، دیکھئے بہت رات ہو گئی ہے، آٹھ بج رہے ہیں!"

وہ بولا، "خدا حافظ جایئے، کل پھر ملاقات ہو گی نا؟"

وہ جاتے جاتے بولی،

"ضرور!"

اور وہ چلی گئی!

(۴)

شادی !

محمود اور ماہ پارہ بیگم کی شادی ہو گئی !

یہ خبر نہیں بم کا گولہ تھا، ساری سوسائٹی لرز گئی، کانپنے لگی، یہ مسئلہ بڑی بیگم کے سامنے پیش ہوا،

خاندان کی ایک خاتون نے کہا ۔" غضب خدا کا، یہ اندھیر ! میاں کو مرتے دیر نہیں، اور نئی شادی رچاتے دیر نہیں "

دوسری بولیں

" بوا، زبان نہ کھلواؤ، ماہ پارہ بیگم جیسی تھیں کسے نہیں معلوم؟ وہ تو دعا مانگا کرتی تھیں کب بوڑھا شوہر مرے اور وہ کوئی جوان سا شوہر بیاہ کر لائیں، جس دن نواب صاحب مرے تھے اس دن بس چلتا تو سوگ منانے کے بجائے گھی کے چراغ جلاتیں وہ تو !"

ایک اور بوڑھی عورت نے جو خاندانی اعتبار سے نواب مرحوم

کی کسی رشتہ سے عزیز ہوتی تھی، کہا۔ "لیکن میں کہوں، پکائی تھی کھیر، ہوگیا دلیا!"

پہلی نے پوچھا۔ "بہن بات تو تم نے بڑی اچھی کہی، لیکن کیوں کہی ذرا یہ بھی بتا دو!"

وہ مسکرائیں،

"یہ لو، ان کی سمجھ ہی میں نہیں آیا اسے میں کہتی ہوں اس نکٹی ماہ پارہ نے نواب سے شادی کیوں کی تھی؟ دولت کے لئے وہی نہ ملی، نکال دی گئی داشتہ بنا کر گھر سے، وہی بات ہوئی، نہ خدا ہی ملا، نہ وصالِ صنم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے!"

دوسری بیوی دوپٹے کے پلّو سے منھ چھپا کر ہنسنے لگیں، بے حال ہوئی جا رہی تھیں، بیچاری ہنستے ہنستے بڑی مشکل سے ہنسی ضبط کر کے، کہنے لگیں،

"ارے اور کیا، داشتہ نہیں بیگم تھی، میں تو اس کی سات پشتوں کو جانتی ہوں!"

بڑی بیگم اب تک چپ چاپ بیٹھی سب کی سن رہی تھیں، اب ضبط نہ کر سکیں، فرمایا،

"مجھ سے کتنا جلتی تھی حرام زادی، جیسے میری سوت ہی تو تھی؟"

پہلی بی بی نے کہا، -" تمہارا اس کا جوڑ ؟ وہ گھورے کا کیڑا، تم، سیپی کا موتی، مرد ایسے ایسے ازار بندی رشتے ہزار کرتے ہیں، مگر جو بیوی، ہوتی ہے وہ وہی ہوتی ہے !"

بڑی بیگم نے کہا، -" وہ تو حصہ بٹانے کو کہہ رہی تھی، میں نے کہا چل مردار۔ ہزار ماروں گی ایک گنوں گی، خدا کی قدرت دیکھو بھوسی بھی کہے ہیں گھی سے کھاؤ، حصہ بٹائیں گی، نواب کے پاؤں دابتے دابتے میرے سر پر چڑھے گی، موئی پاؤں کی جوتی !"

دوسری بولیں، -" آخر اپنی اوقات کو پہنچی، نکال دی گئی یہاں سے، چھین لیا گیا سب کچھ جیسی لنڈ منڈ آئی تھیں ویسی ہی واپس چلی گئیں !"

سب لوگ بڑے زور زور سے ہنسنے لگے! بڑی بیگم بھی اپنے محبوب شوہر نواب مرحوم کا غم بھول کر پہلی مرتبہ قہقہہ لگا کر بے ساختہ ہنس پڑیں، اور پھر فوراً چپ چاپ ہو گئیں جیسے کوئی بہت بڑا جرم سرزد ہو گیا ہوا

لیکن تیسرے روز، -" یہ بزمِ نشاط درہم برہم ہو گئی

محمود نے ماہ پارہ کی طرف سے" واسطے دلا پانے حق زوجیت کے" عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا اور نواب صاحب کا دستخطی وصیت نامہ بھی پیش کر دیا، اس خبر نے سارے شہر میں ہلچل پیدا کر دی اور بڑی بیگم کے ہاں تو پھر سے صفِ ماتم بچھ گئی" ہائے میرے اللہ یہ جھاڑ و پٹیا وصیت نامہ

کہاں سے نکل آیا موئی دوغلی کے پاس ؟"

بڑی بیگم کے ہمدردوں میں جو بھی اس خبر کو سنتا تھا، سن سے ہو جاتا تھا۔ جو لوگ ماہ پارہ کی دوسری شادی یعنی پاپ کٹنے کی مبارکباد دینے حاضر ہوئے تھے، وہی پھر تعزیت کرنے اور ماتم کرنے بیٹھ گئے!

"واہ ری دنیا!"

جہاں بجتے ہیں نقارے وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں!

ماتم سے فرصت نہیں ہوئی تھی کہ نقارے بجنے لگے، اور نقاروں کا شور ختم نہیں ہوا تھا کہ سینہ کوبی شروع ہو گئی!

اور محمود ان تمام ہنگاموں سے بالکل الگ ماہ پارہ کے ساتھ سرور و نشاط کی زندگی بسر کر رہا تھا، دن عید رات شب برات، یہی حالت ماہ پارہ کی بھی تھی، اس نے بھی بڑی مسرت اور خوشی کے ساتھ زندگی کا یہ نیا دور شروع کیا تھا!

پھول ہاتھوں میں تھے!۔ اور کانٹے پاؤں تلے!

محمود ابھی ابھی عدالت سے واپس آیا تھا اور اطمینان کے ساتھ وہ اور ماہ پارہ پاس پاس بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ ملازم نے اطلاع دی، "سلیم میاں آئے ہیں!"

محمود فوراً باہر گیا، ملازم سے پھر چائے منگائی اور دونوں بے

تکلف دوست چائے سے شغل کرنے لگے، محمود نے چائے کا گھونٹ حلق،
سے اتارتے ہوئے کہا،

"آج کہاں بھول پڑے یار؟"

سلیم نے جواب دیا۔ "کئی دن سے ملاقات نہیں ہوئی تھی، میں نے
کہا ں آؤں جاکر ذرا ——————— جب سے شادی ہوئی ہے تم نے تو
کلب کا آنا بھی چھوڑ دیا!"

محمود نے کہا، "کلب تو ایسی ایسی ہزار شادیاں ہوں تو بھی نہیں
چھوٹ سکتا، لیکن آج کل ذرا مقدمہ میں الجھا ہوا ہوں اس سے نبٹ
وں تو پھر وہی کلب ہے، وہی میں ہوں!"

سلیم نے مسکراتے ہوئے کہا، -"یار بڑے دلچسپ آدمی ہو!"

محمود نے کہا، -"ہاں اس کا اندازہ تو مجھے بھی ہے، لیکن یہ خیال اس
وقت کیسے آگیا تمہیں؟"

وہ بولا "-جب تم نے شادی کی تو میں نے ان دوستوں سے جو۔
ہمیشہ تم پر نکتہ چینی کیا کرتے ہیں کہا، محمود نے زندگی میں پہلی مرتبہ ایک ایسا
اچھا اور نیک کام کیا ہے جس کا کوئی تجارتی پہلو نہیں ہے، لیکن اب معلوم
ہوا، میری رائے غلط تھی شادی میں بھی تم نے کاروباری پہلو نظر انداز
نہیں کیا!"

محمود نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور کہا ،، آج میں رائے قائم کرنے پر مجبور ہوں ، یا تو تم حد سے زیادہ بیوقوف ہو ، یا ضرورت سے بہت زیادہ سادہ لوح !،،

سلیم نے ہنستے ہوئے کہا ،، ممکن ہے مجھ میں دونوں صفتیں ہوں ۔ لیکن اپنے بارے میں کیا رائے ہے جناب کی ؟،،

محمود نے بڑی بے تکلفی سے کہا ،، وہی جو تمہاری ——— یہ تمہارا گدھا پن تھا کہ تم نے میرے بارے میں یہ رائے قائم کر لی تھی کہ میں اور کاروبار الگ ہو سکتے ہیں ، تمہیں نہیں معلوم ہمارا چولی دامن کا ساتھ ہے !،،

،، مانتا ہوں بیشک ہے !،،

محمود نے کہا ،، لیکن مجھ میں اور دوسروں میں فرق یہ ہے کہ میں تسلیم کرتا ہوں اور دوسرے نہیں مانتے ! ورنہ دنیا میں کون ہے جو اس علت میں گرفتار نہیں !،،

سلیم ہنس پڑا ،

،، اچھی رہی بھائی ، اپنے ساتھ ساری دنیا کو لے ڈالا ، ———
ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے !،،

محمود نے کہا ،، تم میرے نقطۂ نظر کو اچھی طرح جانتے ہو ، میں بار

بار اسے کیوں دوہراؤں؟ پھر تم سنجیدگی سے بحث بھی نہیں کرتے، کم از کم میرا جہاں تک تعلق ہے ہر بات مذاق میں اڑا دیتے ہو!"

سلیم نے جواب دیا، "خیر یہ بحث تو بعد میں بھی ہوتی رہے گی کہ تم سچے ہو یا جھوٹے؟ تمہارا نقطۂ نظر صحیح ہے یا غلط؟ میں جنابِ والا سے صرف ایک سوال کرنا چاہتا ہوں!"

"فرمائیے، ارشاد!"

"تم نے ماہ پارہ سے شادی کر لی اچھا کیا لیکن اب عذرا کا کیا ہوگا؟"

"اس کے بارے میں، میں کیا بتا سکتا ہوں؟"

ایک تاثر کے عالم میں سلیم نے کہا،

"محمود، تم بڑے سنگ دل ہو، وہ تمہیں کتنا چاہتی تھی؟ اسے تمہارے وعدوں پر کتنا بھروسہ تھا؟ میں نے بارہا اس سے کہا، محمود قابلِ اعتبار آدمی نہیں، اس کے پیچھے نہ پڑو، وہ مکار اور فریبی ہے، اس کی باتوں کا یقین نہ کرو، وہ دغاباز، اور شیطان ہے، اس کی رفیقۂ حیات بننے کی کوشش نہ کرو، وہ اول درجہ کا تاجر ہے، تمہارا اس کا سودا نہیں پٹ سکتا، لیکن جانتے ہو، میری ان باتوں کا جواب وہ ہمیشہ کیا دیتی رہی؟ صرف ایک، سلیم بھیا،

آپ کی ہر بات پر میرا ایمان ہے، لیکن محمود کے خلاف آپ جو کچھ، کہتے ہیں میں اس کان سنتی ہوں، اس کان اڑا دیتی ہوں، آپ انہیں اپنی نظر سے دیکھتے ہیں، میری نگاہ سے دیکھئے تو ان میں خوبی کے سوا آپ کو کچھ نظر ہی نہیں آئے گا، پھر جب تم نے ماہ پارہ سے شادی کر لی تو میں پھر اس کے پاس گیا میں نے کہا،

"عذرا تمہیں ایک خوشخبری سناؤں؟"

وہ ایک سوگوار تبسم کے ساتھ بولی،

"مجھے معلوم ہے!"

میں نے پوچھا "کیا معلوم ہے؟"

وہ بولی "آپ ان کی شادی کا ذکر کرنا چاہتے ہوں گے!"

میں نے کہا "ہاں، ———— تو اب کیا کہتی ہو؟"

وہ بولی "کچھ نہیں!"

"صدمہ ہوا تمہیں؟"

"بالکل نہیں!"

"تعجب؟"

"وہ بھی نہیں!"

"غصہ؟"

"کہیں غصہ آسکتا ہے ان پر؟ اور پھر غصہ کی بات ہی کیا کی ہے انھوں نے؟"

میں حیرت سے اسے دیکھنے لگا، میں نے پوچھا،

"تم کس دنیا کی مخلوق ہو؟"

کہنے لگی "ناکامی کی دنیا کی!"

سلیم نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا، "ان مختصر سے الفاظ میں کتنا سوز تھا، کتنا درد تھا، میں کہہ نہیں سکتا، میرا دل لرز گیا، میری آنکھوں میں آنسو آ گئے اس نے میری حالت بھانپ لی، اور بڑے استقلال کے ساتھ کہا،

"سلیم بھیّا، آپ مرد ہو کر کمزوری دکھاتے ہیں؟ آخر اس واقعہ سے آپ اتنے متاثر کیوں ہیں؟ اس میں ندرت کیا ہے؟ آپ کو تعجب ہے، میں روتی کیوں نہیں؟ چیختی کیوں نہیں؟ لیکن رونا اس وقت آتا ہے جب توقع قائم کی جائے اور وہ ناکام رہے، چیخ اس وقت منہ سے نکلتی ہے جب امید بندھے، اور ٹوٹ جائے، میں نے تو ایک لمحے کے لئے بھی کبھی کوئی توقع نہیں کی، کبھی کوئی امید نہیں باندھی، دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے میں نے کچھ کھویا ہی نہیں پھر روؤں کیوں؟ میں نے کچھ گنوایا ہی نہیں پھر چیخوں کس لئے؟ محمود سے محبت

میں پہلے بھی کرتی تھی اب بھی کرتی ہوں، اور جب تک زندہ رہوں گی کرتی رہوں گی، لیکن میں نے محبّت کا مطلب شادی کبھی نہیں لیا، الفت اور وصل کو ہم معنی میں نے کبھی نہیں قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو دکھ ہے اور میں جیسی تھی ویسی ہی ہوں، محمود کا جسم کسی اور عورت کا ہو گیا، محمود کی روح کبھی بھی میری نہیں تھی، میں نے کبھی بھی دھوکا نہیں کھایا، لیکن محمود ہمیشہ سے میرا تھا اور ہمیشہ میرا رہے گا، وہ مجھ سے کبھی نہ ملے کبھی میرے پاس نہ آئے، کبھی میری بات نہ پوچھے کبھی میرے دکھ سکھ میں شریک نہ ہو، مگر میری محبّت کم نہ ہوگی، کیونکہ میں محمود کی عادتوں سے محبّت نہیں کرتی، میں صرف محمود سے محبّت کرتی ہوں اور محبّت کو چھیننے کی قدرت کسی میں نہیں، نہ اس زمین کے اوپر، نہ اس آسمان کے نیچے!"

سلیم نے بڑے جوش کے عالم میں کہا "محمود عذرا کی یہ باتیں سن کر میں دنگ رہ گیا، کتنی اونچی ہے وہ، کتنا اونچا ہے اس کا آدرش، کتنی بلند ہے اس کی فطرت، کتنی عجیب مخلوق ہے وہ بھی، کوئی اور ہوتا تو، اس کے پاؤں دھو دھو کے پیتا، مگر آپ ہیں کہ سارے وعدے فراموش کرکے اسے چھوڑ بیٹھے، تم کتنے قابل نفرت آدمی ہوتے جاتے ہو روز بروز! ــــــ ہاں میں سمجھ گیا یہ حرکت تم نے کیوں کی؟"

محمود نے پوچھا "کون سی حرکت؟"

"یہی ماہ پارہ سے شادی اور عذرا سے بیوفائی!"

"بتاؤ کیا سمجھے؟"

"ماہ پارہ کے پاس دولت ہے اور عذرا کے پاس دل کے سوا کچھ نہیں، ماہ پارہ تمہیں لکھ پتی بنا سکتی ہے، اور عذرا تمہیں بامِ عروج پر مالی حیثیت سے نہیں پہنچا سکتی، کیوں میں غلط تو نہیں کہتا، یہی بات ہے نا؟"

محمود نے ایک جمائی لیتے ہوئے کہا "تم نے اتنی لمبی چوڑی تقریر کر ڈالی اور نہ جانے کتنے سوالات کر بیٹھے، اور بہت کچھ کہہ گئے، ان سب کا جواب میں کیونکر دے سکتا ہوں؟ صرف ایک بات کہتا ہوں، غور سے اور کان کھول کر سن لو!"

"سن رہا ہوں کہو!"

"عذرا نے سچ کہا، محبت اور شادی لازم وملزوم نہیں ہیں! یہ ایک بات اگر تم سمجھ لو پھر تمہارے دل میں کوئی سوال نہیں پیدا ہوگا!"

سلیم نے زہرخند کرتے ہوئے کہا "جب میں تمہیں اچھی طرح سمجھ چکا ہوں تو بات سمجھنے کی کیا ضرورت ہے!"

محمود نے ہنستے ہوئے کہا۔ اب آ گئے تم طنز و تعریض پر؟ یہی تمہاری کمزوری ہے۔ صاف بات یہ ہے کہ عذرا کی وقتی خوشنودی اور مسرت

کے لئے میں اپنا مستقبل کیوں تاریک بناؤں ؟ میں ابھی جوان ہوں لمبی چوڑی زندگی میرے سامنے پڑی ہے ، مجھے بہت کچھ کرنا ہے ، میں دیکھ رہا ہوں ، اس دیس میں آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے ، لیڈر رہیں وہ ناقص وزیر ہیں وہ مہمل ، مجھے حکومت کی باگ ڈور بھی سنبھالنی ہے اور لیڈری بھی کرنی ہے ، اور یہ کام بغیر روپے کے نہیں ہو سکتا ، ماہ پارہ مجھے مل گئی ـــــ ایک بہت بڑی دولت ـــــ اس زینہ سے میں اوپر چڑھوں گا فلک الافلاک کی خبر لاؤں گا ، عذرا کے ساتھ تم بھی ، ٹانگ پکڑ کر مجھے نیچے کھینچنا چاہتے ہو ، میں گرنے سے انکار کرتا ہوں ، کیوں گروں ؟ کس لئے اپنی زندگی کی بہار خزاں سے بدل دوں ؟ محض اس لئے کہ عذرا کو اس کا پسندیدہ شوہر مل جائے ؟ سوچو تو کتنی مہمل بات ہے یہ ؟"

"مانتا ہوں ، بڑی پتہ کی بات کہی تم نے ، عذرا ابھی بیوقوف ہے ، اور میں بھی !"

محمود نے ہنستے ہوئے کہا "بہت دنوں کے بعد تم نے ایک سچی بات کہی ، میں تمہیں شاباش دیتا ہوں !"

شاید سلیم ابھی کچھ اور سوال جواب کرکے اپنے دل کی بھڑاس اچھی طرح نکالتا ، لیکن اسی اثنا میں کلب کے دو تین دوست محمود کو

شادی کی مبارکباد دینے آ گئے، ان کے آتے ہی مجلس کا مزاج اور رنگ بدل گیا اور تھوڑی دیر کے لئے محمود کا گھر خود کلب بن گیا!

سلیم تھوڑی دیر تک بیٹھا اور پھر دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو گیا!————————!

(۹)

عذرا

بہت دنوں کی بات ہے!

کئی بہاریں آئیں لیکن وہ خزاں میں تبدیل ہوگئیں اور کئی مرتبہ خزاں کے جھونکے چلے، اور وہ نسیم بہار بن گئے، ایک سہانی رات کا واقعہ ہے، چاندنی چھٹکی ہوئی تھی، آسمان کی چھت پر تارے جھلمل جھلمل کر رہے تھے، اور چاند کی قندیل روشن تھی، رات کا اندھیرا چاند کی روشنی سے پناہ مانگتا ہوا بھاگ چکا تھا، باغ کے ایک گوشہ میں ایک خوب صورت سے تالاب کے کنارے دو دل ایک ساتھ دھڑک رہے تھے!"

ان میں سے ایک عذرا کا نازک سا دل تھا، اور دوسرا محمود کا مضبوط اور توانا دل!

عذرا کہہ رہی تھی،

"وہ دن کب آئے گا، جب ہم تم ایک ہو جائیں گے!"

اور محمود نے جواب دیا تھا "وہ دن آگیا آج سے ہم تم ایک ہیں!"

اور نہ جانے کیا سوچ کر عذرا نے کہا تھا "یہ دن تو ہر روز آتا ہے میری مراد تو اس دن سے ہے جب دنیا والے بھی ہمیں اس حیثیت سے جان لیں گے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے رفیق حیات ہیں!"

اور محمود نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

"دنیا والے؟ عذرا تم میری توہین نہ کرو!"

وہ گھبرائی، اس نے پوچھا "کیا کہتے ہو محمود؟ میں بھلا تمہاری توہین کروں گی؟"

محمود نے کہا "میں اپنے کسی معاملہ میں دنیا والوں کو گواہ بنانا نہیں چاہتا"

وہ سہم گئی۔

"کیوں؟"

وہ ذرا برہمی کے ساتھ بولا،

"دنیا والوں کو میرے معاملات میں مداخلت کا کیا حق ہے! وہ کیوں جانیں میں کیا کر رہا ہوں اور کیا نہیں کر رہا؟! انہیں کیا حق ہے کہ معلوم کریں کس سے میرے تعلقات کیا ہیں؟ میں کبھی کھوج

نہیں لگا کہ فلاں دو آدمی ایک دوسرے سے کیوں ملتے ہیں؟ وہ مرد اس عورت سے کیا تعلق رکھتا ہے؟ اور عورت اس مرد سے کیوں عشق کرتی ہے؟"

وہ ڈرتے ڈرتے بولی، "کیوں حرج ہی کیا ہے، یہ سب کچھ جانتے میں -؟"

وہ بے پروائی سے بولا "بہت بڑا حرج ہے، تعلقات اثر اور دباؤ سے قائم نہیں رہتے، میں دنیا والوں کو گواہ کر کے ایک عورت سے شادی کرتا ہوں، لیکن جب وہ میری نظر سے گر جاتی ہے تو میں دوسری شادی کر لیتا ہوں اور دنیا والے اس کے بھی گواہ بن جاتے ہیں، یا جب میری اور میری بیوی کی نہیں نبھتی، اور تعلقات ایسی صورت اختیار کر لیتے ہیں کہ نباہ ناممکن ہو جائے، تو میں طلاق دے دیتا ہوں اور دنیا والے فوراً گواہ بن جاتے ہیں، اسلام کے سوا دوسرے مذاہب میں طلاق کی اجازت کسی حالت میں بھی نہیں، لہذا انھوں نے مذاہب سے ہٹ کر قانون بنا ڈالے ہیں، لیکن وہ قوانین ناقص ہیں، ان قوانین کی رو سے اس وقت تک طلاق نہیں دی جا سکتی اور زن و شوہر میں علیحدگی نہیں عمل میں آ سکتی جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ کوئی ایک بدچلن آوارہ ہے، لہذا طلاق حاصل کرنے کے لئے وہ لوگ جو بدچلن اور آوارہ نہیں ہوتے یہ کرتے ہیں کہ

جھوٹ موٹ اپنی بد چلنی ثابت کرتے ہیں، مرد بھی اور عورت بھی اور اس جھوٹ کی گواہی بھی دنیا بڑی مستعدی سے دیتی ہے، ایسی دنیا کس کام کی؟ ایسی دنیا کی گواہی کیا وقعت رکھتی ہے؟ ایسی دنیا کو اپنے معاملات میں گواہ بنانا میں اپنی توہین سمجھتا ہوں!"

عذرا یکسر توجہ اور التفات بنی محمود کی باتیں سن رہی تھی۔

محمود نے کچھ دیر رک کر کہا "عذرا سچ بتاؤ کیا شادی کے بعد میں، تمہیں طلاق نہیں دے سکتا؟"

وہ بولی "کیوں نہیں دے سکتے ہیں!"

پھر اس نے پوچھا،

"کیا تم سے شادی کے بعد میں دوسری شادی نہیں کر سکتا؟"

وہ بولی "کر سکتے ہیں!"

پھر ایک سوال کیا محمود نے،

"دنیا کے سامنے تمہیں اپنی رفیقۂ حیات بنا کر کیا دوسری عورتوں، سے ناجائز تعلقات میں پیدا نہیں کر سکتا؟"

وہ بولی "یہ بھی ہو سکتا ہے!"

کہنے لگا "اچھا ایک سوال اور!"

کہنے لگی "ہاں ہاں پوچھئے!"

محمود نے کہا "اور کیا یہی سب کچھ جو میں کر سکتا ہوں، عورت ہونے کے باوجود تم نہیں کر سکتیں؟"

وہ مسکرادی،

"ہٹئے بھی!"

وہ سنجیدگی سے بولا "میں مذاق نہیں کرتا، بات پوچھتا ہوں — جواب دو!"

کہنے لگی "انسان جو چاہے کرسکتا ہے، چاہے وہ مرد ہو یا عورت!"

"شاباش، بالکل ٹھیک جواب دیا تم نے، اب بتاؤ، جب اتنی آزادی مرد اور عورت کو حاصل ہے، پھر دنیا کو گول بنانے اور دنیا کے سامنے اعلان کرنے سے کیا حاصل؟ کیا یہ مذاق نہیں ہو گا؟"

عذرا نے کوئی جواب نہیں دیا، مسکرا کر، محبت بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگی،

محمود نے پوچھا "فرمایئے، اب بھی اصرار ہے آپ کو اپنے مطالبہ پر؟"

اس کے لبوں پر پھر تبسم کھیلنے لگا۔

"نہیں!"

محمود نے اس کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا "شاباش بہت سمجھدار ہو!"

اور پھر ذرا رک کر محمود نے کہا "اصل چیز دلی لگاؤ ہے، جب تک وہ

قائم ہے کوئی کچھ نہیں کر سکتا، اگر مجھے تم سے اور تمہیں مجھ سے محبت ہے تو
دیواریں پھاند کر تم میرے پاس پہنچو گی، اور سلاخیں توڑ کر میں تمہاری
خواب گاہ میں پہنچوں گا، اور اگر دل لگاؤ نہیں ہے، کم ہو گیا ہے، یا ختم ہو
گیا ہے تو ہم تم ایک پنجرے میں بند کر دیئے جائیں پھر بھی ہم ایک دوسرے
سے اتنے ہی دور رہیں گے جیسے قطب شمالی سے قطب جنوبی!"

عذرا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا،

"ہاں بات تو یہی ہے!"

اور پھر؟

پھر محمود نے عذرا کو اپنے سینہ سے لگا لیا،

اور پھر؟

محمود اور عذرا ایک جان دو قالب بن گئے،

اور پھر؟

عذرا لڑکی سے عورت بن گئی!

اور پھر؟

دونوں آزادی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملنے لگے، کبھی محمود،
ساری ساری رات عذرا کے شبستان میں گزار دیتا، اور کبھی عذرا ساری
ساری رات محمود کے بنگلہ میں بسر کر دیتی،

دنیا نے انگلی اٹھائی!

لوگوں نے طعنے دیئے!،

پڑوسیوں نے مذاق اڑایا،

ساتھیوں نے بدنام کیا،

عزیزوں نے گالیاں دیں!

سب ہی کچھ ہوا،!

لیکن عذرا چکنا گھڑا بنی ہوئی تھی۔جس پر پانی کی بوند ٹکتی ہی نہیں! وہ یہ ساری باتیں اس کان سنتی اس کان اڑا دیتی، محمود نے اسے ایسا سبق پڑھایا تھا جو اسے ہر وقت یاد رہتا،

وہ اب دنیا کو ہیچ سمجھنے لگی تھی!

دنیا والے اب اس کی نظر میں بے جان کھلونوں سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔جنہیں بیک وقت توڑا بھی جاسکتا ہے، اور ٹھکرایا بھی جاسکتا ہے!

لوگ عذرا کے اس انقلاب کو دیکھکر حیران ہوتے تھے، پریشان ہوتے تھے، لیکن وہ اپنی حالت پر قانع تھی، خوش تھی، مطمئن تھی اسے کوئی فکر نہیں تھی، کوئی اندیشہ نہیں تھا، ماضی کو وہ بھول چکی تھی، مستقبل کی اسے پرواہ نہیں تھی، حال ہی تھا سب کچھ! بہت کچھ!

اور یہ حال کتنا طویل تھا؟ روزِ حشر کی طرح دراز، اور شبِ وصل کی طرح خوش آیند!"

دن بیتے، ہفتے گذرے، مہینے آئے اور گئے، کئی سال بنے اور بگڑے، لیکن حال اپنی جگہ جوں کا توں قائم تھا، اس میں کوئی تزلزل نہیں تھا، کسی طرح کی لغزش نہیں تھی، یہاں تک کہ وہ سمجھنے لگی، ماضی ایک افسانہ ہے اور مستقبل ایک وہم جو کچھ ہے وہ حال ہی ہے، اور یہ حال کبھی ختم نہ ہونے کے لئے شروع ہوا ہے، یہ اسی دن ختم ہوگا، جس روز سانس کا تار ٹوٹے گا، جس دن دل کی دھڑکن بند ہوگی!"

اور ——— !

اور ایک روز دفعتہً حال کا یہ طلسم مکڑی کے جالے کی طرح ٹوٹ کر رہ گیا ——— عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

"وہ سوچنے لگی، کیا میری وہ دنیا جو میں نے بڑے چاؤ اور امنگ سے بنائی تھی صرف ایک حلقۂ دامِ خیال تھی، اور بس، اس سے زیادہ کچھ نہیں!"

پہلے پہل جب اس نے دیکھا کہ محمود نے اس کے ہاں آنا جانا اور اس سے ملنا جلنا کم کر دیا ہے تو وہ چونکی!

پھر جب اسے معلوم ہوا کہ محمود نے ماہ پارہ بیگم سے شادی کر لی،

ہے تو وہ رو دی!

لیکن بہت جلد وہ اپنے آپ پر غالب آ گئی، اس نے ایک آنسو کا قطرہ بھی زمین پر نہیں گرنے دیا، آنکھوں ہی آنکھوں میں جذب کر لیا اور سلیم اس کے پاس آیا، اس نے (اپنے بچپن کے دوست اور پرانے ساتھی کو برا بھلا کہتے ہوئے اس سے پوچھا،

"اب؟"

تو وہ بڑی سنجیدگی سے بولی "کچھ بھی نہیں!"

"آخر کیا پروگرام ہے؟"

سلیم نے ذرا چیخ کر پوچھا "اس دغاباز محمود کو اب بھی پوجو گی؟"

وہ بگڑ گئی،

"آپ اپنے الفاظ واپس لیجئے!"

"الفاظ واپس لوں؟ کون سے الفاظ؟"

وہ تقریباً روتی ہوئی بولی،

"آپ نے انہیں دغاباز کیوں کہا"

"تو وہ ایمان دار ہے؟ نیک ہے؟"

جوش کے ساتھ اس نے جواب دیا،

"ہاں ———— دونوں باتیں ہیں ان میں، وہ ایمان دار

بھی ہیں اور نیک بھی، انھوں نے کوئی بدمعاشی نہیں کی شادی کی ہے زناکاری نہیں کی، انھوں نے نیک ہی کام کیا ہے، وہ ایماندار بھی ہیں، دغاباز ذرا بھی نہیں ــــــــــ!"

سلیم بیچ میں بول اٹھا، "وہ کیسے؟"

کہنے لگی، "ایسے کہ انھوں نے اپنے بارے میں پہلے ہی سے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا!"

"کیا بتا دیا تھا؟"

"یہ کہ شادی کے بعد بھی رشتہ قطع ہو سکتا ہے، محبت ندی کی طرح چڑھ بھی سکتی ہے، اور اتر بھی سکتی ہے، نباہ آپس میں سمجھوتے کا نتیجہ ہوتا ہے، قائم بھی رہ سکتا ہے اور ٹوٹ بھی سکتا ہے ــــــــــ اور اگر انھوں نے رشتہ قطع کر دیا، ان کی محبت کا دریا اتر گیا اور وہ نباہ نہ کر سکے تو اس میں دغا بازی کیا ہوئی؟ انھوں نے تو صاف صاف ایک ایک بات کہہ دی تھی سوچنا مجھے چاہیئے تھا، میں نے نہ سوچا، اگر میں نے غلطی کی تو اس کا نتیجہ بھگتنے سے کیوں بھاگوں؟"

سلیم نے جل کر کہا "مطلب یہ کہ آپ ایک پتی ورتا استری کی طرح یہ سفاکی چپ چاپ برداشت کر لیں گی؟ اور وہ ایک

نفس پرست کی طرح مزے کرتا رہے گا؟"

"یہی سمجھ لیجئے!"

سلیم نے کہا "عذرا مجھے بہت غصہ ہے تم پر، تم پرلے درجہ کی بیوقوف ہو!"

اس نے اپنی قیامت خیز آنکھیں اوپر اٹھائیں ایک نظر سلیم کو دیکھا، اور کہا،

"کیوں کیا ہوا؟"

وہ بولا،

"اور اس کا کیا ہوگا؟"

"کس کا؟"

"کیوں صاف صاف کہلواتی ہو؟ ہونے والے بچہ کا اور کس کا؟"

بڑے ٹھنڈے لہجہ میں اس نے جواب دیا "اس کی ابھی سے کیا فکر"

"کیوں؟ یہ کیا؟"

"ابھی بہت مرحلے ہیں ——— کیا جانے دنیا میں صحیح سلامت آبھی سکے یا نہیں؟ اور آجائے تو زندہ بھی رہے یا نہیں!"

"فرض کرو، صحیح سلامت آئے، اور زندہ رہے تب کیا کرو گی؟"

"پال پوس کر بڑا کر دوں گی، پھر وہ جانے اور اس کا کام۔

چاہے باپ کے نقش قدم پر چلے یا میرے!"

"لاحول ولا قوۃ، عجیب چیز ہو! ــــ اس کے مستقبل

کی تمہیں ذرا بھی فکر نہیں؟"

"جی بالکل نہیں!"

"تم ماں ہو!"

اسی لئے تو نہیں ــــ جو لڑکا میرے پیٹ سے پیدا ہو اسے اپنے مستقبل کے لئے باپ کے ترکہ پر للچائی ہوئی نظر نہیں ڈالنا چاہیئے!"

"پھر کیا کرنا چاہیئے؟"

"اپنا مستقبل آپ بنانا چاہیئے ــــ اپنی دنیا آپ پیدا کرا گر زندوں میں ہے!"

سلیم نے اب عذرا کی دکھتی رگ پکڑی،

"لیکن یہ کیا ضرور ہے کہ لڑکا ہو؟ اگر لڑکی ہوئی تو وہ کیا کرے گی؟"

بڑے اطمینان سے عذرا نے کہا وہ جو میں کر رہی ہوں جو میں کروں گی!

ــــ میں ان لوگوں میں نہیں ہوں جو عورت کو موم کی گڑیا

سمجھتے ہیں، جن کا خیال ہے عورت کچھ نہیں کر سکتی، جنھوں نے یہ پروپیگنڈا کر رکھا ہے کہ عورت بغیر سہارے کے زندہ نہیں رہ سکتی! ــــــ میرے پیٹ سے جو لڑکی پیدا ہو گی اس میں بھی اتنی ہمت ہونی چاہیئے کہ وہ کسی پر بار بنے بغیر کسی سے خواہ وہ اس کا باپ ہی کیوں نہ ہو آس لگائے بغیر خود زندہ رہ سکے، اپنی دنیا بسا سکے بنا سکے، آیا آپ کی سمجھ میں؟"

اور پھر وہ مسکرادی!

پھیکی سی مسکراہٹ!

سلیم نے عاجز آکر کہا "تم سے جیتنا بہت مشکل ہے!"

وہ کہنے لگی "آپ ہار جیت کا سوال کیوں لے بیٹھے؟ دنیا میں کیا اس طرح کے واقعات نہیں ہوتے رہتے؟ اس میں ندرت کیا ہے ہاں ایک نئی بات ضرور ہے، وہ یہ کہ میں رونے اور چیخنے نہیں لگی، خود اعتمادی سے کام لیا اور طے کر لیا زندہ رہوں گی، اور ہرگز اپنی زندگی میں سوگواری کو داخل نہیں ہونے دوں گی، بتایئے کیا برا فیصلہ کیا میں نے؟"

"بڑا اچھا فیصلہ ہے، لیکن ایک کام تو کرو"

"وہ کیا؟"

"بخت سے اپنے اور ہونے والے بچّے کے گزارہ کا مطالبہ تو کرو!"
عذرا نے حقارت کی نظر سلیم پر ڈالی، اس نظر میں کچھ ایسی ہیبت تھی کہ وہ کانپ گیا، پھر وہ بہت آہستہ سے بولی،
"آپ مجھے اپاہج سمجھتے ہیں یا بے غیرت، حالانکہ نہ میں اپاہج ہوں نہ بے غیرت، آپ کو معلوم ہونا چاہیئے، میں ان سے کبھی کچھ نہیں مانگوں گی، اگر وہ خود بھی دیں گے تو نہیں لوں گی، شکریہ کے ساتھ واپس کر دوں گی ـــــــ ہاں اگر میں کبھی ان کی مدد کر سکی تو مجھے کوئی عذر نہ ہو گا!"
طنزیہ لہجہ میں سلیم نے پوچھا "اچھا، اس کارِ خیر کا ارادہ بھی ہے؟"
وہ مسکرا دی،
"جائیے ہٹئے، آپ تو مذاق کرتے ہیں!"
سلیم جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا، عذرا نے کہا،
"چائے پی کر جائیے گا!"
وہ بولا "نہیں پیوں گا!"
اسی لہجہ میں وہ بولی "پینا پڑے گی ـــــــ ابھی لائی!"
وہ مجبوراً پھر کرسی پر بیٹھ گیا، ذرا دیر میں عذرا چائے بنا کر لے آئی اور دونوں ساتھ ساتھ پینے لگے! سلیم چائے کا ایک

گھونٹ پیتا تھا، اور بحرِ فکر میں غوطہ زن ہو جاتا تھا، چائے کی ایک پیالی اس نے آدھے گھنٹہ میں پی! پھر بھی ایسا معلوم ہوا جیسے نہیں پی!،

(۶)

اور ایک روز...!

آج اتوار تھا!،

سلیم ناشتہ کرنے بیٹھا ہی تھا کہ محمود آگیا، اس نے بڑی بے تکلفی کے لہجہ میں کہا،

"بڑے وقت سے پہنچا!"

سلیم نے کہا" وقت سے نہ پہنچے، تب بھی کچھ کھائے بغیر تم جانے والے کب تھے؟ آؤ بیٹھو!"

وہ بیٹھ گیا، اور ناشتہ میں شرکت کرتا ہوا بولا،

"کہو کوئی نئی خبر؟"

سلیم نے کہا" کل پھر میں عذرا کے ہاں گیا تھا"

"پھر گئے تھے؟"

"ہاں!"

"معلوم ہوتا ہے کچھ گل کھلا کر رہے گا میرا یار!"

یہ کہہ کر وہ زور زور سے ہنسنے لگا،

سلیم نے ڈانٹا،

"خاموش، وہ میری بہن ہے!"

"بڑا مقدس رشتہ ہے، اچھا بھئی میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں!"

سلیم نے کہا "ہاں تو کل میں پھر عذرا کے ہاں گیا تھا اور جب بھی وہاں جاتا ہوں تمہارے لئے اپنے دل میں نفرت اور حقارت کے سوا کچھ نہیں لاتا!"

"کیوں؟ ——— بہت شکایت کرتی ہے وہ میری؟"

"بالکل نہیں!"

"پھر حضور کی نفرت کا سبب؟"

"حضور کی ننگ انسانیت حرکتیں اور کیا ——— واقعی تم آدمی نہیں شیطان ہو!"

محمود نے ایک زوردار قہقہہ لگایا،

"خوب پہچانا بھائی، کیوں نہ ہو، آخر خود بھی جو شیطان ٹھہرے۔ ——— وہی بات ہے، ولی را ولی می شناسد، شیطان کو شیطان ہی پہچان سکتا ہے ——— اچھا آگئے؟"

"بس اور کیا آگے؟ جی نہیں بھرا؟ کچھ اور سننا چاہتے ہو؟"

"کیوں نہیں! تمہارے منہ سے نکلی ہوئی بات بری کیسے لگتی ہے، ع

جوابِ تلخ می زیبد لبِ لعل شکر خارا!"

"تم ان باتوں سے مجھے خوش نہیں کر سکتے، نفرت کرنے لگا ہوں میں تم سے!"

نفرت کرو یا پیار، ہماری نظر میں وہی رہو گے جو تھے ؎

تمہیں آتا ہے پیار پر غصہ   ہمیں غصہ پہ پیار آتا ہے!"

سلیم نے عاجز آکر کہا "اب یہ بکواس بند بھی کرو گے؟"

"اسی لئے تو آیا ہوں، کئی دن سے تم ملے نہیں، اس سے پہلے جب ملے تو روٹھ جھگڑ کر چلے آئے! میں نے کہا، تمہیں منا بھی لوں، اور اپنے دل کی بھڑاس بھی نکال لوں!"

سلیم نے حیرت سے محمود کو دیکھتے ہوئے کہا "سبحان اللہ، بہت خوب فرمایا، آپ کے دل میں بھی بھڑاس ہے جو نکلنے کے لئے بے چین ہو رہی ہے؟ بھڑاس تو میرے دل میں ہے، پھوڑا تو میرا دل ہو رہا ہے!"

"اچھا تو تم ہی نکال لو، مطلب تو یہ ہے کہ کسی کے دل کی بھڑاس نکلے"

"مجھے فرصت نہیں ہے اس وقت!"

"واہ بھئی، یہ بھی خوب کہی، اتوار کا دن اور فرصت نہیں ہے سرکار کو، ارے بھئی آج تو فرصت ہی فرصت ہے، ہاں، چلو شروع کرو!"

"میرے سر میں درد ہو رہا ہے!"

"اور زبان میں؟"

"اس میں بھی!"

اور پھر وہ مسکرا دیا،

محمود نے کہا: "اچھا تو تم چپ چاپ بیٹھے رہو، میری سنو!"

"آپ کیا فرمائیں گے؟"

"سن تو لے ظالم!"

"اچھا کہئے!"

"تم اسی کے تو شاکی ہو کہ میں تاجرانہ ذہنیت رکھتا ہوں؟"

"ہاں!"

"یہ کہ میرا کوئی کام ایسا نہیں ہوتا جو کاروباری پہلو سے خالی ہو؟"

"ٹھیک ہے!"

"لیکن یہ بتاؤ اس میں یہ خاکسار منفرد کب ہے، اکیلا کہاں ہے؟ یہ ساری دنیا میری ساتھی ہے، شیخ حرم بھی، اور رندِ آشام بھی، لیڈر بھی، اور واعظ بھی، ناصح بھی، اور زاہد بھی، دوست بھی اور دشمن

بھی، مرد بھی اور عورت بھی، جتنی سطحی نظر ڈالوگے۔ میری بات تمہیں مہمل نظر آئے گی، جتنی گہری نظر ڈالوگے میرا ہر قول الہامی نظر آئے گا!"

"ہشت پاگل! ـــــــ شیطان کو الہام سے کیا تعلق؟"

"میں سنجیدگی سے باتیں کر رہا ہوں اور تمہیں لفنگے پن کی سوجھ رہی ہے؟ ـــــــ سنتے ہو یا نہیں؟"

"سن رہا ہوں، بکے جائیے!"

"اچھا ایک کہانی سنو، سنو گے؟"

"سنائیے!"

محمود نے سگریٹ سے سگریٹ سلگاتے ہوئے بڑے اطمینان سے کہا،

"وہ اپنے مولوی عبدالمجید ہیں نا؟ ـــــــ وہی مولوی فاضل، منشی فاضل، ادیب عالم، ادیب فاضل، صرف زبان میں بی، اے کا امتحان بھی پاس کر چکے ہیں، اسلامیہ ہائی اسکول میں عربی کے معلم بھی کئی سال رہ چکے ہیں جانتے ہو نا، نہیں؟"

"ہاں خوب جانتا ہوں بات کہو!"

"انھوں نے کوشش کی کہ کالج میں جو ابھی نیا کھلا ہے جگہ مل جائے قابلیت کا جہاں تک تعلق ہے ماننا پڑے گا ان سے بڑھ کر اہل کوئی نہیں تھا، مگر انٹرویو میں فیل کر دیئے گئے، اور اس جگہ پر جن صاحب

کا تقرر ہوا، وہ صرف مولوی فاضل تھے، انگریزی بالکل نہیں جانتے تھے، ——— جانتے ہو کیوں ؟"

" نہیں جانتا !"

" اس لئے کہ مجید صاحب کا ذریعہ صرف اللہ میاں تھے، اور وہ ٹھہرے بے نیاز، اور حریف مقابل کے پشت پناہ تھے، خان بہادر، سیف اللہ جو پانچ سو ماہوار سے کالج کی مدد کرتے ہیں، تبلائیے پانچ سو ماہوار کے لالچ میں حق بیچارہ کند چھری سے ذبح کیا گیا یا نہیں ؟ ——— اور سنو، مجید صاحب نے جب یہ رنگ دیکھا تو انھوں نے بھی داؤں کھیلا، محکمۂ تعلیمات کے سکریٹری احمد علی خاں سے شکایت کی، خان صاحب کے چھوٹے لڑکے کو مجید صاحب مفت پڑھایا کرتے تھے، یہ مفت پڑھانا کام آیا، انھوں نے ٹیلیفون پر کالج کے سکریٹری کو ڈانٹا اور صاف کہہ دیا ایسی غیر ذمہ دارانہ حرکتیں کرو گے تو سرکاری امداد یعنی بارہ، ہزار سالانہ کا سلسلہ بند کر دیا جائے گا۔ سکریٹری صاحب نے فوراً تلافی مافات کا وعدہ کیا، دوسرے روز مولوی مجید کا کالج میں تقرر ہو گیا، اور ان کا حریف، کسی دوسری اسامی پر بھیج دیا گیا، ظاہر ہے دو دن میں، مجید صاحب نے کوئی مزید صلاحیت نہیں پیدا کر لی تھی لہذا حق اور قابلیت کا جہاں تک تعلق ہے اس تقرر میں اس کا کوئی دخل نہیں تھا، دخل تھا الٰہی

کاروبار کا جس کا تم ماتم کر رہے ہو، جب مولوی مجید کے تقرر سے پانچ سو، ماہوار کو خطرہ پیدا ہوا وہ نظر انداز کر دیئے گئے، اور جب انھوں نے ایک ہزار ماہوار چھین لینے کی طاقت پیدا کر لی، رکھ لئے گئے، بتاؤ کیا یہ صاف کاروبار نہیں ہے؟"

"ہاں ہے —— تو؟"

"اور سنو ایک داستان حیرت نشان!"

اب سلیم کو ذرا لطف آچلا تھا، اس نے مسکراتے ہوئے کہا،

"فرمایئے سن رہا ہوں!"

محمود نے پھر ایک نیا سگریٹ سلگایا اور کہا،

"ہاں تو وہ داستان یوں شروع ہوتی ہے کہ مسٹر فاروق نے تنسیخ زمینداری کی تحریک شروع کی، زمینداروں کے ایک وفد نے مولانا رضوی سے کہا، حضرت زمینداری رخصت ہو گئی تو آپ کو نہ مرغ مسلم ملے گا، نہ چندہ، مولانا نے بحر تفکر میں غوطہ لگایا، اور ایک بے بہا موتی فتوے کی صورت میں نکال لائے زمینداروں کی باچھیں کھل گئیں، کسانوں نے سر جھکا دیا اور باغیوں نے مذہب کے خلاف مورچہ جما دیا؟ —— ذرا غور فرمایئے کتنے باقاعدہ طریقے سے ہر ہر مرحلہ پر کاروبار ساتھ ساتھ چل رہا ہے؟"

سلیم نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور کہا "اور کچھ ؟"

محمود نے کہا "فقیر کے جھوٹے بیں کیا نہیں ہے تو اور سنو، تمہیں مجھ سے یہ شکایت ہے کہ میں نے عذرا کے ساتھ ناانصافی کی۔ وہ بھی اس حالت میں کہ وہ میرے ایک بچہ کی ماں بننے والی ہے !" ——

"ہاں کتنی ذلیل حرکت ہے یہ !"

"ٹھیک ہے لیکن میں اس سے بھی ایک ذلیل حرکت کا انکشاف کر رہا ہوں، انہیں، —— کیا نام ہے ان کا ؟ —— ہاں مسٹر کلیم انڈین سول سروس کے ممتاز رکن ہیں، بڑے قابل، بڑے ہونہار، باپ نے بچپن میں داغ مفارقت دیا، چچا نے حوصلہ سے زیادہ تعلیم پر صرف کیا، یہاں تک کہ آئی۔ سی۔ ایس کے امتحان میں کامیاب ہوئے اور رفتہ رفتہ بہت بڑے عہدے پر پہنچ گئے چچا کی لڑکی سے شادی ہوئی، بیوی، صورت اور سیرت کے اعتبار سے قابل تعریف، صورت میں ذرا یہ، تھا کہ دانت ذرا ٹیڑھے تھے اور کسی حد تک ہونٹوں سے باہر نکلے ہوئے تھے، بیچاری نے شوہر کی نظر میں محبوب بننے کے لئے سارے دانت نکلوا دیئے اور بڑی خوب صورت بتیسی بنوا لی، پہلے بھی بری نہ تھیں، اب اور خوب صورت ہو گئیں، پردہ چھوڑ دیا، ساری پہننے لگیں — انگریزی بالکل نہیں جانتی تھیں، ایک میم صاحبہ کو نوکر رکھ کر انگریزی،

بڑھی اور طاق ہو گئیں، دونوں میاں بیوی کی زندگی عیش و عشرت میں بسر ہونے لگی۔ دو لڑکیاں ہوئیں، ایک کی عمر اب ۲۰ سال کی ہے دوسری کی ۱۸ سال کی، ان لڑکیوں کی تعلیم و تربیت ابتدا ہی سے انگلش طرز پر ہوئی، کالج میں پڑھا، بورڈنگ میں رہیں، انگریزی مادری زبان کی طرح آگئی، اردو بھول گئیں، بھول کیا گئیں سیکھی ہی نہیں کیونکہ ہوش سنبھالتے ہی انگریزی کے ڈھرے پر ڈال دی گئی تھیں، ان لڑکیوں کی اس تعلیم و تربیت نے ان کا مستقبل کتنا روشن اور تابناک کر دیا تھا؟ بڑے بڑے گھرانوں کے مالدار اور خوب صورت لڑکے، للچائی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھا کرتے تھے، دل ہی دل میں پروگرام بنایا کرتے تھے، کمشنر صاحب کی لڑکی کو بیاہ کر گھر لائیں گے، سوسائٹی میں یوں عزت ہو گی، گھر میں یوں سر بلند ہوں گے، سرکاری ملازمت یوں آسانی سے مل جائے گی ترقی کے دروازے یوں بغیر کسی محنت کے کھل جائیں گے، اور ایک دن خدا کا کرنا کیا ہوا کہ کمشنر صاحب نے ایک نوجوان لڑکی سے پچاس سال کی عمر میں شادی کر لی، بیوی اور دونوں لڑکیاں سرکاری بنگلہ سے ہٹا کر اسی پرانے گھر میں بھیج دی گئیں جہاں وہ پیدا ہوئیں تھیں، کہاں تو روپے کی ریل پیل تھی، دس کی جگہ پچاس خرچ ہوتے تھے کہاں یہ نوبت پہنچی کہ صبح ہوئی تو شام کی،

لگر، اور شام ہوئی تو صبح کا غم، کہاں ٹینس، کلب، جلسے، کہاں گھر کی،
چار دیواری، باورچی خانہ اور وہی پرانا دالان، کہاں خانساماں،
بیرا، بوائے سب دست بستہ موجود، کہاں ملازم تک ندارد، کہاں ہر
قسم کی بات چیت انگریزی میں، کہاں اب پھر اردو کی طرف رجعت ماں
رہے تو خیر اردو کا بولنا مشکل نہیں تھا، لیکن لڑکیوں کی جان پر بن آئی،
وہ آلو دیکھ کر ماں سے پوچھتی تھیں، ممی اسے پٹیٹو کو کیا کہتے ہیں وہ بتاتی
تھیں آلو اور اسے "بنانا" تو اسے کیلا کہتے ہیں بیٹی، اور یہ "مینگو؟" یہ
آم ہے، اور یہ میٹ؟ اسے گوشت کہتے ہیں، اور لیور؟ اسے کلیجی کہا کرو،
اور رائس؟ چاول! اور وہیٹ؟ گیہوں! اس طرح بیچاریوں نے انگریزی
سے اردو سیکھی، پھر نماز سیکھی، پھر قرآن شریف سیکھا، اب نہ انہیں،
کوئی للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہے، نہ انہیں دیکھکر دل میں کسی
کے عشق کی لہریں اٹھتی ہیں، پہلے وہ سوچتی تھیں، ہمارا شوہر بیرسٹر ہوگا
انجینیر ہوگا، آئی سی ایس ہوگا، کوئی بڑا تاجر ہوگا، اور اب وہ اس
مسئلہ پر کچھ سوچتی ہی نہیں —— بتایئے لڑکیوں کو اب کوئی چاہنے والا
کیوں نہیں ملتا؟ اور کلیم صاحب کو اس عمر میں ایک نہایت خوبصورت،
انڈرگریجویٹ، تعلیم یافتہ اعلیٰ نسب والا حسب لڑکی نے شوہری میں کیسے
قبول کر لیا؟ کیا یہ سب تجارت نہیں؟ کیا کلیم صاحب مجھ سے زیادہ مجرم

نہیں ؟ کیا زاہدہ یعنی مسز کلیم عذرا سے زیادہ مظلوم تھیں ؟ عذرا کو تو ابھی سینکڑوں شوہر مل سکتے ہیں، وہ جوان ہے اور اس کے شباب کی تان ابھی قائم ہے، لیکن زاہدہ خاتون کو چالیس برس کی عمر میں کون چاہے گا ؟ وہ کس کے در پر دھونی رما کر بیٹھیں گی ؟ مجھے تم تاجر اور سود اگر کہتے ہو، نفرت کرتے ہو مجھ سے ؟ اور کلیم صاحب کی دعوتیں کرتے ہو، ان کے اعزاز میں پارٹیاں دیتے ہو، اسلئے کہ مجھ سے تمہیں کسی فائدہ یا نقصان کی امید نہیں، اور کلیم صاحب فائدہ بھی پہنچا سکتے ہیں اور نقصان بھی، کیا تم خود بھی تاجر نہیں ہو ——— !"

محمود ابھی کچھ کہتا، لیکن سلیم نے اسے روک دیا،

"بس خاموش !"

"کیوں بھئی !"

"بزرگوں کے سامنے بے ادبی کی باتیں نہیں کرتے ——— خطائے بزرگاں گرفتن خطا است !"

اور دونوں دوست بڑے زور زور سے ہنسنے لگے،

محمود نے کہا "اکیلے حکیم صاحب ہی اس جرم کے مجرم نہیں ہیں، ہمارے لیڈروں میں، وزیروں میں، بڑوں میں ایسی شاندار مثالیں بہت سی مل سکتی ہیں !"

سلیم نے کہا "ملاکریں، بری بات ہر حالت میں بری ہے، خواہ کسی سے بھی سرزد ہو، اور تم خاص طور پر اس لئے قابل ملامت ہو کہ ـــــــ"

محمود نے کہا "خاص عام کو چھوڑو، یہ بتاؤ اس دنیا کے حمام میں سارے انسان ننگے ہیں یا نہیں؟"

"ہاں ہیں ـــــــ کاش تم نہ ہوتے!"

گویا آپ کی نظر میں یہ خاکسار انسان نہیں ہے؟ اگر میں انسان نہیں ہوں، تو یا فرشتہ ہوں، یا شیطان، فرشتہ بننا نہیں چاہتا، شیطان بن نہیں سکتا!"

"یہ کیوں جناب؟"

"فرشتہ بننا بہت آسان ہے اور شیطان بننا بہت مشکل، آسان کام میری طبیعت کے خلاف ہے، اور مشکل کام بس کا روگ نہیں!"

دفعتہً محمود اچک پڑا،

"ہاں خوب یاد آئی ایک بات!"

"وہ کیا؟"

"یہ اپنے شہر کے کلکٹر صاحب کو تو جانتے ہونا؟"

"ہاں خوب جانتا ہوں!"

"اگر تم خوب جانتے ہو تو خوب تر میں جانتا ہوں، سنو ان کا بھی،

ایک ماجرا"

"ہٹاؤ بھی معلوم ہے!"

"کیا معلوم ہے؟"

"یہی کہ فلاں نااہل کی سفارش فلاں افسر نے کر دی، اور فلاں اہل کی، فلاں افسر نے شکایت کر دی، ایک سرکار ہو گیا، حالانکہ مستحق نہ تھا! اور دوسرا بیکار بنا دیا گیا، حالانکہ اس جور کا سزاوار نہ تھا؟ یہی نا؟ یا کچھ اور؟"

"ہاں بھئی ــــــ یار جانتے تو سب کچھ ہو!"

سلیم مسکرایا، کیوں نہیں، ورنہ در محفل رنداں خبرے نیست کہ نیست!"

"تو پھر ان مجسٹریٹ صاحب کو بھی خوب جانتے ہو گے؟"

"جی آپ سے کہیں زیادہ!"

"نہیں مجھ سے زیادہ نہیں!"

"تم سے بہت زیادہ ــــــ فلاں مجرم کو چھوڑ دیا اور فلاں بے گناہ کو سزا دے دی، اس لئے کہ مجرم کی سفارش میں ایک بڑا سا ٹیلیفون ایک بڑے آدمی کا آیا تھا، اور بے گناہ وکیل دلائل سے مسلح ہونے کے باوجود اثر و رسوخ سے محروم تھا! ــــــ اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا تھا؟"

"ہاں!"

"لیکن محمود ان باتوں سے تم ثابت کرنا کیا چاہتے ہو؟"

"صرف ایک بات!"

"کیا ہے ـــــ یہی نا کہ سب تاجر ہیں، اور کار و بار کرتے ہیں؟"

"ہاں بھئی!"

"اس سے فائدہ کیا؟"

"بہت بڑا فائدہ ہے، تمہاری زبان بند ہو جائے گی، تم مجھ پر پھر اعتراض نہیں کرو گے!"

"محمود یہی نہیں ہو سکتا، میری زبان بند نہیں ہو سکتی، میں ضرور اعتراض کروں گا! ـــــ میں تمہیں وہ نہیں دیکھنا چاہتا جو تم ہو، وہ دیکھنا چاہتا ہوں جو تم نہیں ہو!"

"اب تم جذباتی باتوں پر اتر آئے!"

"تم غلط سمجھے ـــــ میں جذباتی آدمی نہیں ہوں ـــــ کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق!

تم میں بہت سی صلاحیتیں ہیں، تم بڑے اچھے آدمی بن سکتے ہو، تم سے قوم اور ملک کو فائدہ پہنچ سکتا ہے!"

"وہ اب بھی پہنچ رہا ہے!"

"فائدہ تو کچھ بھی نہیں پہنچا ——— ہاں نقصان ضرور پہنچ رہا ہے!"

"پھر وہی بیوقوفی کی باتیں ——— خدا کے بندے تم نے ایک واقعہ، نہیں سنا؟"

"نہیں سنا، اور سننا بھی نہیں چاہتا، واقعی سر میں درد ہونے لگا!"

"اچھا اس واقعہ کے بعد کچھ نہیں کہوں گا، سن لو،!"

"کہو، لیکن اپنے وعدے پر قائم رہنا!"

"ہاں قائم رہوں گا!"

محمود نے ایک سگریٹ سلگایا، اور نئی داستان یوں شروع کی:۔

"کہتے ہیں ایک تھا بادشاہ، ہمارا تمہارا خدا بادشاہ!"

سلیم مسکرانے لگا، اور محمود نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا، بادشاہ شاد، رعایا آباد، نہ چوری کا کھٹکا، نہ رہزن کا ڈر، شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پیتے تھے، دوکانوں پر سونے اور چاندی کے توڑے یونہی کھلے پڑے رہتے تھے کیا مجال جو کوئی بری نگاہ ڈال دے، ایک مرتبہ خدا کا کرنا کیا ہوا کہ بارش ہوئی اور اس بارش کا ایک قطرہ بھی جس آدمی پر پڑ گیا وہ پاگل ہو گیا، بادشاہ اور وزیر اپنے خاص کمرے میں بیٹھے کسی اہم مسئلہ پر صلاح و مشورہ کر رہے تھے، ان دونوں پر پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں پڑا۔ لہذا یہ پاگل ہونے سے محفوظ رہے۔ کچھ دیر کے

بعد بادشاہ سلامت محل میں گئے تو وہاں کی دنیا ہی بدلی ہوئی تھی، ملکہ، لونڈی، باندی سب نے کپڑے اتار دیئے تھے، اور عجیب دیوانوں کی سی باتیں کر رہی تھیں، بادشاہ کو دیکھ کر ملکہ اس سے لپٹ گئیں، بلکہ رونے لگیں، بادشاہ نے پوچھا،

"اے نیک بخت، تو ننگی کیوں ہے؟ اور روتی کیوں ہے؟"

وہ اور زیادہ رونے لگی، اور روتے روتے اس نے کہا:

"مجھے رونا اس پر آتا ہے کہ تو پاگل ہو گیا ہے!"

بادشاہ نے حیرت سے کہا "میں پاگل ہو گیا ہوں؟"

وہ نیک بخت بولی،

"ہاں ——— اور اگر نہیں ہیں تو کپڑے کیوں پہنے ہوئے ہیں، اتارے نہیں!"

"اور بالکل یہی کیفیت وزیر پر گزری، جب وہ دربار میں پہنچ گیا تو لوگوں نے اسے گھیر لیا اور چیخنا شروع کیا، ہم اس پاگل کو وزیر اعظم نہیں مانتے، حد ہو گئی دیوانگی کی، یہ کپڑے پہنتا ہے بیوقوف کہیں کا — اے شخص اگر تو وزیر اعظم رہنا چاہتا ہے تو فوراً کپڑے اتار اور ہمارا سا بن جا!"

وزیر نے کہا "دیوانو، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تم لوگ کپڑے پہن لو،

بادشاہ سلامت آرہے ہیں، ورنہ سزا ملے گی!"

اتنے میں بادشاہ سلامت روتے ہوئے آئے اور ان کے آتے ہی غل مچا: "ہائے وزیر نے ہمارے بادشاہ کو بھی پاگل بنا دیا، وہ بھی کپڑے پہنے ہوئے ہے!"

یہ شور سنکر بادشاہ نے وزیر سے کہا،

"یہ کیا ہو گیا، یہ لوگ کیسے ٹھیک ہوں گے؟"

وزیر نے دست بستہ عرض کیا،

"میں سمجھ گیا، یہ بارش کی تاثیر ہے، یہ لوگ کبھی اچھے نہیں ہو سکتے، اب میرے وزیر اور آپ کے بادشاہ رہنے کی ایک ہی تدبیر ہے!"

بادشاہ نے پوچھا،

"وہ کیا؟"

وزیر نے کہا: "آئیے میرے ساتھ!"

وزیر بادشاہ کو لے کر محل کے صحن میں آیا، وہاں ایک مٹکا بارش کے پانی سے بھرا رکھا تھا، وزیر نے وہ مٹکا آدھا اپنے اوپر ڈال لیا آدھا بادشاہ پر انڈیل دیا، دونوں فوراً پاگل ہو گئے، کپڑے اتار پھینکے اور اسی حالت میں دربار میں پہنچے، فوراً بادشاہ سلامت زندہ باد کے نعرے لگنے لگے اور سب ایک سے ہو گئے!"

سلیم یہ واقعہ سنکر ہنستے ہنستے بے تاب ہوگیا، اس نے کہا،

"پھر؟ مطلب کیا ہے آپ کا؟"

وہ بولا،

"مطلب ظاہر ہے، اگر دنیا میں رہنا چاہتے ہو تو دنیا والوں کی طرح رہو، ورنہ اسی حشر کے لئے تیار ہو جاؤ جو بادشاہ اور وزیر کا ہوا تھا — — جیسا دیس ویسا بھیس!"

سلیم نے ہنستے ہوئے کہا "واقعی پاگل ہو تم تو!"

اور وہ بولا،

"تمہیں بھی بننا پڑے گا پاگل!"

(۷)

مقدمہ کا فیصلہ!

اور ——————!

آخر کار وہ دن آگیا کہ محمود کے عدالت میں ماہ پارہ بیگم کی طرف سے مقدمہ دائر کر دیا، ان دونوں کی شادی سے وہ تہلکہ نہیں تھا جو اس مقدمہ سے مچ گیا، سب لوگ سمجھ بیٹھے تھے ہاتھی سے گنے کھانا آسان نہیں ہے، ماہ پارہ نواب صاحب کی ڈیوڑھی سے ہمیشہ کے لئے نکال دی گئی، اب وہ وہاں کبھی بھی داخل نہ ہو سکے گی، لیکن وصیت نامہ نے ایک نئی کھلبلی پیدا کر دی، سب سوچنے لگے —— کہیں ایسا نہ ہو جائے، کہیں ویسا نہ ہو جائے، مقدمہ کی کئی پیشیاں ہوئیں، ہر پیشی میں محمود کا پلّہ بڑی بیگم کے وکیل پر بھاری رہا۔ جج نے ابھی فیصلہ نہیں سنایا تھا، لیکن جو لوگ مقدمہ کی کارروائی دیکھتے رہے تھے، انہیں یقین ہو گیا تھا، نواب صاحب کا علاقہ، خزانہ، کوٹھیاں، باغات، محلّات، دوکانیں، کمپنیوں کے

حق، بیمہ کی پالیسیاں، ہر چیز بٹ کر رہے گی، اور اگر واقعی ایسا ہوا تو؟ ۔۔!

ایک اتوار کو محمود باہر کی گیلری میں بیٹھا اپنے دوست احباب سے ہنسی مذاق کی باتیں کر رہا تھا، فیصلہ کی تاریخ قریب آتی جارہی تھی اور یہ لوگ خوشی منانے کا نہایت شاندار پروگرام بنا رہے تھے، اتنے میں گلاب آئی۔ یہ نواب صاحب کی ڈیوڑھی پر کئی پشتوں سے ملازم تھی، غلامی کرتے کرتے اس کی کئی پیڑھیاں گزر چکی تھیں۔ یہ بڑی بیگم کی پیش خدمت تھی اور ہمیشہ انہی کے دربار میں حاضر رہتی تھی، گلاب کو دیکھ کر محمود نے کہا،

"تم کیسے آگئیں گلاب؟"

وہ بولی "میں نے کہا سرکار کے درشن کر لوں، موا مقدمہ کیا چلا ہے، آپ نے آنا ہی چھوڑ دیا ہے، بڑی بیگم بھی کہہ رہی تھیں ۔۔۔۔۔۔"

"کیا کہہ رہی تھیں؟"

"کہہ رہی تھیں مقدمہ ہزار چلے اس سے کیا ہوتا ہے؟ کہیں مقدمے آپس کے میل ملاپ کو بھی ختم کر دیتے ہیں؟ محمود میاں تو اب جھانکتے بھی نہیں!"

"آجاؤں گا کسی دن ۔۔۔۔۔۔ فرصت بھی تو نہیں ملتی سر کھجانے کی!"

"آ کیا جاؤں گا سرکار؟ ۔۔۔۔ چلئے ابھی چلئے، آج تو اتوار بھی ہے!"

محمود سمجھ گیا، "یہ حسن طلب" ہے، اس نے کہا،

"آج نہیں کسی اور دن دیکھا جائے گا!"

آخر گلاب کو صاف صاف کہنا پڑا،

"اے رہ سرکار ــ انتظار کر رہی ہوں گی، اور آپ ٹال رہے ہیں!"

"انتظار کر رہی ہوں گی؟ ــــــــ میرا؟"

"جی میرے سرکار آپ کا ــــــ بندی بیڑہ اٹھا کر آئی تھی، مقدمہ، بازی لاکھ ہو، مگر گوشت سے ناخن جدا نہیں ہو سکتا، محمود میاں کو لاؤں؛ اور لاکر رہوں!"

"اچھا یہ بات ہے؟"

"جی اور کیا، بس اللہ کا نام لے کے اٹھیئے سرکار!"

محمود اندر گیا، کپڑے بدلے، اور باہر آنے لگا ماہ پارہ نے کہا "آج اتوار کو کہاں چلے؟"

وہ مسکراتا ہوا بولا "تمہاری سوت کے پاس!"

اس نے تیوری چڑھالی،

"اے نوج، خدا نہ کرے میری کوئی سوت ہو، جس کی ہو گی، ہو گی!"

اس نے کہا "بڑی بیگم کے پاس جا رہا ہوں ــــــ بلایا ہے!"

وہ بگڑ گئی،

"بلایا کریں، کوئی ضرورت نہیں جانے کی!"

"کوئی کام ہو گا!"

"ادھر کام ہو گا ـــــــ ایسا ہی کام ہے تو خود چلی آئیں، کون سی مہندی لگی ہے پاؤں میں؟ یہاں ان کا کوئی نوکر بیٹھا ہے کہ اِدھر بلایا اُدھر چلے! یہ نہیں ہو سکتا، اتاریئے اچکن ـــــــ بیٹھئے!"

محمود نے سمجھاتے ہوئے کہا "نہیں ماہ، جانے دو، ممکن ہے کوئی کام کی بات ان کے منھ سے نکل جائے!"

ماہ پارہ منھ پھلا کر چلی گئی، اور محمود گلاب کے ساتھ نواب صاحب کی ڈیوڑھی پر پہنچا، بڑی بیگم نے فوراً اسے اندر بلالیا، فرمایا،

"کہاں راستہ بھول پڑے محمود میاں؟"

وہ بولا "میں نے کہا سلام کروں، بہت دن ہو گئے تھے ملے ہوئے!"

پان کا بیڑہ کھاتی ہوئی بولیں،

"بڑے میرے نصیب ـــــــ چلو میں اس قابل تو ہوئی کہ تم مجھے سلام کرو آکر!"

گلاب بیچ میں بول پڑی،

"بڑی بیگم محمود تو ویسے ہی ہیں، ذرا نہیں بدلے، بڑی دیر تک آپ کو پوچھتے رہے! ـــــــ یہی میں کہوں مقدمہ ہے تو کیا ـــــــ ـــــــ صلح بھی تو ہو سکتی ہے؟"

محمود نے بڑی آمادگی کے ساتھ کہا "ہاں ہاں ضرور ہو سکتی ہے کیوں

نہیں ہو سکتی ؟"

سوکھے دھانوں میں پانی پڑ گیا، بڑی بیگم نے پر امید نظروں سے محمود کو دیکھا اور کہا "ہم کب باہر ہیں؟ کر لو صلح!"

محمود نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ کہا "نواب صاحب مرحوم کی وصیت کی تعمیل کر دیجئے، فوراً صلح ہو جائے گی، میں خود ماہ پارہ بیگم کو لاکر آپ سے ملاؤں گا!"

بڑی بیگم کا ملمع اتر گیا،

"میں اس دیدے پھٹی کا منہ بھی دیکھنا نہیں چاہتی لاکر کیا کروگے —— —— لیکن بھتیا ایک بات ضرور کہوں گی!"

"فرمایئے!"

"تم نے بھی خوب حق نمک ادا کیا، شاباش شریف ایسے ہی ہوتے ہیں!"

محمود نے پوچھا "آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ حق نمک؟ —— میں نے نواب صاحب کا نمک کب کھایا؟ کام کیا روپیہ لیا، شرافت؟ تو کیا آپ سے شرافت نہیں سمجھتیں کہ جس ماہ پارہ کو آپ لوگوں نے داشتہ مشہور کرکے گھر سے نکال دیا، اسے میں نے اپنے گھر میں پناہ دی اور شادی کر لی!"

بولیں،

"ہاں اور کیا، بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا! وہ بھی اس تاک میں تھیں کہ،

کب شوہر کی آنکھ بند ہو، اور وہ دوسرا دھگڑا کریں، اور تم بھی اسی فکر میں تھے، کب وہ دن آئے کہ سونے کی چڑیا پھنسے تمہارے جال میں، آخر وہ دن آ ہی گیا ٹھہرے وکیل، یعنی ایک جیلئے، جھٹ پٹ وصیت نامہ جعلی تیار کر لیا، عدالت کی آنکھ میں خاک جھونکنے کے لئے !"

محمود ہنس پڑا،

"واقعی بڑی ذہین ہیں آپ ــــــ میرا خیال ہے اگر آپ لکھنے پڑھنے کی طرف توجہ کریں تو افسانہ نویسی میں بہتوں سے بڑھ جائیں ! ــــــ ــــــ جتنی باتیں بھی آپ نے کیں ایک بھی سچ نہیں، لیکن دلچسپی کا یہ عالم ہے کہ ــــــ وہ کہیں اور سنا کرے کوئی ــــــ !"

بولیں،

"یہ چھلیں تو ماہ پارہ سے کچھئے ــــــ میں نے معاملہ کی بات کرنے کو بلایا ہے !"

"کیا معاملہ ہے ؟"

"ہم ایک لاکھ نقد دینے کو تیار ہیں !"

محمود نے پوچھا،

"لیکن جو دس بارہ لاکھ لے سکتا ہو، وہ ایک لاکھ کیوں لے ؟"

جل کر جواب دیا،

"حرام کا ایک لاکھ بھی بہت ہے، سلیقہ ہو تو کئی پشتیں نہال ہو جائیں گی اس روپے سے!"

محمود نے ذرا بھی غصہ ظاہر کئے بغیر کہا "حرام سے کیا مطلب ——— ——— اگر حق زوجیت حرام ہے تو پھر آپ جو کچھ لے رہی ہیں اور لیں گی وہ بھی حلال کیسے ہو جائے گا؟"

"داشتہ کو بیوی مانے گا کون؟"

"آپ دس مرتبہ ماہ پارہ کو داشتہ کہہ چکی ہیں مگر میں نے جواب نہیں دیا اب کہتا ہوں، اگر وہ داشتہ ہے تو آپ بھی داشتہ ہیں اور صرف آپ ہی نہیں دنیا کی ہر وہ عورت جو کسی شخص کی بیوی ہونے کی مدعی ہے!"

"ارے مردوے ذرا زبان سنبھال کر بات کر، یہ بھی تو دیکھ کس سے بات کر رہا ہے؟ کون بیٹھا ہے تیرے سامنے؟"

"معلوم ہے آپ بیٹھی ہیں ——— لیکن کیا آپ کے سامنے سچ نہ کہوں؟"

بڑی بیگم نے اس سوال کا جواب نہیں دیا، اور ایک نیا سوال، پیدا کر دیا،

"میں پوچھتی ہوں، آخر وہ تمہاری ماہ پارہ بیگم ہماری برابری کیسے کر سکتی ہے؟"

"یہ سوال تو میرے بجائے آپ کو نواب صاحب سے کرنا چاہیئے تھا،

جنہوں نے اس کی جوانی برباد کرکے آپ کے سینہ پر کودوں دلی، میں کیا جواب دوں!"

"اونہہ ان کی بات نہ کرو ——— خدا غریق رحمت کرے، جوانی سے لے کر بڑھاپے تک یہی کھیل کھیلتے رہے، اسی میں مرے، میں نے تو لاکھ لاکھ سمجھایا، لیکن ان کی آنکھوں پر تو پٹی پڑی ہوئی تھی، آج نادرہ ہے کل سلطانہ ہے، پرسوں کیا دیکھتی ہوں، نئی کوٹھی صاف ہورہی ہے اور ماہ پارہ بیگم سولہ سنگار بارہ ابرن کئے چھم چھم کرتی چلی آرہی ہیں، یہ لو، دیکھتے ہی دیکھتے وہ چھوٹی بیگم بھی بن گئیں، خود خدا کے گھر سدھارے اور میرے لئے وبال چھوڑ گئے!"

محمود نے کہا "آپ تو خواہ مخواہ بھڑکتی ہیں"

"ہائے میرے اللہ یہ کیوں؟"

"لالچ اور حرص، اور کیا؟"

"اے مردوے کچھ داہی ہوا ہے؟ میں لالچی ہوں، حریص ہوں؟"

"اور نہیں تو کیا، روپے میں چار آنے وہ لے گئی بارہ آنے آپ کے پاس رہے گا۔ دس لاکھ اسے ملیں گے تو تیس لاکھ آپ کو بھی ملیں گے لیکن آپ تو چاہتی ہیں سب ہڑپ کرلیں، دوسرے کا حق ماریں، اسے کچھ نہ دیں، حالانکہ ایمان کی پوچھئے تو بارہ آنے کی وہ مستحق ہے اور چار آنہ کی آپ!

بڑی بیگم کو بہت غصہ آیا،

"یہ الٹی گنگا کیوں بہلنے لگے بھیّا؟"

"الٹی گنگا نہیں سیدھی گنگا ہے، سچ کہہ رہا ہوں بالکل!"

"کیا کہنا ہے تمہارے سچ کا، قربان ہو جانے کو جی چاہتا ہے، کہاں بیاہتا بیوی، کہاں موئی کھائی کھیلی!"

"جی ہاں، لیکن وہ مظلوم بھی تو ہے!"

چونک پڑیں،

"کون مظلوم ہے؟ ——— وہ تمہاری ماہ پارہ بیگم؟"

"جی وہی!"

"اچھی مظلومیت ہے بھئی، شوہر کی زندگی میں راج پاٹ کی مالک بنی رہیں، اب حصہ بٹا رہی ہیں پھر بھی مظلوم ہیں!"

محمود نے کہا "اس سے کیا ہوتا ہے؟ ——— دیکھئے ذرا غور سے سنئے میری بات!"

"سن رہی ہوں کہے جاؤ!"

"آپ کی شادی جب نواب صاحب سے ہوئی تو آپ کی عمر کیا ہوگی؟"

"بڑھاپے کی سفیدی پر شرم کی سرخی چھا گئی شرمائی ہوئی بولیں،

"سولہ برس!"

"تو زبان کس نے پکڑ رکھی ہے؟ دو جواب؟"

محمود بولا،

"آپ کی شادی بھی دولت ہی کے لالچ میں نواب صاحب سے ہوئی!"

"میری؟ میری؟"

"جی ہاں آپ کی! ——— ویسے ٹھیکرے کی منگنی تو آپ کی خان بہادر حیدر حسین صاحب بیرسٹر سے ہوئی تھی، جو ابھی تک زندہ ہیں، لیکن وہ صرف کھاتے پیتے گھرانے کے فرد تھے، اور نواب صاحب نواب تھے، لہٰذا کتنی آسانی سے منگنی ٹوٹ گئی آپ کی؟"

اس انکشاف پر بڑی بیگم بہت حیران ہوئیں، دل ہی دل میں کہنے لگیں یہ کل کا چھوکرا پچاس برس پہلے کی راز کی باتیں کیسے جان گیا، لیکن سچا ہونے کے باوجود کوئی گواہ تو تھا نہیں محمود کے پاس، لہٰذا بڑے اطمینان سے کہا!

"جھوٹ بالکل جھوٹ!"

لیکن یہ کہتے کہتے، خود ان کے لبوں پر ہلکا سا تبسم آ گیا گلاب تو باقاعدہ مسکرا دی!

محمود نے کہا "یہ کہیئے کہ آپ نے اپنے سودے میں نفع کمایا اور ماہ بیچاری گھاٹے میں رہی!"

کہنے لگیں،

"اور نواب صاحب کی؟"

"یہی کوئی بیس بائیس سال!"

"اور جب نواب صاحب نے ماہ پارہ سے شادی کی اس کی عمر کیا تھی؟"

"ماں باپ نے تو سولہ ہی سال کا مشہور کر رکھا تھا، لیکن بیس برس سے کیا کم ہوگی!"

"اچھا بیس ہی سہی ——— مگر خود نواب صاحب کی کیا عمر تھی؟"

"ہوں گے کوئی ۶۵ سال کے!"

"کیا اس کے معنی یہ نہیں ہوئے کہ آپ کو نواب صاحب کی دولت سے بھی حصہ ملا اور جوانی سے بھی، اور ماہ کے حصہ میں کیا آیا؟ تھوڑی سی، دولت، اور بھیانک بڑھاپا ——— اس سے بڑھ کر مظلوم کون ہوگا آخر؟" بڑے جوش میں جواب دیا،

"مظلومیت کاہے کی؟ ——— تمہاری ماہ نے نواب صاحب سے تو شادی کی نہیں تھی، دولت سے کی تھی، نواب صاحب گزر گئے، دولت موجود ہے!"

"یہ نہ کہئے بڑی بیگم!"

"کیا ہے کیوں نہ کہوں؟"

"تو پھر میں جواب دینے پر مجبور ہو جاؤں گا!"

"میں پوچھ رہا تھا، وہ جو ہیں نواب ابن صاحب، انہیں تو خوب جانتی ہوں گی آپ؟"

چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا،

"ہاں جانتی ہوں، پھر؟"

"اور ان کی بیوی جو ہیں، محمودی بیگم، وہ تو آپ کی خاص الخاص سہیلی ہیں، انہیں کیسے نہ جانتی ہوں گی بھلا آپ؟"

"ہاں انہیں بھی جانتی ہوں!"

"پھر تو آپ کو یہ بھی ضرور معلوم ہو گا کہ نواب ابنؔ نے سازش کر کے محمودی کے شوہر کو خود محمودی کے ہاتھوں زہر دلوا دیا، وہ بیچارہ اللہ کو پیارا ہوا، اور پھر ان دونوں میں شادی ہو گئی، محمودی نے زہر کیوں دیا؟ اس لئے کہ اس کا شوہر اس سے محبت کرنے کے باوجود غریب تھا؟ اور محمودی نے آپ کے چچازاد بھائی ابنؔ صاحب سے شادی کیوں کی؟ اس لئے کہ وہ حسب ضرورت دولت مند تھے اور اب محمودی گھر کے خانہ زاد ملازم، اچھوؔ سے کیوں پھنسی ہوئی ہیں اس لئے کہ بوڑھے شوہر اور جوان بیوی کا میل نہیں، اور نواب ابنؔ صاحب سب کچھ جاننے کے بعد انجان کیوں بنے ہوئے ہیں؟ اس لئے کہ اگر محمودی سے کچھ کہیں تو وہ راز افشا کر دے اور بیچارے پھانسی کے راستے قبر تک پہنچیں، اور ابنؔ صاحب خود محمودی کے خلاف کیوں کوئی نئی

"ہم روپے کو نہیں دیکھتے، دولت کے لوبھی نہیں ہیں، ہڈی کو دیکھتے ہیں، خون کو دیکھتے ہیں!"

محمود نے کہا "جب ہی آپ کی بڑی صاحب زادی طاہرہ بیگم کا بیاہ مرزا اکبر بیگ سے ہوا ہے، جن کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ اگرچہ وہ خود ایک بڑے رجواڑے کے مالک ہیں، لیکن ان کی ماں ذات کی طوائف تھیں ———!"

بارود میں آگ لگ گئی،

"اے چل بھڑ دے، آج تجھے ہوا کیا ہے؟ کچھ بھنگ تو نہیں پی گیا ——— یہ لو، اکبر بیگ طوائف کا لڑکا ہے، سن لے تو آنتیں پیٹ سے باہر پڑی ہوں گی!"

محمود نے بڑے اطمینان سے کہا "مجھے ڈرانے کی کوشش نہ کیجئے، اگر کوئی میری آنتیں پیٹ سے باہر نکال سکتا ہے تو میں بھی اس کا سر تن سے جدا کر سکتا ہوں، لیکن جو کچھ سچ ہے وہ سچ ہی رہے گا!"

پان کا کوئی ٹکڑا دانت کے تنگاف میں پھنس گیا تھا چاندی کے خلال سے اسے نکالنے لگیں، محمود نے موقعہ پاکر پھر ایک وار کر دیا،

"اور ہاں ایک بات تو بتائیے!"

"کون سی بات؟"

اس نے کہا "میں یہ بھی جانتا ہوں، وقتاً فوقتاً نواب صاحب ٹیکم گڑھ کی، شادی سے پہلے اور بعد آپ کا اور نواب اتن صاحب کا یارانہ بھی پرائیویٹ طور پر رہ چکا ہے!"

لیکن ——— !

وہ راز افشا کر دیتے، تو انہیں آپ سے شادی کرنی پڑتی!

اور آپ یہ راز زبان پرلے آئیں تو نواب صاحب ٹیکم گڑھ پھر سے اڑ جائے، نتیجہ یہ ہوتا کہ آپ پکے ہوئے پھل کی طرح حیدر حسین کی گود میں گرتیں گئے، اس خالص تجارت کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟"

خیریت یہ ہوئی کہ اس وقت کوئی اور موجود نہیں تھا صرف گلاب تھی، اور وہ پرانی محرم راز تھی، کون بات تھی جو اسے معلوم نہ ہو، یا اس کے واسطے نہ ہوئی ہو، ورنہ بڑی بیگم کے لئے یہ ڈوب مرنے کا موقع تھا، پھر بھی ان کا، جی چاہ رہا تھا، چیخ چیخ کر رو دیں، اور دھکے دے کر اس محمود کو گھر سے باہر نکال دیں، وہ سوچ رہی تھیں، اس بد معاش کو میں نے کیوں بلایا تھا؟ کیا اس لئے کہ میرے سامنے سارے بھیجان کر کے رکھ دے؟ ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، لیکن پی گئیں، دشمن کے سامنے آنسو گرانا بھی تو کمزوری کی علامت ہے!

گلاب صورت حال کی نزاکت کو اچھی طرح سمجھ رہی تھی، اس نے محمود سے کہا "بھیا اب دوپہر ہو گئی، کھانا کھا کر جانا!"

سازش نہیں کرتے؟ اسے زہر کا پیالہ کیوں نہیں دیتے؟ اس لئے کہ وہ سنڈا مسٹنڈا اچھو ہر وقت جیب میں ڈیڑھ بالشت کا نہایت تیز شکاری چاقو رکھتا ہے، اور وہ اچھی طرح جانتے ہیں چاقو کی دھار زہر ہلاہل سے زیادہ خوفناک اور تیز رفتار ہوتی ہے ــــــ دیکھئے نفع نقصان، کاروبار اور تجارت کا کتنا دلچسپ چکّر ہے جو چل رہا ہے، چلے جا رہا ہے، چلتا رہے گا، لیکن انگشت نمائی سب کرتے ہیں، لب کشائی کوئی نہیں کرتا، نہیں کر سکتا۔

"کیوں؟"

اس لئے کہ نواب ابّن صاحب کی جیب بھاری ہے۔ یہی جرم اگر مجھ جیسے کسی آدمی سے سرزد ہوتا تو وہ کب کا اپنے کیفر کردار کو پہنچ چکا ہوتا، کیونکہ میں نہ تھانہ دار کا درماہہ مقرر کر سکتا تھا، نہ کوتوال کو رشوت دے سکتا ہوں نہ سپاہیوں کی مٹھی گرم کر سکتا ہوں یہ کام تو کوئی نواب ابّن ہی کر سکتا ہے، سب جانتے ہیں وہ قاتل ہے، لیکن اس کی سنہری روپہلی تھیلیوں نے سب کے منھ سی دئے ہیں، زبانوں پر تالا لگا دیا ہے، بتلائیے یہ بھی وہی نفع نقصان کاروبار اور تجارت فائدہ اور خسارہ کا فلسفہ ہے کہ نہیں!"

یہ باتیں سنکر بڑی بیگم نے بڑا پیچ و تاب کھایا لیکن ان کی صداقت سے انکار کرتے ہوئے ان کی زبان ہکلانے لگی، پھر انھوں نے صفائی دینے اور بات ٹالنے کی کوشش کی لیکن محمود کے پاس ابھی ایک اور بہت بڑا ایٹم تھا!

ماہ پارہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، بولی،

"بڑے وہ ہیں آپ !"

محمود نے جیب سے رومال نکالا اور اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھے اور کہا "میں مذاق کر رہا تھا، تم سچ سمجھ کر روٹھ گئیں ______ دو چار دن میں مقدمہ کا فیصلہ ہونے والا ہے، اور وہ ضرور ہمارے حق میں ہو گا، میں تو تمہیں بڑی بیگم کی پیش کش کا حال سنا رہا تھا !"

پھر محمود نے وہ ساری رام کہانی سنا ڈالی جو نواب صاحب کی ڈیوڑھی میں گزری تھی، ماہ پارہ بڑے شوق سے یہ باتیں سنتی رہی، کبھی کبھی مسکرا بھی دیتی تھی، جب ساری باتیں ختم ہو گئیں تو اس نے بڑے انداز سے کہا "دیکھو اب قائم رہنا اپنے فیصلہ پر، ایسا نہ ہو، بڑی بیگم پھر بلائیں اور پھر تم پھسل جاؤ !"

اطمینان دلاتے ہوئے اس نے جواب دیا،

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا !"

جیسے جیسے فیصلہ کا دن قریب آتا جاتا تھا محمود اور ماہ پارہ کے اطمینان میں اور بڑی بیگم کی خلش اور اضطراب میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ یہ میاں بیوی یہ سوچ رہے تھے کہ روپیہ ملنے کے بعد یہ کریں گے اور وہ کریں گے، اور وہ اس فکر میں گھلی جا رہی تھیں کہ اگر ماہ پارہ نے بٹوارہ کرا لیا تو کیا ہو گا؟ کیسی

محمود اٹھ کھڑا ہوا،

"نہیں کھانا نہیں کھاؤں گا ــــــ اچھا بیگم صاحبہ اب اجازت؟"

بیگم صاحبہ بھی زبان سے کچھ کہے بغیر اٹھ کھڑی ہوئیں اور وہ سلام کرکے رخصت ہو گیا،

جب وہ چلا گیا تو بڑی بیگم نے کہا "موا بد اصیل کہیں کا!"

اور گلاب نے مصرعہ طرح پر گرہ لگائی،

"چمار کی اولاد!"

اور دونوں ایک دوسرے سے بغیر کچھ کہے سنے رخصت ہو گئیں!

گھر پہنچنے کے بعد ماہ پارہ نے محمود سے پوچھا،

"کہئے کیسی گزری؟"

وہ مسکراتا ہوا بولا "صلح کرتی ہو؟"

وہ بولی "صلح کرتی ہے میری پیزار!"

وہ بولا "ایک لاکھ نقد ملتا ہے!"

کہنے لگی "دیکھو ایسا غضب کبھی نہ کرنا ــــــ صلح ولح گئی چولھے بھاڑ میں ــــــ میں تو اپنا پورا حصہ بٹا کے رہوں گی!"

محمود نے چھیڑتے ہوئے کہا "بھئی تم جانو، تمہارا کام کرو کوئی دکیل، میں تو زبان ہار چکا!"

اور آخر فیصلہ کا دن آگیا،

آج عدالت حاضرین سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی دور دور سے لوگ فیصلہ سننے کے لئے آئے تھے، دوست بھی اور دشمن بھی، ہوا خواہ بھی اور مخالف بھی یہ فیصلہ ایک تعلقے کا نہیں تھا، ایک ریاست اور جاگیر کا نہیں تھا!

ذاتی وقار کا تھا،

خاندانی شان کا تھا،

جج نے ٹھیک وقت پر اپنا فیصلہ سنا دیا،

فیصلہ کی رو سے نواب صاحب کا وصیت نامہ تسلیم کر لیا گیا تھا اور ماہ پارہ بیگم کا تمام جائداد منقولہ اور غیر منقولہ میں سے چوتھائی کا حصہ تسلیم کر لیا گیا تھا،

یہ فیصلہ اگرچہ غیر متوقع نہیں تھا پھر بھی اس کا ردِ عمل بہت تلخ ہوا، بڑی بیگم پر تو فیصلہ سنتے ہی غشی کے دورے پڑنے لگے، گلاب اب تک خاموش تھی لیکن اب اس کی زبان قینچی کی طرح چلنے لگی اور وہ ایک ایک منہ میں سو سو گالیاں ماہ پارہ بیگم اور محمود کو کھلم کھلا دینے لگی،

"اللہ کرے دو گھڑی کی نصیب ہو!"

"اللہ کرے گھر جانا نہ نصیب ہو، یہیں سے دونوں نمک حراموں کی کھاٹ نکلے!"

لیکن جس طرح قدرت دعاؤں کی طرف زیادہ التفات نہیں کرتی، اسی

ذلت ہوگی اس کی نظر میں؟ جسے میں نے حقیر سمجھ کر اور ذلیل کر کے گھر سے نکالا
تھا، وہ برابر کی سوکن بن کر آئے گی، اور ہر ہر چیز میں اپنا حق جتائے گی،
یہ نوکر چاکر، یہ ملازم، یہ خدام بارگاہ، جو اس وقت میرے سامنے مؤدب
اور دست بستہ ہر وقت کھڑے رہتے ہیں ماہ پارہ بیگم کے بٹوارہ کے بعد یہ
اس کی بھی ویسی ہی خوشامد کریں گے، جیسی میری کرتے ہیں، بلکہ میں کسی کو،
نکالوں گی تو وہ محض میری ضد میں اسے رکھے گی، میں کسی کو سزا دوں گی تو
وہ محض مجھے چڑانے کے لئے اسے انعام دے گی اور سرفراز کرے گی!"

یا اللہ!

ایسی زندگی سے موت بہتر!

اور پھر!

برادری میں کیسی ناک کٹے گی؟ کیسے منہ دکھا سکوں گی بھلا؟ آج سب
صرف میری عزت کرتے ہیں کل سے اس عزت کا ایک شریک اور پیدا ہو جائے
گا، ——— اے خدا!

نواب سے پہلے میں کیوں نہ مر گئی؟

لیکن موت اپنے وقت پر آتی ہے، نہ کسی کے بلانے سے آتی ہے نہ کسی
کے انکار سے واپس جاتی ہے، بڑی بیگم کی کڑھن اور جلن میں جتنا جتنا اضافہ
ہو رہا تھا ماہ پارہ کی خوشی اور مسرت بھی اسی تناسب سے بڑھ رہی تھی!!

جلد آیئے، اور اس ویرانہ کو پھر سے آباد کیجئے، آپ کے آنے سے پھر وہاں رونق بڑھ جائے گی، پھر چہل پہل شروع ہو جائے گی، اور ماہ پارہ نے ان سب فکرمندوں کو یہ کہہ کر اطمینان دلایا،

"تم چلو، ہم بھی آج کل میں آتے ہیں، اور اب ہم پھر وہیں رہیں گے!"

یہ لوگ چلے گئے، اور ماہ پارہ پھر اس گھر میں جانے کی تیاریاں بڑے ذوق اور شوق سے کرنے لگی، جہاں سے وہ حقیر سمجھ کر اور ذلیل کر کے نکالی گئی تھی ——— !

طرح بد دعاؤں سے بھی وہ بے نیاز رہے، گلاب اور بڑی بیگم کی بد دعائیں بے اثر رہیں!

ماہ پارہ اور محمود کا کچھ بھی تو نہیں بگڑا، یہ جیسے ہنستے کھیلتے آئے تھے ویسے ہی خوش خوش واپس گئے، ان کے ساتھ بہت سے دوست احباب بھی تھے خوشی کے گونے دغنے لگے، چراغاں کی تیاریاں ہونے لگیں اور ان لوگوں میں! کچھ وہ لوگ بھی تھے!

جو ماہ پارہ کو نکلوانے میں شریک تھے، بڑی بیگم کی ناک کے بال تھے، نواب صاحب ٹیکم گڑھ کے پرانے ملازم تھے؟

یہ اپنی خطائیں بخشوانے اپنی سرکار کے پاس آئے تھے، نذر کو، نئی وفا داری، اور نئی جاں نثاری کا تحفہ لائے تھے، ماہ پارہ ان سب کی خُو بُو سے واقف تھی، ان سب کی عادت اور فطرت سے واقف تھی، وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی، یہ مجھ سے معافی نہیں مانگ رہے ہیں، میری دولت کو سجدہ کر رہے ہیں، یہ میرے وفادار نہیں ہیں، میری دولت سے ان کی وفاداری کا نسب ملتا ہے لیکن موقع شناس عورت تھی، بظاہر سب کچھ بھول گئی، سب سے ہنسی خوشی، اخلاق اور تپاک کے ساتھ ملی سب کو تھوڑا بہت انعام دیا اور باقی آئندہ کا وعدہ کیا، سب خوش زور زور سے دعا دیتے چلے گئے اور چلتے چلتے کہہ گئے، آپ کے بغیر وہ کوٹھی سونی پڑی ہے جس میں آپ رہتی تھیں، خدا کیلئے

بیچاری، ہمدردی کو دن ہو یا رات وہ بس پروین ہی میں لگی رہتی تھی، اسے اپنی بچی کی خدمت میں وہی لطف آتا تھا جو عاشق کو معشوق کی، مرید کو مرشد کی خدمت میں آتا ہے، یوں تو آیا بھی تھی، کھلائی بھی، ملازم بھی، لیکن عذرا کو ان میں سے کسی پر اعتبار نہیں تھا، جانے کیوں اس کا دل دھڑکا کرتا تھا، ہر کسی کو، سونپتے ہوئے وہ چاہتی تھی پروین کے سارے کام اکیلی ہی انجام دیا کرے، اور اگر اس کا بس چلتا تو یہی کرتی بھی! لیکن اسے اور بھی بہت سے کام انجام دینا ہوتے اور ان سے جو وقت بچتا تھا وہ صرف پروین کی نگہداشت پر صرف ہوتا تھا!

دنوں کے ساتھ پروین بڑھتی گئی اور جوں جوں بڑھتی گئی اس کا حسن معصوم بھی ترقی کرتا گیا، اب وہ ۹ برس کی ہو چکی تھی، یہ ۹ برس! کتنا طویل عرصہ معلوم ہوتا ہے؟

لیکن یہ طویل مدت پلک جھپکاتے گزر گئی، محمود اور ماہ پارہ کی شادی محمود اور عذرا کی جدائی، عذرا کے پیٹ سے پروین کا جنم، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ سب باتیں کل کی ہوں، لیکن نہیں، یہ کل ۹ برس کے طویل وقفہ میں پھیلا ہوا تھا، عذرا نے پروین کی تعلیم و تربیت کا بہت اچھا انتظام کر دیا تھا، وہ باقاعدہ اسکول بھی جاتی تھی اور گھر پر بھی اردو، فارسی اور عربی کی، تعلیم کا بہت معقول انتظام تھا، پروین ذہین لڑکی تھی، وہ جو کچھ پڑھتی تھی

(۸)

بچّی کی تصویر!

اور عذرا ایک خوب صورت سی بچی کی ماں بن گئی!

کتنی خوب صورت تھی یہ ننھی سی گڑیا!

عذرا کے حسن اور محمود کی وجاہت کی منھ بولتی تصویر، دونوں نے ایک بن کر پروین کی صورت میں جنم لیا تھا!

وہی بڑی آنکھیں، وہی پھول کی پتّی کے سے نازک نازک، پتلے پتلے ہونٹ آنکھوں میں شرارت کی چمک چہرے پر چاند کی سی ملاحت، آواز میں ترنّم بھی، اور نغمہ بھی، حرکتوں میں دلکشی اور دل آویزی کا ملاپ، جو دیکھتا تھا پیار سے گود میں لینے پر مجبور ہو جاتا تھا،

اور عذرا کی خوشی کی تو کوئی انتہا نہیں تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا، اسے کوئی بہت بڑی نعمت، بہت بڑی دولت مل گئی ہے، وقت کا بڑا حصہ اسی کی غور و پرداخت میں صرف ہوتا تھا، وہ پروین کو اس طرح چاہتی تھی جیسے

کی طرف دیکھ، تجھے ابھی زندہ رہنا ہے، اور بہت کچھ کرنا ہے!"

پروین ان باتوں کا مطلب اچھی طرح نہیں سمجھ سکی، لیکن اسے اپنے باپ سے رغبت پیدا ہو چکی تھی، ماں کی طرف التجا بھری نظروں سے دیکھا اور کہا، -

"یہ تصویر تو دے دو مجھے!"

"کیا کرے گی؟"

"اپنے البم میں رکھوں گی!"

پھر کچھ سوچ کر اس نے کہا "نہیں البم میں نہیں ـــــ چوکھٹے میں جڑوا کر اپنے کمرے کی دیوار پر لگاؤں گی!"

عذرا نے تصویر کو مضبوط طور سے پکڑ لیا، جیسے اس سے کوئی چھینے ہی تو لے جا رہا تھا، پھر کہا "نہیں بیٹی یہ تصویر میرے پاس رہے گی!"

پروین نے ماں کی بات مان لی، پھر زیادہ ضد نہ کی، اور دوسرے کمرے میں جا کر کھیلنے لگی،

اور عین اس وقت پروین اور عذرا میں باتیں ہو رہی تھیں، محمود اور سلیم آمنے سامنے بیٹھے باتیں کر رہے تھے ـــــ وہی موسم سے لے کر سیاست تک کی باتیں!"

سلیم نے کہا "اماں تمہاری شادی کو ۹ برس ہونے کو آئے لیکن تمہاری، ماہ پارہ بیگم اب تک چوہیا کا بچہ بھی نہ پیدا کر سکیں، یہ کیا لغویت ہے؟"

اس سے زیادہ سیکھتی تھی، جو بات ایک مرتبہ سن لی وہ ہمیشہ کے لئے اس کے نہاں خانہ دماغ میں محفوظ ہو گئی، استاد اس کی ذہانت پر دنگ تھے اور ساتھی لڑکیوں میں سے اکثر اس کی خداداد ذہانت سے جلا کرتی تھیں، وہ خود پروین جیسی نہیں بن سکتی تھیں، لہٰذا چاہتی تھیں پروین ان جیسی بن جائے۔

عذرا نے پروین کے بارے میں ایک بات کا بڑا اہتمام کیا تھا یعنی اسے محمود کے راز سے آگاہ نہیں ہونے دیا تھا، ایک دن محمود کی تصویر پر کہیں اس کی نظر پڑ گئی، اس نے کہا۔

"ممی یہ کون ہیں؟"

عذرا نے تصویر اس کے ہاتھ سے لے لی اور کہا،

"تیرے باپ!"

وہ بولی "کہاں ہیں میرے ابا؟ آتے کیوں نہیں؟ سچ ممی میرا بڑا جی چاہتا ہے ان سے ملنے کا، انہیں دیکھنے کا، ان کے ساتھ رہنے کا، انہیں بلاؤ نا! ——— کیوں نہیں بلاتیں آخر ——— واہ!"

اور عذرا نے صرف یہ کہہ کر بات ختم کر دی تھی،

"بیٹی یہ تو تیرے پیدا ہونے سے پہلے ہی مر گئے تھے، بھلا مُردوں سے کسی نے رسم و راہ رکھی ہے؟ انہیں کون بلا سکا ہے؟"

اور پھر بڑے پیار سے اس نے کہا "بیٹی تو پیچھے کی طرف نہ دیکھ، آگے

سلیم نے جواب دیا "تم نے پروین کو نہیں دیکھا ہے، جائز یا ناجائز سے بحث نہیں، بہرحال ہے تو وہ تمہاری ہی اولاد !"

"ہاں کیوں نہیں !"

"اگر ایک دفعہ دیکھ لو اسے، اس کی پیاری پیاری بھولی بھولی باتیں سن لو، اس کی شوخی اور تیزی کا مظاہرہ کر لو تو کلمہ پڑھنے لگو اس کا! ——— سچ کہتا ہوں، اب میں عذرا کے پاس محض اس لئے جاتا ہوں کہ پروین کی باتیں سنوں گا، اسے دیکھوں گا، اس کی لطیف اور دلچسپ شرارتوں سے لطف لوں گا، پہاڑی مینا کی طرح ایسی پٹر پٹر باتیں کرتی ہے کہ بس کیا کہوں سنگ دل !"

محمود کو معلوم تھا پروین اس کی بیٹی ہے، عذرا اس کی ماں ہے جب اس نے پہلے پہل پروین کی ولادت کی خبر سنی تو اس پر نشاط یا ناخوشی کی کوئی کیفیت طاری نہیں ہوئی، دنیا میں ہر روز نہ جانے کتنے لوگوں کے ہاں لڑکیاں اور لڑکوں کا جنم ہوتا رہتا ہے، لیکن نہ ہم ان پر خوش ہوتے ہیں، نہ افسوس کرتے ہیں اس لئے کہ ان سے ہمارا کوئی ناتہ نہیں، ہم میں اُن میں کوئی رشتہ نہیں،

محمود کی نظر میں اب عذرا بھی غیر تھی !

کوئی ربط و تعلق باقی نہیں رہ گیا تھا دونوں میں !

لہذا اسے پروین کے پیدا ہونے کی نہ خوشی ہوئی نہ افسوس ہوا !

لیکن ———

محمود ہنس پڑا

"واقعی ماہ پارہ نے نالائقی کی انتہا کردی، جاؤ اندر ذرا پھٹکار دو انھیں!"

وہ کان پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا "نا بابا میں نہیں جاتا!"

"کیوں؟"

"ڈر لگتا ہے، مزاج کی تو ہمیشہ ہی سے تیز تھیں، اب کچھ اور سرچڑھی ہو گی ہیں —— نہ جانے کیا کیا سننا پڑے مجھے، ایک بات کہو ں!"

"تو پھر اس بزدلی پر ایسا نازک مسئلہ چھیڑا ہی کیوں تم نے؟"

"تمہاری دوستی میں —— یہی زمانہ ہے اولاد کی خوشی دیکھنے اور صاحب اولاد ہونے کا ورنہ بڑھاپے میں اگر اولاد ہوئی بھی تو کس کام کی!"

"آپ کے اس وعظ کا شکریہ —— لیکن اولاد کے معاملہ میں خاکسار ذرا بے حس واقع ہوا ہے!"

"یعنی کیا مطلب؟"

"یعنی اگر ہو تو ٹھیک اور اگر نہ ہو تو ٹھیک، ہو تو شکریہ، نہ ہو تو شکوہ نہیں!"

"سچ کہتے ہو؟"

"ظاہر ہے —— جھوٹ بولنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟"

سلیم نے مسکراتے ہوئے کہا "جھوٹے ہو!"

محمود نے پوچھا "خیریت؟ کیوں جھوٹا ہوں؟"

ناممکن !،

عذرا سادہ عورت ہے کہ عدالت نے اگر پروین کو اس سے لے کر میرے حوالے کر دیا، تو وہ وہیں اپنی چہیتی، دُلاری اور اکلوتی بیٹی کا گلا گھونٹ دے گی اور خود زہر کھائے گی، لیکن پروین کو میرے حوالے کر دے یہ نہیں ہو سکتا،

تو کیا اپنی خوشی کے لئے میں ان دونوں کی جان لے لوں ؟

نہیں،

یہ بیکار ہے، اس سے کچھ حاصل نہیں !،

وہ خاموشی سے بیٹھا یہی باتیں سوچ رہا تھا کہ سلیم نے کہا "ارے بھائی کہاں پہنچ گئے ؟ ——— کیا سوچ رہے ہو ؟"

محمود چونک پڑا،

"ایں، کچھ نہیں !"

سلیم نے مسکراتے ہوئے کہا "پھر بھی ؟

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے ؟

محمود نے غلط طور پر اسے تسکین دینے کی کوشش کی،

"نہیں ——— سچ کچھ نہیں !"

سلیم نے ڈپٹ کر کہا "جھوٹ مت بولو ——— تم پروین کے بارے میں سوچ رہے تھے !"

لیکن آج سلیم کی باتیں سنکر پروین کا خیالی مجسمہ اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور اس مجسمہ میں اسے کچھ ایسی دلکشی اور جاذبیت نظر آئی کہ اس کا جی چاہا اسے گلے سے لگالے، گود میں بٹھالے، پیار کرے، اور کرتا رہے۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، تڑپنے لگا، بے ساختہ اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی، کاش وہ پروین کو ایک نظر دیکھ سکے، کاش وہ اس کی باتیں سن سکے!

لیکن وہ جانتا تھا، یہ ناممکن ہے!!

پروین عذرا کے قبضہ میں ہے اور عذرا سے اب راہ و رسم پیدا کرنا، ناممکن ہے!

وہ بڑی ضدی اور خودسر عورت ہے، کسی قیمت پر بھی اب اس سے راہ و رسم پیدا کرنا اور پروین سے ملنے جلنے کی اجازت حاصل کرنا ناممکن ہے!!

دفعتہً اس کے دل میں خیال آیا،

لیکن عدالت؟

پروین اب دودھ پیتی بچی نہیں ہے، قانون کی نگاہ میں ماں سے زیادہ باپ کا اس پر حق ہے، اگر میں عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں تو بڑی آسانی سے پروین مجھے مل سکتی ہے، میری ہو سکتی ہے، لیکن کیا عذرا عدالت کا فیصلہ مان لے گی،؟

نہیں!!

"ہاں ـــــ یہی میرا خیال بھی تھا ـــــ قیامت آجائے،
گر عذرا اپنی ضد سے نہ ٹلے گی!"

"ٹھیک ہے ـــــ پھر بھی میں پردین کو تم سے ملا سکتا ہوں!"
محمود نے بیتابی کے ساتھ پوچھا،

"واقعی؟"

سلیم نے جواب دیا: "ہاں واقعی ـــــ تم چاہو تو ابھی اور،
اسی وقت اور یہیں!"

محمود نے ایک سوگوار تبسم کے ساتھ کہا: "پھر بہکے؟"

"میں بہکا وہکا نہیں، جو کچھ کہتا ہوں سچ کہتا ہوں، تم صرف ہاں، یا،
نہیں میں جواب دو، اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا ہوں اور نہ جاننا
چاہتا ہوں!"

محمود نے صاف صاف کہدیا،

"ظاہر ہے میرا جواب ہاں کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا!"
سلیم مسکرایا،

واقعی؟ ـــــ اماں ہاں کہہ رہے ہو تم؟ ـــــ تم؟
یہ میں کیا سن رہا ہوں؟ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کس طرح؟"
محمود نے کہا: "بکواس بند کرو، اور ہار مان لو!"

محمود انکار نہ کر سکا،

"فرض کرو، یہی بات تھی، لیکن تم نے کیسے جانا؟"

سلیم نے ہنستے ہوئے کہا "میں نے کیسے جانا؟ ــــــ ارے بھئی تم نے وہ شعر نہیں سنا ــــ خط کا مضمون بھانپ لیتے ہیں لفافہ دیکھ کر ــــ اور آدمی پہچانا جاتا ہے قیافہ دیکھ کر ــــــ قیافہ دیکھ کر جانا اور کیسے جانا!"

"کیا کہنا ہے آپ کا ــــــ بڑے قیافہ شناس بن کر آئے کہیں سے، بیوقوف نمبر ایک!"

سلیم نے بے تکلفی کے ساتھ کہا "چھوڑ دو ان باتوں کو، اگر تم پروین سے ملنا چاہتے ہو تو ملا دوں؟"

محمود پھر انکار نہ کر سکا،

"میں لاکھ ملنا چاہوں، لیکن عذرا کو تم نہیں جانتے بھئی!"

"پہلے نہیں جانتا تھا، اب جان گیا ہوں!"

"تمہارا کیا خیال ہے ملنے دے گی وہ اسے؟"

"ہرگز نہیں، قیامت تک نہیں، ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے، جب بھی نہیں!"

"ٹھیک کہتے ہو!"

"مانتے ہو؟"

جو ہمیشہ اس سے دور رہی !،

اور یہ عذرا تھی !،

جو کبھی اس کے دل پر حکمران تھی !!!

جو کبھی کسی زمانہ میں اس کی محبوبہ رہ چکی تھی !،

زمانہ ۹ برس آگے بڑھ گیا تھا! اور اس مدت میں کیا سے کیا ہو گیا تھا؟

یہ پردین عالم وجود میں آگئی تھی ـــــــ کتنی خوبصورت، کتنی پیاری، کتنی اچھی، ایک نوشگفتہ کلی، لیکن جس سے مشام جان معطر ہوا جا رہا تھا،

اور یہ عذرا ؟

جوانی کا سورج ڈھل رہا تھا، لیکن پھر بھی آن بان اور شان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، ہاں چہرے پر کچھ جھرّیاں، اور ماتھے پر کچھ شکنیں نمودار ہو گئی تھیں، لیکن یہ جھرّیاں اب بھی مٹ سکتی تھیں، اگر محبت کے پانی سے انہیں سیراب کیا جاتا، یہ شکنیں اب بھی غائب ہو سکتی تھیں، اگر چھنی ہوئی خوشی اسے کہیں سے پھر واپس مل جاتی !،

لیکن کیا یہ ممکن تھا ؟

نہیں !

اور ناممکن باتوں کو سوچنا وقت کا ضائع کرنا ہے !

بڑی خاموشی کے ساتھ محمود نے تصویر سلیم کو واپس کر دی،

سلیم بولا، دونوں میں سے ایک بات بھی نہیں ہو سکتی

نہ کواس بند کردوں گا، نہ ہار مانوں گا، مرد قول سے نہیں پھرا کرتے، میں اپنے قول پر اب تک قائم ہوں!"

محمود نے جھلا کر کہا "قائم ہو تو انتظار کا ہے کا ہے؟ ثابت کرو اپنے قول کو!"

سلیم نے کہا "ابھی لو ــــــــ اچھا ذرا آنکھیں تو بند کرو!"

محمود نے کہا "آ گئے نا اپنی اوقات پر؟ لگے بچوں کی سی باتیں کرنے؟"

سلیم نے جواب دیا "بخدا نہیں، تم چند سکنڈ کے لئے آنکھیں بند کرکے دیکھو تو سہی!"

محمود نے آنکھیں بند کرلیں،

"بند کرلیں ــــــــ دکھاؤ اپنا جادو!"

سلیم نے جیب سے کیبنٹ سائز کا ایک فوٹو نکالا اور بہ آوازِ بلند کہا،

"کھول دو آنکھیں!"

محمود نے آنکھیں کھول دیں!

اور تصویر دیکھکر اس کی آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ گئیں، "یہ پردین تھی!"

جسے اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا،

اس کی لختِ جگر!

میں دونوں میں سے کسی کا ذکر سننا نہیں چاہتا !"

"اوہو، خیر سے اب آپ نازک دماغ بھی ہو چلے ہیں ؟"

"یہی سمجھ لو ——— لیکن میرا پیچھا تو چھوڑ دو، خدا کیلئے کسی طرح !"

سلیم خاموش ہو گیا،

محمود نے بھی سکوت اختیار کر لیا،

تھوڑی دیر کے بعد سلیم اٹھ کھڑا ہوا،

"اچھا صاحب اب اجازت دیجئے، زندہ ہیں تو پھر ملیں گے !"

"ہاں سلیم تم جاؤ، میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے اس وقت !"

"کیا خراب ہے ؟"

"درد ہو رہا ہے سر میں !"

سلیم نے ایک قہقہہ لگایا،

"درد سر میں ہو رہا ہے یا دل میں ؟"

اور وہ زور زور سے ہنستا ہوا چلا گیا !،

سلیم کے جانے کے بعد محمود ایک آرام کرسی پر لیٹ گیا، اور عالم خیال کی سیر کرنے لگا،

وہ بار بار اپنے دماغ کو دوسری طرف منتقل کرتا تھا، لیکن دماغ کے پردہ پر پروین اور عذرا کی تصویر ناچ رہی تھی،

سلیم نے کہا "کہئے کیا رائے ہے؟"

"رائے کیسی؟"

"میں جیتا یا نہیں؟"

"ہاں جیت گئے تم!"

"تم پروین سے مل لئے یا نہیں؟"

"خوب مل لیا جی بھر کے!"

"پھر تصویر کیوں واپس کر دی؟ ـــــــــ تم چاہو تو رکھ سکتے ہو!"

محمود نے ایک مجرم کی طرح کہا "نہیں، میں نہیں رکھوں گا!"

سلیم نے فقرہ کسا،

"ماہ پارہ بیگم سے ڈرتے ہو گے؟"

محمود نے جواب دیا "نہیں، یہ بات نہیں ہے"

"پھر کیا بات ہے؟"

"عذرا مجھے یاد آجاتی ہے اور پروین مجھ پر چھا جاتی ہے!"

سلیم نے پھر طنز کیا "ارے یہ کمزوری بھی ہے تم میں؟"

"ہاں آخر انسان ہوں! ـــــــــ تم اسے اپنے ساتھ واپس لے جاؤ!"

"وہ تو لے ہی جاؤں گا ـــــــــ مگر ـــــــــ"

"نہیں مگر وگر کچھ نہیں، اس موضوع پر کسی قسم کی گفتگو نہ کرو ـــــــــ

(۹)

سوزوساز

اس دنیا کے بارے میں ایک بڑے شاعر نے کہا ہے

قرار ایک تغیر کو ہے زمانہ میں !

کتنی سچی بات ہے! کتنی کھلی ہوئی حقیقت ہے، اس دنیا کی ہر چیز متغیر ہے، خیال، عقیدہ، رائے، تصور، نظریہ، جسم، جان، روح، کون سی چیز ہے ایسی جس پر تغیر کا عمل طاری نہیں ہوتا؟ ہاں اگر کوئی مستثنیٰ ہے تو صرف خود تغیر، وہ بھی اس لئے کہ تغیر نام ہی تغیر کا ہے وہ اگر سکون سے بہرہ ور ہو جائے تو پھر وہ تغیر نہ رہے، کچھ اور ہو جائے، نہ جانے کیا ہو جائے!

وہی محمود، جو پہاڑ کی طرح اپنی روش پر قائم تھا، جو لوگوں کی زندگی سے، دنیا سے، دنیا والوں سے کھیلا کرتا تھا، اب بدلتا جا رہا تھا!

چھوٹی سی پروین نے اس کے دل کی دنیا بدل ڈالی تھی، وہ کانٹا بن کر اس کے دل میں داخل ہوئی تھی، اور یہ کانٹا نکالے نہیں نکلتا تھا، جب پہلے پہل

اتنے میں ملازمہ آئی، اس نے کہا "چھوٹی بیگم یاد کر رہی ہیں سرکار کو؟"

وہ چونک پڑا، جیسے خواب پریشاں دیکھکر کوئی چونک پڑتا ہے، اس نے کہا "مجھے بلا رہی ہیں؟"

"جی سرکار!"

"اچھا تم چلو، میں آیا!"

وہ چلی گئی، اور محمود بدستور آرام کرسی پر دراز رہا ——— !

کوئی بدقسمت ہوگا کس چیز کی کمی ہے مجھے؟ کیا نہیں ہے میرے پاس، دولت، ثروت، باغ، کھیت، مکان، نقد روپیہ، یہ سب کچھ اتنا ہے کہ اگر دو درجن بچوں کی ماں بھی میں بن جاؤں تو بھی ان کی سات پشتیں عیش و آرام کی زندگی بسر کریں، لیکن دو درجن تو بہت ہوتے ہیں ایک بچہ بھی نہیں جس سے میری گود ہری ہو، جسے دیکھ کر میں جیوں، جو میرے بڑھاپے کا سہارا ہو، جو میرے جینے اور مرنے میں کام آئے،

اُف!

اے خدا کیا ہوگا؟ کیا یہ ساری زندگی اسی امید اور انتظار میں کٹ جائے گی۔

محمود نے ماہ پارہ کو کوئی تکلیف کبھی نہ دی، بہت آرام اور محبت سے رکھا۔ ماہ پارہ کا جو کچھ تھا وہ اس نے محمود کے نام منتقل کر دیا تھا وہ کہا کرتی تھی، مرد کی اس میں بے عزتی ہے کہ وہ عورت کا دست نگر ہو۔ عورت کی، اس میں شان ہے کہ وہ مرد کی محتاج ہو، لہٰذا جو کچھ میرا ہے تم اس کے بھی مالک بن جاؤ، تم جس طرح میرے مالک ہو اسی طرح میرے مال و دولت کے بھی، اور محمود نے بے تامل ماہ پارہ کی یہ پیش کش منظور کر لی تھی، ماہ پارہ اس کی دست نگر تھی اور وہ اس کا مالک!

تعلقات میں کسی قسم کی تلخی نہ ہونے کے باوجود دونوں اب ملول اور غمگین

اسے ماہ پارہ ملی ہے اور ماہ پارہ کے ساتھ بے اندازہ اور بے حساب دولت ملی ہے، تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی، اور آج ۹ سال گزرنے کے بعد ماہ پارہ کے زندہ ہونے، اس کی املاک و جائداد سے پورے طور پر نفع اندوز ہونے کے باوجود وہ اپنے تئیں دنیا کا سب سے زیادہ بدنصیب شخص سمجھ رہا تھا ——— یہ وہ شخص سمجھ رہا تھا جو اپنی خوش قسمتی کے آگے ہر خوش بختی کو ہیچ سمجھا کرتا تھا!

کس لئے؟

کیوں؟ ———!

ماہ پارہ کے بطن سے اگر کوئی اولاد ہو جاتی تو شاید اس میں عظیم انقلاب رونما نہ ہوتا، لیکن ماہ پارہ بہترین تمناؤں، دلی آرزوؤں، ہر قسم کی دعاؤں اور مناجاتوں، ٹونوں، اور ٹوٹکوں، تعویذوں اور گنڈوں کے باوجود کسی بچہ کی ماں نہ بن سکی، جب تک وہ نواب ٹیکم گڑھ کی بیوی رہی اس کی لاولدی نہ اسے کھٹکی، نہ وہ سردں کو لیکن اب تو اس کا شوہر کوئی بوڑھا نہ تھا۔ ایک تنومند اور جوان شخص تھا، پھر بادِ مراد کیوں نہیں چلتی؛ شاخ تمنا کیون بار آور نہیں ہوتی؟ یہ غم اسے کھائے جا رہا تھا، وہ روز دبلی ہوتی جا رہی تھی، اب اسے کوئی چیز اچھی نہیں لگتی تھی، نہ کھانا، پینا، نہ آنا جانا، نہ تھیٹر، نہ سنیما، وہ گھنٹوں اور پہروں سوچا کرتی، کیا مجھ سے بڑھ کر بھی!

اپنے چہرہ بشرہ اور عمل سے ذرا بھی اس کا اظہار نہیں ہونے دیا، پھر جب عذرا، ہی سے مایوسی تھی تو وہ ماہ پارہ سے تعلقات کیوں بگاڑتا، اسے کیوں چھوڑتا۔

اب محمود کا ظاہر و باطن بدل گیا تھا، وہ بظاہر جتنا خوش اور مسرور نظر آتا تھا، باطن میں اتنا ہی رنجور اور افسردہ رہتا تھا ——— لوگ اس کے قہقہوں کو سنتے تھے لیکن دل کے آنسوؤں کو نہیں دیکھتے تھے، حالانکہ وہ برابر ٹپکتے رہتے تھے! بلکہ ان کی موسلا دھار بارش ہوا کرتی تھی!

ایک روز محمود انہی تفکرات میں غرق بیٹھا تھا کہ سلیم آگیا، سلیم اگرچہ اس کا بدترین نکتہ چیں تھا لیکن اس کا بہترین دوست بھی وہی تھا، سلیم کو دیکھتے ہی وہ سنبھل کر بیٹھ گیا، اس نے آتے ہی کہا "کہئے کیا حال ہے؟ خیریت ہے؟"

محمود نے اپنی کیفیت کو چھپاتے ہوئے کہا "میں تو اچھا ہوں لیکن ماہ پارہ کی حالت روز بروز گرتی چلی جا رہی ہے!"

سلیم نے پوچھا "علاج کیوں نہیں کرتے؟"

وہ بولا "پانی کی طرح روپیہ صرف کر رہا ہوں اس کے علاج پر"

سلیم نے چٹکی لی،

"تو کون سا احسان کر رہے ہو؟ روپیہ ہے کس کا؟ اسی بے چاری کا تو ہے!"

محمود کو اس وقت یہ بات بہت کھلی، اس نے ذرا جل کر کہا "تم اپنی

رہنے لگے تھے، لیکن ایک دوسرے کو اپنا رازدار بناتے ہوئے جھجکتے تھے، نہ جانے کیوں، ماہ پارہ نے کبھی بھی محمود کے سامنے اولاد کی تمنّا نہیں ظاہر کی، اگرچہ شمع کی طرح اسی غم میں وہ گھلی جا رہی تھی اور بالکل یہی کیفیت محمود کی بھی تھی، اس نے ماہ پارہ کے سامنے کبھی اولاد کا ذکر نہیں چھیڑا، حالانکہ جب سے اس نے پروین کی تصویر دیکھی تھی وہ اوّل درجہ کا باپ بن گیا تھا، ماں کی ماتما سے بھی زیادہ اس کی "باپتا" تڑپ رہی تھی، لیکن منھ پر تالا لگا تھا!

کیا اس لئے کہ وہ ماہ پارہ کو چاہتا تھا،

اگر چاہتا تھا تو اتنا کہ اپنی بہترین تمنّا بھی اس پر قربان کر دینے پر آمادہ تھا؟

نہیں، یہ بات نہیں تھی!،

پھر کیا تھا؟

اصل بات یہ تھی کہ اب پھر وہ عذرا اور پروین کی طرف آتنا ڈھلک چکا تھا کہ عذرا اگر ذرا منھ لگاتی تو وہ پروین کے شوق میں عذرا کو پھر قبول کر لیتا، اگر وہ اپنے ملنے کی یہ شرط لگاتی کہ وہ ماہ پارہ سے قطع تعلق کرے تو وہ شاید اس شرط کو بھی بے تامّل منظور کر لیتا، لیکن یہاں معاملہ پڑا تھا عذرا سے جس نے ایک مرتبہ چھٹنے کے بعد پھر کبھی محمود کا تعاقب نہیں کیا، جو ایک دفعہ بچھڑی لیکن پھر ملنے کا خیال تک اس کے دل میں نہ آیا، یا اگر آیا تو اس نے

بعد بھی آدمی غمگین رہ سکتا ہے ؟"

"کیوں نہیں رہ سکتا ؟ دولت ہر مرض کا علاج تو نہیں ؟ ــــــ اب ماہ پارہ ہی کو دیکھ لو، گھلی جا رہی ہے، ختم ہوئی جا رہی ہے"

"لیکن آخر کس غم میں ؟"

"تم بے اولادوں کے غم کو کیا سمجھتے ہو ؟ ایک عورت کے لئے کیا اس سے بڑا کوئی غم ہو سکتا ہے ؟"

بڑی سنجیدگی سے سلیم نے کہا "مانتا ہوں، لیکن جس طرح ہر عورت کا مزاج مردوں کی طرح جدا ہوتا ہے اسی طرح ہر عورت کا غم بھی الگ ہوتا ہے بعض عورتیں اس غم میں گھل گھل کر تمام ہو جاتی ہیں کہ وہ لاولد کیوں ہیں ؟ اسی طرح، بعض عورتیں اس غم سے پریشان رہتی ہیں کہ وہ کسی بچہ کی ماں کیوں ہیں ؟"

محمود نے تعجب سے سلیم کو دیکھا اور کہا "کیا بک رہے ہو ؟ پاگل !"

وہ بولا "نہیں ــــــ سچ !"

"بالکل جھوٹ ــــــ یہ بات صرف تم سے اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ میں نے سنی ہے !"

سلیم نے پہلو بدلتے ہوئے کہا "دور کیوں جاؤ ــــــ عذرا ہی کو لو ــــــ کسی ماں کو اپنی اولاد سے اتنی نفرت کرتے میں نے نہیں دیکھا جتنا عذرا کو !"

خباثت سے کبھی باز نہیں آؤ گے ؟"

وہ مسکرایا،

"اوہو، میں سمجھ گیا ــــــ کچھ حضور کا بھی مزاج ناساز ہے !"

"یہ کیسے سمجھے ؟"

"ماہ پارہ ہو یا کوئی اور، بھلا تم کسی کے لئے کیوں پریشان ہونے لگے؟ ـــــــ تمہیں اپنے حلوے مانڈے سے کام، فرض کرو ماہ پارہ کو کچھ ہو بھی جائے تو ایسی ایسی دو ہزار ماہ پارائیں مل جائیں گی تمہیں !"

"پھر وہی شرارت ؟"

"یار شرارت ورارت کچھ نہیں، جب سے تم نے عذرا کو چھوڑا ہے، میں بھی ذرا صاف گو زیادہ ہو گیا ہوں، معاف کرنا !"

محمود اس بات پر مسکرا دیا،

سلیم نے بات کا سلسلہ جوڑتے ہوئے پھر کہا "لیکن آخر بیماری کیا ہے اسے؟"

"میرے اور ڈاکٹروں کے خیال میں کچھ نہیں !"

"یعنی صرف مکر ؟"

"لاحول ولا قوۃ ــــــ کبھی تو آدمی بن کر بات کیا کرو ــــــ مکر کاہے کا ؟ بس غم !"

"غم ؟ کیا کہہ رہے ہو محمود ؟ کیا دولت اور ثروت کا مالک ہونے کے

"ہاں وہی ——— بڑا سخت بخار ہے۔ غریب کو، میں گیا تو خود سینما جا رہی تھیں، میں نے کہا، بچّی کی یہ حالت ہے اور تمہیں سینما دیکھنے کی سوجھی ہے؟"

کہنے لگی،

"میرے یہاں رہنے سے اس کا بخار کون اچھا ہو جائے گا؟ زندگی اور موت جس طرح خدا کے ہاتھ میں ہے، اسی طرح صحت اور بیماری بھی صرف خدا کی طرف سے ہے، اگر زندگی ہے تو بچ جائے گی اور اگر موت کا وقت آگیا ہے، تو بہترین طبی امداد کے باوجود بھی نہیں بچ سکے گی!"

میں نے پوچھا "یہ تم کہہ رہی ہو؟"

بولی "ہاں میں کہہ رہی ہوں!"

میں نے پھر پوچھا "یہ ایک ماں کہہ رہی ہے؟"

بگڑ گئی

"ہاں، کیا آپ کو شبہ ہے کچھ؟"

اس کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر میں چپ ہو گیا، اور وہ اطمینان سے سینما چلی گئی، اس کے جانے کے بعد پروین نے ممّی ممّی کہکر رونا شروع کیا، میں نے کمرہ میں جا کر ٹمپریچر دیکھا تو ۱۰۴۔ اسے زیادہ تھا!

محمود تقریباً چیخ پڑا،

"ہاں!"

محمود نے یکسر حیرت بن کر پوچھا "واقعی؟ سچ؟"

وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا "ہاں یار —— جس بیدردی سے وہ پروین کو مارتی ہے، سزا دیتی ہے، تکلیف پہنچاتی ہے، میرا خیال ہے کوئی نہایت پست ذہنیت کی سوتیلی ماں بھی ایسا نہیں کر سکتی، حالانکہ شروع میں عذرا بھی اسے بہت چاہتی تھی، جان چھڑکتی تھی اس پر، لیکن اب تو شیر اور بکری کا معاملہ ہے جو کبھی ایک گھاٹ پانی نہیں پیتے۔ ایک بھاگنے کی فکر میں رہتا ہے، دوسرا حملہ کی!"

یہ باتیں سن کر محمود کا چہرہ سرخ ہو گیا، لیکن اس نے ضبط سے کام لیا اور کہا "تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، ایسا اندھیر نہیں ہو سکتا!"

سلیم نے کہا "ارے بدھو، مجھے غلط فہمی کبھی نہیں ہوتی —— ابھی میں وہیں سے چلا آرہا ہوں، نہ جانے کئی دن سے بیچاری بھسا بھس بخار میں لت پت ہے!"

بیتابی سے محمود نے پوچھا،

"کون؟"

سلیم نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا

"پروین اور کون؟"

بیقرار ہو کر محمود نے دریافت کیا،

"پروین بیمار ہے؟"

وہ بیچ میں بول پڑی "تو کون سا زیادہ تھا ——— میں جب گئی ہوں اس سے تھوڑی دیر پہلے ۱۰۵ کے قریب تھا ———"

میں نے کہا "عذرا بہن ڈاکٹر نے سخت قسم کا نمونیہ تجویز کیا ہے!"

میرا خیال تھا یہ سنتے ہی وہ تڑپ جائے گی، لیکن توبہ کیجئے وہ تو ایسی بدل گئی ہے کہ مجھے حیرت ہوتی ہے، کہنے لگی "نمونیہ ہو گیا تو کون سا غضب ہو گیا؟ ہوتا ہی رہتا ہے ——— اس وقت اور بھی نہ جانے کتنے دوسرے بچے اسی شہر میں اس مرض کے شکار ہوں گے، کیا سب کے گھر ڈاکٹر چڑھے دوڑتے ہیں؟ آخر پروین میں ایسے کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں کہ اس کے لئے ڈاکٹر بلائے جائیں؟ وہ ایک معمولی عورت کی لڑکی ہے، زندہ رہ سکتی ہے رہے نہیں رہ سکتی نہ رہے، میرے پاس قارون کا خزانہ تو رکھا نہیں ہے کہ میں علاج، فیس اور دوا پہ اللے تللے سے خرچ کروں!"

میں نے کہا "بہن تم کچھ نہ خرچ کرنا!"

وہ اور بگڑ گئی،

"پھر کون کرے گا؟"

میں نے کہا "میں کروں گا!"

پوچھا "کیوں؟"

میں نے جواب دیا "مجھے محبت ہے اس سے! ہمدردی ہے تم سے!"

"پھر کیا کیا تم نے کم بخت ؟"

وہ بولا " میں نے اسے تسلی دی، پیار کیا، جب وہ ممی ممی چیختی ہوئی سو گئی تو میں ڈاکٹر چوپڑہ کو لایا جاکر، انہوں نے چھوتے ہی کہا،

"اسے تو سخت قسم کا نمونیہ ہے !"

محمود نے اور زیادہ چیخ کر پوچھا،

"نمونیہ ؟"

سلیم نے ملائمت سے کہا " ہاں نمونیہ ——— میرے تو یہ سن کر ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، میں نے ڈاکٹر سے پوچھا " پھر ؟ کیا یہ بچی بچ سکے گی ؟" کہنے لگا " کیس سیریس ہے، لیکن ناامیدی نہیں، میں پنسلین کے انجکشن تھوڑے تھوڑے وقفہ سے لگاتا ہوں، چنانچہ اس نے انجکشن دینا شروع کئے، بیچارہ بڑا، شریف آدمی ہے، رات بھر بیٹھا رہا ——— ہاں تو اس اثنا میں عذرا سینما دیکھ کر واپس آگئی، اس نے جو ڈاکٹر کو دیکھا تو جناب آپے سے باہر ہو گئی، برس ہی تو پڑی مجھ پر، کہنے لگی،

"ڈاکٹر کو آپ لائے ہیں ؟"

میں نے رکتے رکتے کہا " ہاں ———"

اس نے پوچھا " کیوں ؟ کس سے پوچھ کر ؟"

میں نے کہا " پوچھنے کا وقت ہی کہاں تھا ؟ ——— بخار ۱۰۴ ڈگری پر تھا،

"اسی لئے تو نفرت کرنے لگی ہیں ـــــــ ورنہ آپ جانتے ہیں کتنا چاہتی تھی میں اس چھوکری کو !"

میں نے کہا "ہاں جانتا ہوں، لیکن نفرت کیوں کرنے لگیں؟ کیا اس کی محبّت سے؟"

وہ بولی "ہاں اس کی محبّت سے ـــــــ اگر یہ مجھ سے محبّت نہ کرتی تو میں اسے برابر چاہتی رہتی !"

میں نے کہا "کچھ دیوانی ہو گئی ہو؟ کیسی الٹی بات کہہ رہی ہو؟"

وہ بولی "دیوانی نہیں ہوں، سچ کہہ رہی ہوں، واقعی جب تک پردین مجھ سے محبّت نہیں کرتی تھی میں جان چھڑکتی تھی اس پر، اور جس دن سے وہ محبّت کرنے لگی ہے، میرے دل میں اس کے لئے نفرت کے سوا کچھ نہیں ہے !"

میں نے حیرت سے عذرا کو دیکھا اور کہا "یہ کیا کہہ رہی ہو؟"

وہ بولی "بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں ـــــــ جب سے یہ محبّت کرنے لگی ہے، میرے دل میں یہ خیال بیٹھ گیا ہے، یہ بھی بڑی ہو کر مجھ سے دھوکا کرے گی، میں محبّت اور دھوکے کو ایک ہی بات سمجھنے لگی ہوں !"

میں نے کہا "میں سمجھ گیا، عذرا بہن"

"کیا سمجھے؟"

میں نے پھر کہا "محمود کا انتقام، پردین سے نہ لو !"

اور زیادہ خفا ہو گئی، کہنے لگی،

"آپ کو مجھ سے ہمدردی کا، اور اس سے محبت کا کوئی حق نہیں ——
ماں سے زیادہ چاہیں بھا بھا کتنی کہلائیں —— اور جب مجھے خود سے ہمدردی
نہیں تو آپ ہمدردی جتانے والے کون؟ کیا آپ مجھ سے زیادہ میرے دوست ہیں؟
براہ کرم آپ بھی تشریف لے جائیے، اور ڈاکٹر صاحب کو بھی لے جائیے اپنے ساتھ
میں اپنے گھر میں یہ بکھیڑا نہیں پالتی!"

لیکن بھائی میں بھی ستیہ گرہ پر اتر آیا، میں نے سر جھکا کر کہا "تو یہ حاضر ہے
جوتی اتارو، جتنی چاہو گن کر مار لو، لیکن نہ میں جاؤں گا، نہ ڈاکٹر جائے گا!"

وہ چپ ہو گئی، میری کچھ اور ہمت بڑھی میں نے کہا،

"تم کتنی سنگ دل ہو گئی ہو عذرا!"

وہ تیوری چڑھا کر بولی "یہ کیسے جانا آپ نے؟"

میں نے کہا "پروین اتنی پیاری بچی ہے کہ غیر بھی اسے دیکھ لیتے ہیں تو اس
سے محبت کرنے لگتے ہیں، اور تم اتنی نفرت کرتی ہو اس سے؟ ——
—— حالانکہ وہ تمہیں اتنا چاہتی ہے کہ تمہارے جانے کے بعد بڑی دیر تک،
ممی پکارتی رہی، اور روتی رہی، میرے ہر سوال کے جواب میں اس کے منہ سے
ایک ہی بات نکلتی تھی "میری ممی کہاں گئیں، انہیں بلاؤ!"

کسی قسم کی کیفیت طاری کئے بغیر عذرا نے بڑی رکھائی سے کہا،

بچے کو ماں کی گود میں جو سکھ ملتا ہے وہ باپ کے آغوش میں نہیں مل سکتا، لیکن معاملہ برعکس ہے، تو پھر اسے وہاں کیوں چھوڑ دوں؟ اپنے پاس اپنی نظروں کے سامنے اپنے دل کے قریب کیوں نہ رکھوں!"

سلیم نے تمسخر کرتے ہوئے کہا،

"کچھ داہی ہوئے ہو؟"

"یہ کیوں بھلا؟"

"یہ پردین کے ساتھ دوستی نہیں دشمنی ہوگی۔"

وہ کڑک کر بولا "ہرگز نہیں!"

سلیم نے بھی ویسے ہی جواب دیا،

"ہرگز ہاں! ——— ارے بیوقوف اول تو تم پردین کو بغیر مقدمہ لڑے عذرا سے چھین نہیں سکتے ———!"

"ہاں ٹھیک ہے، میں مقدمہ لڑ کے، عدالت کا حکم حاصل کر کے چھینوں گا اسے۔"

سلیم نے سمجھاتے ہوئے کہا "جگ در دسردار د، تم خود وکیل ہو، یہ قطعاً ضروری نہیں کہ عدالت کا فیصلہ تمہارے ہی حق میں ہو، عدالت صرف قانون کو نہیں دیکھتی ہے، سیاق و سباق کو بھی دیکھتی ہے، دوسرے عوامل اور مؤثرات کو دیکھتی ہے عدالت یہ بھی دیکھے گی کہ جہاں تم باپ ہو، وہاں کامل ۹ برس تک تم نے بچّی کی ایک دفعہ بھی صورت نہیں دیکھی، تم ایک منٹ کے لئے

اس کے چہرہ پر نفرت اور حقارت برسنے لگی، بڑی تلخی سے اس نے کہا۔

"استغفر اللہ، آپ بھی کیسی بات کہہ گئے، انتقام اس سے لیا جاتا ہے، جس سے توقعات ناکام ہوں، نفرت اس سے کی جاتی ہے، جس کی محبت نہ حاصل کی جائے کیا آپ سمجھتے ہیں، میں محمود سے نفرت کر سکتی ہوں؟ انتقام لے سکتی ہوں؟ آپ بالکل غلط سمجھے اگر یہ سمجھے!"

اور پھر ——؟"

محمود نے بڑے اشتیاق سے پوچھا "ہاں پھر کیا ہوا؟"

"پھر وہ پردین کے کمرے میں گئی پھر اپنے شب خوابی کے کمرہ میں چلی گئی، اور جاکر اطمینان سے سو گئی، میں اور ڈاکٹر سوکھتے رہے کنڈے کی طرح رات بھر وہاں!"

محمود نے بڑے غصہ کے عالم میں کہا "وہ ماں نہیں ڈائن ہے!"

سلیم نے بھی غصہ کے ساتھ کہا "تو تم بھی باپ نہیں راکشش ہو، تم نے کیا کیا بچی کے لئے؟"

محمود بولا "اب کروں گا!"

"کیا کرو گے؟"

بڑے عزم کے ساتھ جواب دیا،

"پردین کو چھین لوں گا اس سے —— میں تو اس لئے خاموش تھا کہ

"وہ نہیں ہو سکتا، تو اس کے علاوہ کوئی اور چارۂ کار بھی نہیں ہے۔"

"کیوں نہیں ہے؟"

"کیا ہے بتاؤ؟ ——— ہاں خوب یاد آیا، ایک ہے تو!"

بڑی امید کے ساتھ محمود نے پوچھا "کیا بتاؤ؟"

سلیم نے جواب دیا "وہی ایک، جو سب کا آخری مشکل کشا ہے

بہت سی کیجے تو مر رہیئے میرؔ، بس اپنا تو اتنا ہی مقدور ہے!"

——— مر سکتے ہو، خود کشی کر سکتے ہو، بس یہ ہے آخری چارۂ کار!"

اور یہ کہکر سلیم ہنسنے لگا!!

بڑی بے بسی کے ساتھ محمود نے کہا "سلیم تم ہنس رہے ہو؟ مجھ پر؟ میری، بے بسی پر؟ ——— ہنگام نزع گریہ یہاں بیکسی کا تھا ——— میری مدد کرو، میری رہنمائی کرو، مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟"

سلیم نے کہا "جیسا کیا ہے ویسا بھگتو، اب میں کیا بتا سکتا ہوں؟ اب کیا ہو سکتا ہے؟"

محمود نے ایک عجیب جذبہ اور خوشی کے عالم میں کہا "نہیں یہ نہ کہو سلیم ——— کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا، پروین مجھے ملنی چاہیئے۔ بغیر اس کے میں زندہ نہیں رہ سکتا!"

"ایں، کیا کہا زندہ نہیں رہ سکتے اس کے بغیر؟"

"ہاں!"

بھی اس سے نہیں ملے تم نے ایک دن کے لئے بھی اس کا خرچ نہیں اٹھایا، تم نے ایک دفعہ بھی اس کی غور پر داخت میں حصّہ نہیں لیا، پھر یہ یک بیک محبّت پدری کا جوالا مکھی کہاں سے پھٹ پڑا؟ ذرا سوچو تو ——— "

"کچھ بھی ہو میں تو ——— "

"بیوقوف نہ بنو پہلے پوری بات سن لو، دوسری بات یہ کہ فرض کرو، عدالت نے تمہارے حق میں فیصلہ کر دیا اور پردین تم کو مل گئی تو کیا تم سمجھتے ہو تم پردین کو اپنے پاس رکھ سکو گے ——— ؟"

"کیوں نہیں ضرور!"

"قیامت تک نہیں!"

"آخر وجہ؟ سبب؟"

"وہ ایک لمحہ کے لئے بھی عذرا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی ہے وہ عشق کرتی ہے اپنی ماں سے، کیا تم اسے اس لئے لاؤ گے کہ اس کی ہلاکت کا سبب بنو؟"

یہ باتیں سن کر محمود کی آنکھوں میں ——— ساری زندگی میں پہلی بار ——— آنسو آ گئے، اس نے کہا۔

"پھر کیا کیا جائے؟"

سلیم نے جواب دیا "صبر جمیل!"

"وہ نہیں ہو سکتا اب!"

اور پتھر کی چٹان سمجھتا تھا جس میں زندگی کی حرارت نہیں ہوتی صرف ٹھنڈک ہوتی ہے، جس میں چمک نہیں ہوتی صرف سختی ہوتی ہے!"

"تم نے مجھے غلط سمجھا!"

"اچھا غلط سہی، لیکن اب عذرا کا سوال ہے!"

"وہ کیا؟"

"کیا تم سمجھتے ہو، وہ راضی ہو جائے گی؟"

"اسے راضی ہونا پڑے گا!"

"جی وہ ماہ پارہ نباشد!"

"اسے راضی ہونا چاہیئے!"

"منہ دھو رکھئے، اس سے بڑھ کر ضدی عورت آج تک دنیا میں پیدا نہیں ہوئی!"

"لیکن وہ بہرحال عورت ہے؟ ——— اور عورت کا دل مہر و محبت کا گنجینہ ہوتا ہے؟"

"ٹھیک کہتے ہو، لیکن صرف مہر و محبت کا نہیں، نفرت اور انتقام کا بھی!"

"مانتا ہوں لیکن تم اسے راہ راست پر لا سکتے ہو!"

"جی اس حسن ظن کا شکریہ ——— لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیئے، بالوں کے معاملہ میں ویسے ہی قدرت نے میرے ساتھ فیاضی کا برتاؤ نہیں کیا ہے!"

"میری ہنسی پر تو تم اعتراض کر رہے تھے، اب تم کہو، یہ مذاق کا کون سا موقع تھا؟"

"مذاق؟"

"ہاں اور کیا؟ —— یہ مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟ تم اور محبت! اور وہ بھی پروین سے جس کی ماں کا شوہر بننے سے وعدوں اور پیمانوں کے باوجود تم نے انکار کر دیا!"

"پچھلی باتوں کا ذکر نہ کرو سلیم، جو کچھ ہونا تھا ہو چکا، اب سوچنا یہ ہے کہ کیا کیا جائے؟"

"ایک بات کہتا ہوں!"

"فرمائیے!"

"میں تلافیٔ مافات پر آمادہ ہوں!"

"یعنی تم عذرا کو بیوی بنا لو گے؟"

"ہاں!"

"اگر وہ ماہ پارہ پر اعتراض کرے؟"

"تو اسے چھوڑ دوں گا!"

"اماں واللہ، سچ؟"

"ہاں بالکل سچ!"

"تم اتنے جذباتی آدمی ہو یہ مجھے آج معلوم ہوا، میں تو تمہیں برف کی سل

"یہ کربلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے؟ یعنی عذرا سے بات چیت کون کرے؟"

"تم اور کون؟"

سلیم نے کہا "مجھے عذر نہیں، لیکن ایک بات یاد رکھو، اگر میں نے سلسلہ جنبانی کی تو بنا ہوا کام بگڑ جائے گا!"

محمود نے طنز کرتے ہوئے کہا "پھر کسے بھیجوں؟ ماہ پارہ کو؟"

سلیم ہنسنے لگا،

"آ گئے اپنے رنگ پر؟"

محمود نے سنجیدگی سے کہا "باتوں میں نہ ٹالو، اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوئی ترکیب نکالو!"

"وہی تو سوچ رہا ہوں!"

پھر سلیم نے سر جھکاتے ہوئے کہا،

"یار ایک ترکیب ہے!"

"بتاؤ!"

"اور وہی پہلی اور آخری ترکیب ہے، یا تخت یا تختہ!"

"کہو بھی تو کچھ کسی طرح!"

سلیم نے بڑی متانت سے کہا "تم خود جاؤ عذرا کے پاس!"

وہ حیرت سے بولا "میں جاؤں؟"

"کیا مطلب؟ میں نہیں سمجھا!"

"اگر نہیں سمجھے تو مجھے ذرا بھی حیرت نہیں ہوئی اس لئے کہ ہیبٹر کے کودن ہو ــــــ ارے بھائی مطلب یہ کہ سر پر بال ویسے ہی کم ہیں، تم بالکل ان کا صفایا کرا دینا چاہتے ہو کیا؟ ــــــ نا بھائی ہماری یہ قدرت نہیں!"

"تم بھی مجھے مایوس کر رہے ہو سلیم؟"

"سلیم کو ترس آگیا،

"مایوس نہیں کرتا، صورت حال واضح کر رہا ہوں، ویسے مجھ سے جو کچھ بھی ممکن ہو سکے اس کے لئے تیار ہوں!"

"جب ابھی نہیں کر سکے تو اور کیا کر سکو گے؟"

سلیم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "مردانگی اسی میں ہے کہ آدمی ہمت نہ ہارے کوشش کئے جائے، کوشش کی برکت سے بہت سے ناممکن کام ممکن ہو گئے ہیں ــــــ عجب کیا ہے یہ بیڑا غرق ہو کر پھر اچھل آئے ــــــ لیکن یہ اس وقت تک اچھل نہیں سکتا جب تک عذرا ہموار نہ ہو، اور عذرا کا ہموار ہونا کارے دارد والا معاملہ ہے کیونکہ وہ اپنی افتاد طبع کے لحاظ سے ایسی واقع ہوئی ہے کہ ــــــ نہ بزاری، نہ بزور ے، نہ بزری آید! پھر بھی یہ مانتا ہوں کوشش ہونی چاہیئے، اب ایک سوال رہ جاتا ہے!"

"وہ کیا؟"

"چلو!"

پھر اس نے سلیم سے کہا "خدا خیر کرے، ادھر کئی دن سے حالت کافی پریشان کن ہے ——— اچھا رخصت، پھر ملیں گے، میں تو نہ آسکوں گا، تم ہی کل، پرسوں آجانا!"

"ہاں صرف تم !"

"میں شوق سے چلا جاؤں، لیکن تم مجھ سے کم عذرا کو نہیں سمجھتے میں اگر جاؤں بھی تو بھی وہ ملے گی نہیں ! ——— میرا دل کہتا ہے ملنے سے انکار کر دے گی !"

"میرا دل بھی یہی کہتا ہے، پھر بھی تمہیں کو جانا چاہئے !"

"لیکن ایسے جانے سے فائدہ کیا ؟ ——— جب وہ ملے ہی گی نہیں، تو بات کس سے کروں گا ؟ التجا کس سے کروں گا ؟"

"ذرا عقل سے کام لو ——— ہو سکتا ہے وہ تم سے نہ ملے، ملنے سے انکار کر دے، پھر بھی اگر چاہو تو کسی نہ کسی ڈھب سے مل ہی سکتے ہو !"

"تو بتاؤ وہ ڈھب ؟"

"ابھی نہیں ——— معاملہ کافی اہم ہے، ذرا سوچ لینے دو، اور اس عرصہ میں تم بھی بیکار نہ بیٹھو !"

"کیا کروں میں ؟"

"سوچو ——— ممکن ہے تمہارے ہی ذہن میں کوئی معقول بات آجائے"

ان دونوں میں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ گھر کی ملازمہ روتی ہوئی ہانپتی کانپتی آئی اور اس نے کہا "غضب ہو گیا، چھوٹی بیگم کے دانت بیٹھ گئے وہ بیہوش پڑی ہیں، جلدی چلئے سرکار !"

محمود اٹھ کھڑا ہوا،

میں طوفان کی طرح بولنے کے لئے نہ جانے کیسے کیسے خیالات امنڈ رہے تھے، اتنے میں سلیم آگیا، عذرا اسے دیکھ کر مسکرائی،

"آیئے سلیم بھیا ـــــــ لیکن ذرا دیر سے پہنچے، بیٹھئے، میں ناشتہ کا انتظام کرتی ہوں!"

سلیم نے کہا "نہیں بھئی رہنے دو، میں ناشتہ کر آیا ہوں!"

چائے کی پیالی بڑھاتی ہوئی بولی "اچھا خالی چائے تو پی لیجئے!"

سلیم نے ہاتھ بڑھایا، لیکن نہ جانے کس طرح پروین کا ہاتھ اس میں لگ گیا اور چائے چھلک گئی، عذرا کو غصہ آگیا، اس نے دھواں دھوں اسے پیٹنا شروع کر دیا،

"اندھی ہے بالکل، حرام زادی!"

وہ غریب جواب کیا دیتی، چپ چاپ بیٹھی پٹتی رہی لیکن اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسوؤں کے بڑے بڑے قطرے ڈھلک رہے تھے، مگر وہ بھی آخر کس باپ اور کس ماں کی لڑکی تھی، آنسو لاکھ لاکھ باہر نکلنے کے لئے مچلے، لیکن کیا مجال ہے، جو موتی کا ایک قطرہ بھی اس نے آنکھ سے ٹپکنے دیا ہو، عذرا نے جھڑکتے ہوئے کہا "جا اپنے کمرے میں بیٹھ جا کر منحوس کی در وغہ بنی بیٹھی ہے، یہاں!"

پروین نے بے چون وچرا حکم کی تعمیل کی اور اٹھ کر چلی گئی،

(۱۰)

مُلاقات!

وہ ایک ٹھنڈی اور سہانی صبح تھی!

عذرا، ابھی ناشتہ کرنے بیٹھی تھی، پاس ہی پروین بھی ڈری اور سہمی بیٹھی تھی جب تک وہ شیرخوار اور ناسمجھ تھی، ماں کی شفقت اور محبت اس کے لئے وقف تھی، عذرا اسے دیکھ کر جیتی تھی لیکن جب سے اس نے ہوش وحواس کی سرحد میں قدم رکھنا شروع کیا تھا شعور اور احساس کی مالک ہو چلی تھی، ماں اس سے دور ہوتی جارہی تھی، اس سے نفرت کرنے لگی تھی، اس کی صورت دیکھ دیکھ کر جلنے لگی تھی، وہی عذرا جو اس پہاڑی مینا کی باتیں گھنٹوں اور پہروں سُنا کرتی تھی اب اتنی بیزار اور متنفر ہو گئی تھی کہ حکم دے رکھا تھا،

"خبردار میرے سامنے بک بک نہ کیا کرو!"

اور وہ بیچاری پوری بیچارگی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کرتی تھی چنانچہ اس وقت بھی وہ اس طرح خاموش بیٹھی تھی جیسے بولنا جانتی ہی نہیں، حالانکہ دل،

وہ مسکرا پڑی،

"بتایئے کیا سمجھے ؟ —— آپ جو کچھ سمجھتے ہیں وہ دلچسپ تو بہت ہوتا ہے، اس لئے میں اسے دلچسپی سے سنتی ہوں !"

سلیم نے جل کر کہا "اب آپ مجھے بنانے کی کوشش تو از راہ کرم نہ فرمایئے۔ من آنم کہ من دانم، لیکن میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں، جواب دو گی ؟"

"ضرور فرمایئے"

"آخر پرویز کی خطا کیا ہے ؟"

وہ بولی "بہت بڑی خطا"

"آخر کیا ؟"

عذرا نے کہا "مجھے نفرت اس سے نہیں، اس کی محبت سے ہے، وہ کیوں کرتی ہے مجھ سے محبت ؟ اتنا مارتی ہوں، پیار کی آنکھ سے کبھی نہیں دیکھتی ہمیشہ قہر کی نگاہ سے دیکھتی ہوں، کبھی سیدھے منھ اس سے بات نہیں کرتی نہ منھ لگاتی ہوں، پھر بھی حالت یہ ہے کہ ذرا میرے سر میں درد ہو جائے تو پریشان ہو جائے گی، رونے لگے گی، اچھیائی مچھیائی گھومے گی، ایسا معلوم ہو گا جیسے میرے سر کے ساتھ اس کا دل پھٹا جا رہا ہے مکّارہ کا !"

سلیم نے زہر خند کرتے ہوئے کہا "خوب داد دی بھئی، وہ ناسمجھ اور معصوم بچی مکّارہ ہے ؟ کچھ دیوانی ہو گئی ہو ؟ دماغ چل گیا ہے تمہارا ؟"

اس کے جانے کے بعد سلیم نے کہا "عذرا تم بڑی سنگدل ہو!"

وہ بولی "کیوں؟ یہ کیسے جانا آپ نے؟"

"تمہارے ظالمانہ برتاؤ سے ——— سچ کہتا ہوں جو برتاؤ، تم پردین کے ساتھ روا رکھتی ہو، وہ اس کا کوئی بدترین دشمن بھی روا نہیں رکھ سکتا!"

کہنے لگی "نفرت ہے مجھے تو اس سے کم بخت مرتی بھی نہیں، سخت جان اتنی ہے کہ نمونیہ ہوا اور اچھی ہو گئی!"

سلیم نے حیرت سے اسے دیکھا اور کہا "کیا کہہ رہی ہو عذرا؟ ——— ——— تم چاہتی ہو کہ وہ مر جائے؟"

"ہاں میں یہی چاہتی ہوں!"

"ایک ماں اپنی اکلوتی اولاد کے لئے یہ چاہ سکتی ہے؟"

"کیوں نہیں ——— مثال آپ کے سامنے موجود ہے، پھر شک کیوں؟"

"شک نہیں تعجب!"

"تعجب کا بھی کوئی موقع نہیں!"

"یہ کیوں آخر؟"

"سانپ کا بچہ سنپولا ہی ہوتا ہے، اس سے نفرت ہی کی جا سکتی ہے!"

"اوہ، اب میں سمجھا!"

"یہاں آؤ بیٹی ۔"

وہ پھر کھڑی رہی، آگے نہیں بڑھی،

عذرا نے ڈانٹا،

"بدتمیز کہیں کی، آتی کیوں نہیں؟"

وہ آکر خاموش کھڑی ہو گئی، سلیم نے اسے اپنے پاس بٹھالیا اور پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا،

"تمہاری ممی نے تمہیں ہمیں دے دیا، چلو گی ہمارے ساتھ؟ رہو گی ہمارے گھر میں؟"

پروین کی آنکھوں میں پھر آنسو بھر آئے اور اس نے بڑے جوش کے ساتھ کہا "نہیں! میں نہیں جاؤں گی!"

اور یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی،

سلیم نے اسے گلے سے لگا لیا،

"ارے تم تو رونے لگیں ——— ہم تو تمہیں اس لیے لے جارہے تھے کہ تمہاری ممی تمہیں مارتی ہیں، خفا ہوتی رہتی ہیں تم پر، ہم تمہیں پیار کریں گے، سیر کرائیں گے، گڑیاں لاکر دیں گے، سینما دکھائیں گے، نہ کبھی ڈانٹیں گے نہ ماریں گے، تمہاری ممی تو بڑی بری ہیں، ہر وقت غصّہ ناک پر رکھا رہتا ہے، ان کے! ——— چلو وہاں تمہیں ایک نئی ممی ملیں گی، بڑی اچھی، بڑی پیاری، کبھی بھولے سے

بڑی سنجیدگی سے جواب دیا "جی یہ کچھ نہیں ہے، بات کچھ اور ہی ہے!"

"کوئی بات بھی ہو، اس کی معصوم اور سچی محبت کو تم نے کس سے کیسے تعبیر کیا؟"

"ہے جو!"

"غلط!"

"واہ تمہیں غلط نہ ہو، وہ اب بالکل اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتی جا رہی ہے، ان حضرت نے بھی محبت کا سوانگ رچایا تھا، ذرا میرا سر دکھا، اور ماہی کبے آب کی طرح تڑپنے لگے، اور پھر جو عشق ختم ہوا تو دیکھ لیجئے ۹ برس سے منہ نہیں دکھایا ——— یہی کرے گی جب دیکھے گی میں اس سے بھی والہانہ محبت کرنے لگی ہوں، تو یہ بھی باپ کی طرح آنکھیں پھیرے گی اور میری نہیں رہے گی، پھر میں محبت کیوں کروں؟ نفرت ہی کیوں نہ کروں؟"

"عذرا عقل سے کام لو، یہ مفروضات ہیں، وہم ہے!"

عذرا نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ کسی کام سے پروین ادھر سے گزری۔

سلیم نے اسے دیکھ کر آواز دی۔

"پروین بیٹی!"

وہ سہم کر وہیں کھڑی ہو گئی، وہ سوچ رہی تھی کیا کرے؟ اگر آتی ہے تو ماں کے غضب کا شکار ہونا پڑے گا، اگر نہیں جاتی تو یہ بدتمیزی ہے، سلیم اس کی ذہنی کشمکش سمجھ گیا، اس نے کہا،

سلیم نے کہا "اب کیوں رو رہی ہو بھئی !"

کہنے لگی "میں تو ممّی کے ساتھ جاؤں گی !"

عذرا نے حقارت کے ساتھ کہا،

"اے چل ہٹ، بڑی آئی ممّی کے ساتھ جانے والی، میں نہیں لے جاتی تجھے اپنے ساتھ !"

یہ سنتے ہی پروین کا رونا اور بڑھ گیا، وہ سلیم کے پاس سے ہٹ کر عذرا کے پاس آئی اور اس سے لپٹ کر رونے لگی،

"میری ممّی، مجھے یہاں نہ چھوڑو ——— میں اب تمہارا کہنا اور زیادہ مانا کروں گی، کبھی تمہیں ناراض نہیں کروں گی تم ماروگی تو رویا بھی نہیں کرونگی، آنسو بھی ضبط کر لیا کروں گی، مجھے معاف کردو، مجھے اپنے ساتھ لیتی چلو !"

پروین یہ کہتی جاتی تھی اور ماں کے سینے سے لپٹ لپٹ کر روتی جاتی تھی، نہ جانے کیوں اس وقت عذرا چپ رہی، نہ اس نے پروین کو دھتکارا، نہ ڈانٹا، نہ مارا، لیکن شفقت کا اظہار بھی نہیں کیا چپ چاپ بیٹھی رہی !

اور نہ جانے کیوں

سلیم کی آنکھیں آب گوں ہو گئیں، اس کا جی چاہ رہا تھا، وہ بھی پروین کے ساتھ چیخ چیخ کر اور پھوٹ پھوٹ کر رو دے، لیکن بڑے ضبط سے کام لے رہا تھا! جب پروین کے آنسو کسی طرح نہ تھمے اور اس کا رونا بڑھتا ہی گیا، تو نرم

بھی تمہیں نہیں ماریں گی، ہمیشہ تمہیں پیار کریں گی ——— شاباش چلو گی نا، ہمارے ساتھ!"

وہ مچل گئی،

"نہیں جاؤں گی، آپ کیوں بار بار یہی کہے جا رہے ہیں نہیں چاہیئے مجھے کوئی نئی ممی!"

"نہیں چاہیئے؟ ارے بڑی بیوقوف ہو تم تو، چل کے ایک دفعہ دیکھ تو لو نہیں!"

"نہیں دیکھنے کی!"

"واہ بھئی، دیکھو گی بھی نہیں ——— یہیں رہو گی، اپنی انہی ممی کے پاس، کیوں؟"

وہ بولی "جی!"

"دیکھ لینا، میرے جاتے ہی یہ پھر تمہیں ماریں گی!"

وہ عزم کے ساتھ گویا ہوئی،

"کھاؤں گی! ——— مگر رہوں گی یہیں کہیں اور نہیں جانے کی!"

سلیم نے اب رُخ بدلا، عذرا سے کہا۔

"اچھا عذرا چلو میرے ساتھ، تمہیں اب یہاں نہیں وہاں رہنا ہے۔ پروین کو یہیں چھوڑ جاؤ، وہ یہیں رہے گی!"

پروین پھر رونے لگی،

عذرا نے جواب دیا،

"ہاں کیوں نہیں ——— میری محبت تو اسے وراثت میں ملی ہے، اس کا باپ اس سے زیادہ محبت کرتا تھا اور یہ باپ سے زیادہ کرتی ہے، لیکن میں نہ اس کے دھوکے میں آئی، نہ اس کے فریب میں آؤں گی ———!"

سلیم نے کوئی جواب نہ دیا، خاموش ہوگیا!،

اور تھوڑی دیر کے بعد وہ چلا گیا،

سلیم کو گئے ہوئے مشکل سے پندرہ منٹ ہوئے ہوں گے کہ عذرا کی پرانی ملازمہ صالحہ خوشی سے مست ہانپتی کانپتی آئی اور کھڑی ہوگئی آکر سامنے،

عذرا نے پوچھا،

"کیا ہے صالحہ؟ اتنی خوش کیوں ہو؟"

وہ بولی "پہلے مٹھائی کھاؤں گی سرکار، پھر بتاؤں گی!"

عذرا نے حیرت سے صالحہ کو دیکھا پھر ذرا خشم گیں لہجے میں کہا.

"تمہیں کیا ہوگیا ہے صالحہ؟ ——— جلدی بتاؤ کیا بات ہے؟"

صالحہ نے بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا،

"وہ آگئے!"

عذرا نے پوچھا "کون؟ ——— کون آگئے؟"

وہ بولی "محمود میاں آئے ہیں، باہر بیٹھے ہیں، اور آپ سے ملنا چاہتے

یوں میں عذرا نے صرف اتنا کہا،

"اری میں کہیں نہیں جا رہی، یہ سلیم بھیّا تو یونہی جو منہ میں آتا ہے اوٹ پٹانگ بک جاتے ہیں!"

اور یہ سنتے ہی پروین کے آنسو جذب ہو گئے، اس کا روتا ہوا چہرہ پھول کی طرح کھل گیا، وہ خوش ہو گئی، ایسا معلوم ہوتا تھا دنیا میں اس سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہیں ہے، ماں کا ڈر تھوڑی دیر کے لئے دور ہو گیا، اور وہ بے ساختہ ماں کے سینہ سے لپٹ گئی اور گود میں بیٹھی ہوئی بڑے چاؤ اور پیار سے بولی،

"میری ممّی!"

سلیم نے مسکراتے ہوئے پوچھا،

"بڑی اچھی ہیں تمہاری ممّی؟"

اور وہ خوشی کا جھولا جھولتی ہوئی بولی،

"ہاں بہت اچھی، بڑی پیاری!"

عذرا ذرا کے ذرا مسکرا دی اور بولی،

"اچھا زیادہ اتراؤ مت، جاؤ اپنے کمرے میں وہیں قصیدے پڑھنا ممّی کے"

اور پروین خوشی خوشی ماں کی گود سے اتری اور چھلانگیں لگاتی ہوئی اپنے کمرہ میں چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد سلیم نے کہا،

"کیوں دیکھ لیا؟ کتنی محبت کرتی ہے یہ دیوانی چھوکری تم سے؟"

ڈرائنگ روم واپس گئی جہاں محمود جواب کا انتظار کر رہا تھا،

محمود صالحہ کو دیکھ کر اندر جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا، اس نے مسکراتے ہوئے کہا،

"کیا کہا عذرا نے ؟"

وہ بہت آہستہ بولی "منع کرتی ہیں!"

محمود جہاں کھڑا تھا وہیں ٹھہر گیا،

"ملنا نہیں چاہتیں ؟"

"نہیں!"

"کیا کہا انھوں نے ؟"

"کہتی ہیں میں نہیں ملوں گی!"

"یہ کہا ؟"

"جی!"

محمود واپس جانے کے لئے مڑا، اتنے میں نہ جانے کس طرح پروین کھیلتی ہوئی وہاں پہنچ گئی، محمود اس کی تصویر دیکھ ہی چکا تھا، دیکھتے ہی پہچان گیا یہی پروین ہے، وہ پھر صوفے پر بیٹھ گیا اور پروین کو اپنے پاس بلا کر پوچھا،

"تم پروین ہو ؟"

وہ بولی "جی میرا نام پروین ہے!"

ہیں ——— میں نے کہا چلئے اندر، آپ کا گھر ہے، پوچھ گچھ کیسی، لیکن وہ نہیں، مانے کہنے لگے، یوں نہیں، پہلے تم جاکر اطلاع کر دو، اگر بلائیں گی تو جاؤں گا۔

——— جاؤں بلالاؤں سرکار؟ ———!"

عذرا نے کڑک کر کہا "نہیں!"

بیچاری صالحہ سہم گئی،

"نہ بلاؤں؟"

عذرا نے اور زیادہ برہم ہو کر کہا،

"کہہ تو رہی ہوں نہیں!"

بیچاری صالحہ پر اوس سی پڑ گئی، سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا، بڑی برہم آواز میں پوچھا،

"تو پھر کیا کہوں جاکر؟"

عذرا بولی "جا کہدے، میں ملنا نہیں چاہتی!"

صالحہ نے پھر ایک کوشش کی،

"سرکار، سرکار وہ آپ کے ———"

عذرا نے زور سے کہا "میں کچھ نہیں سننا چاہتی، جو کہا ہے، وہ کہدے جاکر ——— کچھ شامت تو نہیں آئی ہے تیری؟ تو دخل دینے والی کون؟"

صالحہ نے سمجھ لیا، دال گلنے والی نہیں ہے، وہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی

وہ بولی "جی بتائیے !"

محمود نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا،

"بتادوں گا، لیکن ابھی نہیں، پھر کبھی !"

پروین پوچھنے ہی والی تھی،

"بتاتے کیوں نہیں؟ پھر کب بتائیں گے؟"

کہ اتنے میں گھر میں پروین کو نہ پاکر عذرا چیل کی طرح جھپٹتی ہوئی ڈرائنگ روم میں پہنچی،

محمود اور اس کی آنکھیں چار ہوئیں !

عذرا نے پروین کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا، اور بگڑتے ہوئے پوچھا،

"تو یہاں کیوں آئی !"

پروین سہم گئی، محمود کی طرف اشارہ کرتی ہوئی بولی،

"انھوں نے بلایا تھا !"

عذرا نے کہا "خبردار، اب کبھی ایسا نہ ہو، جاؤ، چلو !"

پروین واپس چلی گئی، لیکن آج پہلی مرتبہ اس کے دل میں بغاوت کا ننھا سا جذبہ پیدا ہوا، اس نے چاہا کہ اپنی ماں سے کہے، امی تمہیں کیا ہو گیا ہے کیوں بھگائے دے رہی ہو مجھے؟ یہ تو بڑا اچھا آدمی معلوم ہوتا ہے، مجھ سے کتنی، محبت سے باتیں کر رہا تھا، تم اتنی اکل کھری کیوں ہو، نہ اپنے پاس بیٹھنے دیتی ہو نہ کسی اور

محمود نے نظر بھر کر پروین کو دیکھا اور اس کا جی چاہا، اس خوب صورت سی گڑیا کو گود میں اٹھا کر اپنے دل میں بٹھالے بڑی محبت کے لہجہ میں اس نے اپنی بچی سے کہا،

" بیٹھ جاؤ بیٹی !"

وہ بیٹھ گئی !

اور وہ اسے محبت بھری نظروں سے دیکھنے لگا، پھر اس نے پوچھا،

" پڑھتی بھی ہو کچھ ؟"

وہ بولی " جی ماسٹر صاحب پڑھانے آتے ہیں !"

اور دفعتہً اسے یاد آیا، اس شخص کو وہ کہیں دیکھ چکی ہے،

لیکن کب ؟

کہاں ؟

اور پھر اسے یاد آیا، اسے نہیں اس کی تصویر دیکھی ہے، اس نے بے ساختہ پوچھا،

" آپ کون ہیں ؟"

محمود کا جی چاہا، اسے کلیجہ سے لگالے اور کہدے، میں تیرا باپ ہوں تو میری بیٹی ہے، لیکن یہ لفظ آتے آتے رہ گئے، وہ انہیں ادا نہ کر سکا صرف اتنا کہا " جاننا چاہتی ہو میں کون ہوں ؟"

محمود نے کہا "ہاں جانتا ہوں ـــــــ لیکن کیا گرفتار کرا دوگی تم مجھے؟ رپورٹ کر دوگی پولیس میں میرے خلاف!"

"دونوں باتیں ممکن ہیں!"

محمود نے اپنی وکالت کا رعب ڈالا۔

"عذرا! اسے نہ بھولو، کہ پروین میری لڑکی ہے اور میں اسے تم سے چھین سکتا ہوں، قانون کے حدود میں رہ کر واپس لے سکتا ہوں!"

عذرا نے تیوری پر بل ڈال کر کہا،

"آپ مجھے دھمکی دیتے ہیں!"

"فرض کر دو دیتا ہوں!"

"تو آپ بیوقوف بھی ہیں! آپ سے کس نے کہا پروین آپکی لڑکی ہے؟"

محمود چونک پڑا،

"کیا وہ میری لڑکی نہیں ہے؟"

عذرا نے کہا "ممکن ہے کسی اور کی ہو ـــــــ اور ۸ - ۹ سال کی پرانی بات ہے مجھے سچ سچ یاد بھی نہیں کس کی ہے؟ ممکن ہے آپ کی ہو، ہو سکتا ہے کسی اور کی ہو!"

محمود کو ایسا معلوم ہوا جیسے زمین میں وہ دھنسا چلا جا رہا ہے، اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا،

"اس کے معنی یہ ہیں، تم کبھی بھی میری نہ تھیں، کچھ اور لوگ بھی تھے جن سے تمہارا

کے پاس،

لیکن انجام کے خوف سے بغاوت کا یہ ننّھا سا جذبہ زیادہ نہ بڑھ سکا، وہ، اپنی ماں سے کچھ نہ کہہ سکی، حسرت بھری ایک نظر محمود پر ڈالی، اور خاموشی کے ساتھ چلی گئی، محمود نے بیٹی کی وہ حسرت بھری نظر دیکھ لی اور اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا، اس نے عذرا سے کہا،

"میں تم سے ملنے آیا تھا!"

عذرا نے جواب دیا،

"ہاں صالحہ نے کہا تھا مجھ سے، اور میں نے جواب بھی بھجوا دیا تھا کیا اس نے کچھ نہیں کہا آپ سے؟"

وہ بولا "کہا ——— وہ کہہ رہی تھی تم ملنا نہیں چاہتیں مجھ سے!"

"ٹھیک ہے، میں نے یہی کہلوایا تھا ——— پھر بھی آپ یہیں بیٹھے ہیں؟ گئے کیوں نہیں؟"

"چلا جاؤں گا؟"

"ہاں فوراً!"

"اور اگر نہ جاؤں؟"

"تو آپ مداخلت بیجا کے مرتکب ہوں گے، آپ وکیل ہیں، اور آپ کو معلوم ہوگا یہ جرم ہے!"

کا دروازہ کھٹکھٹائیں تو بارِ ثبوت آپکے ذمہ ہوگا، کیا آپ ثابت کر سکیں گے، واقعی اس کے باپ آپ ہی ہیں؟ آپ ہی اسکے جائز دلی ہیں؟ اس ۹ برس کے عرصہ میں آپ نے کبھی اس کی خبر لی، کبھی خبر گیری کی؟ کبھی اسکی بات پوچھی؟، کبھی اس سے بات کی؟ ان تمام سوالات کا جواب نفی میں ہے، آپ بہت بڑے اور قابل وکیل ہیں، مانتی ہوں، لیکن اسے ماننے میں مجھے شبہ ہے کہ آپ جتنے بڑے وکیل ہیں، اتنے ہی بڑے جعل ساز بھی ہیں!

محمود بیچ میں بول پڑا،

«جعل ساز؟»

وہ بولی "جی ـــــــ کیا آپ کا میرے ساتھ نکاح ہوا تھا؟"

«نہیں!»

«ذرا اپنے دماغ پر زور ڈال کر سوچئے، بغیر نکاحی ماں کے پیٹ سے جو اولاد پیدا ہو اس کا دعوے دار دنیا میں کون ہو سکتا ہے؟ اگر آپ کا دعویٰ مان لیا جائے تو پھر زید کا، اور اس کا تسلیم کر لیا جائے تو پھر بکر کا بھی دعویٰ کیوں نہ تسلیم کیا جائے؟ اولاد صرف اس وقت باپ کو مل سکتی ہے، جب نکاح ثابت ہو جائے، اور آپ کتنے ہی بڑے جعل ساز بن جائیں پھر بھی یہ نہیں ثابت کر سکتے کہ آپ کا نکاح ہوا تھا مجھ سے ـــــــ ہاں میں یہ ثابت کر سکتی تھی اور ثابت کر کے آپ سے اپنا اور اپنی لڑکی کے گزارہ کا مطالبہ کر سکتی تھی، لیکن آپ جانتے ہیں، میں نے ایسا نہیں کیا، پھر آپ بجائے میرا شکریہ ادا کرنے کے الٹے مجھے

ربط ضبط تھا!"

"تھے کیا معنی ہیں؟ —— ہر شخص تو محمود نہیں ہوتا، ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو اب تک پیمان وفا نباہ رہے ہیں!"

غصہ کے مارے محمود لرزنے لگا۔ "عذرا، عذرا!"

عذرا نے اسے حقارت سے دیکھا، اور کہا "چیخیے مت، یہ میرا گھر ہے، چوراہا نہیں!"

محمود نے کہا "ہاں تم نے سچ کہا، یہ تمہارا گھر ہے، چوراہا نہیں —— لیکن ایک بات سچ سچ بتا دو!"

وہ بے رخی کے ساتھ بولی،

"پوچھئے!"

"واقعی پروین میری لڑکی نہیں ہے؟"

کہنے لگی "پھر وہی —— کہہ تو رہی ہوں اتنی پرانی بات ہو گئی کہ مجھے قطعاً یاد نہیں کس کی ہے؟ ہو سکتا ہے اس کا کچھ حصہ آپ کا ہو، کچھ کسی دوسرے کا، یا وہ پوری کی پوری آپ ہی کی ہو، —— لیکن وہ اگر آپ کی ہو تو بھی آپ کا اس پر حق کیا ہے؟"

"وہی جو ایک باپ کا اپنی اولاد پر ہوتا ہے!"

عذرا نے کہا "آپ تو مجھ سے بہت زیادہ قانون جانتے ہیں، آپ اگر عدالت

اس سے پوچھا: "کیا کر رہی تھیں؟"

وہ بولی: "کچھ نہیں؟"

اور پھر دفعتاً اس نے پوچھا،

"ممی یہ کون تھے؟ ——— ان کی شکل پپا کی تصویر سے بہت ملتی ہوئی ہے، جو تمہارے پاس احتیاط سے رکھی ہے اور جسے تم مجھے بھی نہیں دیکھنے دیتیں ——— ——— تم کہتی تھیں وہ مر گئے، پھر یہ کون ہے؟"

اس وقت عذرا کے چہرہ پر غصہ کا نام و نشان بھی نہیں تھا اس نے بڑے ملائم لہجہ میں کہا: "ہاں پروین وہ مر گئے!"

"وہ تو مر گئے لیکن یہ کون تھے!"

"یہ ان کے ایک عزیز تھے!"

"بھائی؟"

"ہاں بھائی!"

"کتنی ملتی ہوئی صورت ہے!"

"ہاں! ——— لیکن دیکھو اب اگر کبھی یہ آئیں، یا تجھے مل جائیں، تو کبھی ان سے نہ ملنا!"

وہ بولی: "اچھا نہیں ملوں گی ——— بہت بُرے آدمی ہیں یہ؟"

عذرا نے کہا: "ہاں بہت برے!"

دھمکی دینے لگے؟"

عذرا کی ان باتوں کا محمود کے پاس کوئی جواب نہیں تھا وہ چپ چاپ اور بے حس و حرکت کھڑا تھا بالکل خاموش!

عذرا نے کہا "آپ کھڑے کیوں ہیں؟"

وہ بیٹھتا ہوا بولا "بیٹھا جاتا ہوں"

وہ بولی "میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ آپ تشریف رکھیں، یہ تھا کہ آپ تشریف لے جائیں اور آئندہ کبھی غریب خانہ پر قدم رنجہ فرمانے کی زحمت نہ گوارا فرمائیں!"

محمود بیٹھے سے پھر اٹھ کھڑا ہوا،

"ٹھیک کہتی ہو عذرا، تم جو کچھ بھی کہو سب سچ ہے!"

عذرا نے اکھڑے ہوئے لہجہ میں کہا،

"اب آپ پھر باتوں پر اتر آئے ــــــ لیکن میں بالکل بات کرنا نہیں چاہتی"

محمود نے رخصت ہوتے ہوئے کہا "اچھا ــــــ تو پھر میں جاتا ہوں!"

اور وہ چلا گیا،

اور جب وہ چلا گیا تو عذرا اپنے کمرہ میں آکر اور منھ ڈھانپ کر خوب سسکیاں لے لے کر روئی،

اور بہت دیر تک روتی رہی!

پھر وہ پروین کے کمرہ میں گئی، دیکھا وہ ملول وافسردہ بیٹھی ہوئی ہے،

(۱۱)

نئی کشمکش!

محمود عذرا کے ہاں سے واپس آگیا،

ہارے ہوئے جواری کی طرح!

جس کی ساری پونجی برباد ہوگئی ہو، جس کے پاس کچھ نہ رہ گیا ہو، جو زندگی پر موت کو ترجیح دینے لگا ہو!

محمود واپس آگیا

لیکن ایک نئی چبھن لے کر،!

ایک نئے اندیشے کے ساتھ

وہی شاندار ڈرائنگ روم تھا، وہی بیش قیمت فرنیچر تھا، وہی اعلیٰ درجہ کا ساز وسامان تھا، وہی ماہ پارہ بیگم کا ایوان زریں اور وہی محمود تھا،!

لیکن کچھ بدلا ہوا،!

جن چیزوں پر وہ فخر کیا کرتا تھا، آج وہی اسے ہیچ نظر آرہی تھیں، آج وہ

"کیا برائی ہے ان میں؟"

"تو تو بات پوچھے گی، بات کی جڑ پوچھے گی، کہہ دیا برے آدمی ہیں!"

بڑے بھولے پن سے پردین نے کہا،

"وہ تو میں نے مان لیا ممی، لیکن یہ بھی تو بتا دو کیا برائی ہے ان میں؟"

عذرا نے ذرا رک رک کر کہا "تجھے نہیں معلوم، یہ آدمی بہت بڑا ڈاکو اور لیڈرا تھا!"

بیچاری پردین ڈر گئی،

"ڈاکو ——— لیڈرا؟"

"ہاں!"

پردین نے کہا "مجھے ڈاکوؤں سے بڑا ڈر لگتا ہے!"

عذرا نے کہا "اسی لئے تو کہتی ہوں اب ان سے نہ ملنا کبھی!"

وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی،

"نہیں ممی، میں کبھی نہیں ملنے کی ——— مجھے ڈاکوؤں سے بڑا ڈر لگتا ہے، میں نے ان کی کہانیاں پڑھی ہیں!"

سلیم نے ترنگ میں آکر کہا "ٹھیک کہتے ہو، مجھے لوفر ہونے سے انکار نہیں لیکن میرا خیال ہے آدمی جب تک لوفر نہ بنے، زندگی شرافت کے ساتھ نہیں، گزار سکتا!"

"خدا کے لئے یہ باتیں چھوڑ دو، کام کی باتیں کرو، میں مرا جارہا ہوں!
سلیم سنجیدہ ہوگیا،

"مرے جارہے ہو؟ ——— کیوں؟ ——— کوئی نئی بات؟ — کوئی خاص واقعہ؟"

"ہاں، لیکن سنو بھی تو!"

"سن رہا ہوں کہو!"

محمود نے ساری رام کہانی کہہ سنائی، سلیم غور سے سنتا رہا بیچ میں اس نے کوئی مداخلت نہیں کی، محمود نے سب کہکر۔ پوچھا "بولو اب کیا کہتے ہو؟"

سلیم ہنسنے لگا،

محمود پھر بگڑ گیا،

"یہ لیجئے، آپ کو ہنسی آگئی!"

کہنے لگا "خدا کی قسم بڑی خوشی ہوئی!"

"کس بات کی؟"

"تمہاری مرمت خوب کی عذرا نے، جی خوش ہوگیا واللہ، اور سچی بات یہ

خود اپنی نظر میں حقیر اور کمتر نظر آ رہا تھا، اس کی یہ وقعت ہے کہ وہ نکال دیا جائے عذرا کے گھر سے؟ اس کی یہ قیمت ہے کہ اسے ذلیل کیا جائے؟ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے؟ آج تک ایسا واقعہ کبھی نہیں ہوا تھا، آج پہلی مرتبہ ہوا، اور اس نے اس کے دماغ کو ہلا ڈالا، اس کے سکون قلب اور نشاط و مسرت کی دنیا، تہ وبالا کر دی،

اور پھر وہ سوچنے لگا،

ہاں یہ عذرا نے کہا تھا؟

پروین کسی اور کی لڑکی بھی ہو سکتی ہے؟

کیا دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ نہیں ہوا کہ ——— یا اللہ میں کیا سوچ رہا ہوں؟ مجھے موت کیوں نہیں آجاتی؟

وہ اسی کشمکش میں ایک آرام کرسی پر دراز تھا کہ سلیم آگیا، اسے دیکھتے ہی وہ سنبھل کر بیٹھ گیا، اس نے کہا "خوب آئے سلیم ——— آؤ بیٹھو، تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں!"

سلیم نے کہا "باتیں کرنے کے لئے تو میں بسر و چشم تیار ہوں لیکن ضروری باتیں نہیں کرنا چاہتا، یہ بڑا خطرناک قسم کا لفظ ہے!"

محمود بگڑ گیا،

"تم بڑے لوفر ہو!"

تم ہی اس کشمکش سے مجھے نجات دے سکتے ہو ———! ———"

"کشمکش؟ کیا بات کیا ہے؟"

—— "ابھی تو کہہ چکا ہوں سب کچھ —— عذرا کہہ رہی تھی، پروین میری، بچی نہیں ہے، ہو سکتا ہے کسی اور کی ہو —— کیا واقعی ایسا ہے؟"

"اگر واقعی ایسا ہوا تو؟"

"مار ڈالوں گا اسے، خون پی لوں گا اس کا!"

"کیوں؟"

"اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مجھے بیوقوف بناتی رہی، مجھ سے عشق کا دم بھرتی رہی اور دوسروں کا پہلو گرم کرتی رہی!"

"اور تم کیا کرتے رہے؟ —— کیا تم نے بھی یہ سب کچھ نہیں کیا؟ پھر شکوہ کیوں؟ شکایت کیسی؟"

"سلیم ایسی باتیں نہ کرو، ورنہ میں تم کو بھی مار ڈالوں گا!"

اور واقعی محمود کی آنکھوں سے خون برسنے لگا!

سلیم نے کہا "کچھ واہی ہوئے ہو؟"

"کیا مطلب؟"

"عذرا کے بارے میں اگر کوئی شخص یہ خیال کرتا ہے تو وہ یا تو اوّل درجہ کا گدھا ہے، یا پھر پاگل!"

ہے کہ تم مستحق بھی اسی کے تھے، ذرا عذرا کے پاس جانے دو مجھے!"

"کیا کروگے جاکر؟"

"شاباشی دوں گا —— ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند!

مرحبا، جزاک اللہ، زندہ باد عذرا بیگم!"

محمود چیخ پڑا،

"ارے بیوقوف چپ!"

سلیم خاموش ہو گیا،

محمود نے کہا "ایک خلش ہے جس نے مجھے کل سے اب تک بیقرار کر رکھا ہے انگاروں پر لوٹ رہا ہوں!"

"ابے کیا بکتا ہے دیوانے، خلش اور تو؟ —— یہ کیا کہہ گیا ہے؟،

سوزِ غم پروانہ مگس را نہ دہند! —— ہونھ، چلے ہیں خلش کا ذکر کرنے، خاموش، خبردار جو آگے کہا ہو گا کچھ!"

محمود حیرت سے سلیم کا منھ تکنے لگا، اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا:

"تم پاگل ہو گئے ہو شاید!"

بڑی سنجیدگی سے سلیم نے کہا "ہم دونوں میں سے ایک ضرور ہو گیا ہے!"

محمود نے کہا "خدا کے لئے آدمی بنو، ورنہ واقعی میں دیوانہ بن جاؤں گا

سلیم صرف تم ہی ایک میرے دوست ہو، تم ہی میرے زخم پر مرہم رکھ سکتے ہو،

"تمہیں اس کے گھر جانے کا کیا حق تھا؟ پر دین سے اظہار الفت کا کیا حق تھا؟ اس سے باتیں کرنے کا کیا حق تھا؟ باپ بننے کی تمنا ظاہر کرنے کا کیا حق تھا تم اتنے سارے حق پامال کر سکتے ہو اور وہ ایک حق بھی نہیں چھین سکتی؟"

"تو میں یقین کر لوں عذرا وفادار ہے؟"

سلیم نے ڈپٹ کر کہا "وفادار بالکل نہیں، کسی درجہ میں بھی وہ تمہاری وہ وفادار نہیں، واقعی وہ تم سے نفرت کرتی ہے، لیکن ہاں وہ باعصمت ضرور ہے!"

محمود نے بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا "میرا مطلب یہی تھا!"

سلیم نے پوچھا "لیکن تم اسے وفادار دیکھنا کیوں چاہتے تھے؟ یہ حق تمہیں کس نے دیا؟"

محمود مسکرا دیا،

"چھوڑو ان باتوں کو، میرے سوال کا جواب دو، ——!"

"سوال کا جواب؟ ابھی کچھ اور باقی ہے؟"

"ہاں —— یہ بتاؤ تو پھر میں باور کر لوں، پروین میری بچی ہے؟"

"باور کر لو تو عقلمندی کا ثبوت دو گے، اور اگر نہ باور کرو تو تم پروین یا عذرا کا بگاڑ کیا سکتے ہو؟ —— کمبخت نہ تم باپ بن سکے، نہ شوہر، واقعی کتنے بدقسمت ہو، ترس آتا ہے مجھے تم پر! ——! ——"

"وہ خود کہہ رہی تھی، کسی اور نے تو اس کے بارے میں نہیں کہا!"

"میں بھی ہزاروں باتیں جھوٹی کہتا ہوں، تم بھی جھوٹ بولتے ہو، عذرا نے اگر ایک من گھڑت کہانی سنا دی تو سیخ پا کیوں ہو گئے؟"

"من گھڑنت؟"

"اور کیا؟ بالکل من گھڑنت؟ ــــــ وہ اتنی پاک دامن ہے کہ اس کے دامن پر حوریں نماز پڑھ سکتی ہیں، ۹ برس کی اس طویل مدت میں، جب اس کا دل جلا ہوا تھا، جب وہ تم سے نفرت کرنے لگی تھی، جب تمہاری وجہ سے وہ پردین کی جان کی گاہک ہو گئی تھی، اس نے کسی غیر کو اپنے دل میں بسنے نہیں دیا کسی غیر مرد سے ملی نہیں، کسی غیر مرد سے ربط نہیں رکھا وہ اس زمانہ میں تم، سے دغا بازی کر سکتی تھی، جب وہ صرف تمہاری تھی؟ دل وجان سے تمہاری! جب وہ سوتے میں تمہارے خواب دیکھتی تھی اور جاگتے میں تمہارے تصور سے جی بہلاتی تھی، جب وہ تم سے اندھی محبت کرتی تھی اور تمہارے سوا کسی اور کی طرف نظر بھر کر بھی نہیں دیکھتی تھی ــــــ کوئی تم جیسا عقل کا دشمن ہی اس بات کا اعتبار کر سکتا ہے!"

"لیکن وہ کہہ جو رہی تھی!"

"کہہ رہی ہوگی تمہارا امتحان لینے کو۔"

"اسے میرا امتحان لینے کا کیا حق ہے؟"

محمود نے سوگوار آواز میں کہا "سلیم کچھ اور باتیں کرو، یہ ذکر چھوڑ دو!"

"تکلیف ہوتی ہے اس ذکر سے؟"

"ہاں بہت زیادہ ۔۔۔۔ پچھلی باتیں یاد آتی ہیں، گزرا ہوا زمانہ یاد آتا ہے، وہ دن، وہ راتیں، وہ باتیں، وہ گھاتیں۔

نہ جانے کیا کیا!

نہ جانے کیا کچھ!

اب انہیں بھول جانا ہی اچھا ہے!"

"یہ کیوں؟"

"وہ دن اب واپس نہیں آسکتے، وہ راتیں اب واپس نہیں آسکتیں، وہ نہیں مل سکتیں، وہ باتیں اب تازہ نہیں ہوسکتیں، وہ گھاتیں اب دوہرائی نہیں جاسکتیں، کچھ بھی تو نہیں ہوسکتا سلیم!"

"ہاں سچ کہتے ہو، مجھے تم سے بڑی ہمدردی ہے کاش ہوسکتا کچھ!"

"کاش!"

"لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی محمود؟"

"وہ کیا؟"

"تم تو اس دنیا کو بہت بڑی منڈی سمجھتے تھے، اس دنیا کے رہنے والوں، کو گاہک اور تاجر خیال کرتے تھے، خود اپنے تئیں بھی بڑے فخر کے ساتھ کاروباری

محمود کی آنکھوں میں آنسو آگئے !"

سلیم کی آنکھیں بھی محمود کی روتی ہوئی آنکھوں کو دیکھکر آب گوں ہو گئیں، اس نے اسے گلے سے لگا لیا اور بے ساختہ اس کے منھ سے نکل گیا،

"محمود !"

اور محمود کوئی جواب نہ دے سکا،

سوا اس کے کہ اس کی آنکھیں اور زیادہ بہ نکلیں گنگا جمنا کی طرح !!

سلیم نے کہا "آج تمہیں کیا ہو گیا ہے محمود ؟"

وہ بولا "کچھ سمجھ میں نہیں آتا سلیم —— پروین کو جب سے دیکھا ہے میرے دل کی دنیا بدل گئی ہے، خدا نے مجھے کتنی بڑی نعمت دی تھی مگر میں اسے ٹھکراتا رہا !"

سلیم نے کہا "پھر تم چوکے !"

"کیوں کیا ہوا ؟"

"سب سے بڑی نعمت، پروین نہیں عذرا تھی، جسے تم نے ٹھکرا دیا پروین تو محض اس کا ایک ضمیمہ ہے، یاد رکھو، عذرا جیسی عورتیں روز روز نہیں پیدا ہوتیں، مگر تمہیں وہ مفت میں مل گئی اور تم نے اس کی قدر نہ کی اب روتے ہو، مگر وہ گوہر یک دانہ اب ہاتھ نہیں آسکتا، وہ عذرا ہے کوئی اور نہیں !"

اور پھر بڑی بیتابی کے ساتھ اس نے کہا، سلیم ——— خدا کے لئے میری، مدد کرو کوئی ایسی صورت نکالو کہ پروین مجھے مل جائے!"

سلیم نے جواب دیا،

"ایک ہی صورت تھی، اور افسوس کہ وہ چٹ پڑی، اب کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آتی!"

"تم بھی کہا کرتے تھے، میرا بھی یہی خیال تھا، اور ساری دنیا بھی اسی عقیدہ پر قائم ہے کہ عورت زندگی میں صرف ایک ہی مرتبہ محبت کرتی ہے!"

"ہاں ٹھیک ہے!"

"پھر کیا عذرا نے مجھ سے محبت نہیں کی تھی؟"

"کی تھی!"

"وہ محبت اب کہاں ہے؟ اسے کہاں ڈھونڈوں؟ کہاں پاؤں؟"

"لیکن تم ایک بات بھول گئے محمود!"

"وہ کیا؟"

"جتنا ضبط عورت میں ہے کسی میں نہیں، جتنی ضد عورت میں ہے کسی میں نہیں، وہ اگر سفیدی کو سیاہی کہدے، تو دودھ میں غوطہ لگانے کے بعد بھی اسے کالا ہی کہتی رہے گی، وہ اگر اپنی محبّت کو نفرت سے بدل دے تو پھر کوئی اس کے ارادہ میں تزلزل نہیں پیدا کر سکتا، وہ اگر اڑ جائے تو اسے توڑا جا سکتا ہے لیکن جھکایا نہیں جا سکتا!"

آدمی کہا کرتے تھے ـــــــ لیکن یہ تمہیں کیا ہو گیا؟ تم بدل کیوں گئے؟ پلٹ کیوں گئے؟ تم تو اب بڑے جذباتی آدمی نظر آ رہے ہو، بات بات پر رو دیتے ہو ذرا سی، بات پر آنسو نکل آتے ہیں، عذرا میں پھر سے دلچسپی لینے لگے ہو، پروین سے تمہاری چاہت ماں کے درجہ تک پہنچ گئی؟ ـــــــ مجھے تو ان باتوں میں کوئی کاروباری نکتہ نہیں نظر آتا کیا میرا خیال سچ ہے؟"

"ہاں سچ ہے، واقعی میں بدل گیا ہوں اور میری یہ تبدیلی کاروباری نہیں، جذباتی ہے اور اس کا سارا کریڈٹ صرف پروین کو ہے، اس ننھی سی گڑیا کو جو میرے دل کی مالک بن چکی ہے!"

سلیم نے بہت عارفانہ انداز میں کہا "سمجھ گیا!"

"محمود نے پوچھا "کیا سمجھے؟"

"مایوسی نے تمہیں اس درجہ تک پہنچایا ہے!"

"مایوسی؟ کیسی مایوسی؟"

"ماہ پارہ سے تمہیں پھل نہ ملا، تم اس سے بددل ہو گئے عذرا نے تمہاری گود بھر دی، تم پھر اس پر فریفتہ ہو گئے!"

"ممکن ہے تمہارا خیال صحیح ہو ـــــــ بہرحال وجہ کوئی بھی ہو، بات وہی ہے کہ میں اب بدل گیا ہوں، مجھے اب پروین کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، ہر وہ چیز بری ہے جس میں پروین کی جھلک نہ دکھائی دے!"

میری بن سکتی ہے پر وین مجھے مل سکتی ہے تو یقین کرو سلیم میں سب کچھ کر سکتا ہوں، آسمان کے تارے تک توڑ کر لا سکتا ہوں!"

"تو کرتے کیوں نہیں؟"

"ضرور کروں گا، کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھوں گا!"

"بس تو بیڑہ پار ہے!"

پھر سلیم نے پوچھا: "کہو ماہ پارہ بیگم کی کیا حالت ہے؟"

"وہی!"

"مجھے ماہ پارہ پر بھی ترس آتا ہے!"

"مجھے بھی!"

"جہاں میں یہ چاہتا ہوں کہ پروین تمہیں مل جائے عذرا سے تمہاری صفائی ہو جائے، وہاں میری یہ خواہش بھی ہے کہ ماہ پارہ اچھی ہو جائے۔ اس کا غم دور ہو جائے!"

محمود نے کچھ سوچتے ہوئے کہا: "تمہاری خواہش بُری نہیں، مجھے اس پر آمین کہنے میں بھی تامل نہیں، لیکن اس کے باوجود میرا دل کہتا ہے یہ ناممکن ہے!"

"کیوں ایسی باتیں کرتے ہو؟"

"سچ کہتا ہوں ــــــ وہ اب مایوسی کی اس منزل پر ہے جہاں کوئی بشارت بھی اسے مسرور نہیں کر سکتی، اس نے بہت کچھ چاہا تھا، بہت کچھ مل بھی

«بس کرو سلیم بس کرو ایسی باتیں نہ کرو ان سے مجھے وحشت ہوتی ہے!»

«پھر کون سی باتیں کروں آخر؟»

«وہ باتیں جن سے میرے دل کو سکون پہنچے!»

«وہ باتیں میرے پاس نہیں ہیں!»

«پھر انہیں کہاں ڈھونڈھوں؟»

«عذرا کے پاس کہ گنجِ گراں مایہ اسی سے مل سکتا ہے»

«لیکن وہ تو منھ بھی نہیں لگاتی، بات بھی نہیں کرتی!»

«بار بار جاؤ!»

«ہر مرتبہ ذلیل کیا جاؤں گا!»

«سہ لو ذلّت!»

«پھر بھی وہ رام نہیں ہوگی!»

«مجھے اس میں شبہ ہے!»

محمود پھول کی طرح کھل گیا،

«تمہارا خیال ہے وہ خوش ہوجائے گی؟ —— سچ کہو سلیم ایسا ہوسکتا ہے؟»

«کیوں نہیں ہوسکتا؟ دنیا میں کیا نہیں ہوسکتا؟ صرف عزمِ صمیم، اور طلب صادق کی ضرورت ہے، ذرا کوشش کرکے تو دیکھو!»

بڑے جذبہ کے ساتھ محمود نے کہا؛ اگر مجھے یہ یقین ہوجائے عذرا پھر

"تم ہی کچھ کرو !"

سلیم نے سر کھجاتے ہوئے کہا "یار کوئی اور عورت ہوتی تو میں یوں چٹکی بجاتے میں راضی کرلیتا اسے لیکن یہ عذرا ہے اس کے سامنے دال گلنا آسان نہیں !"

محمود نے کہا "میں زندگی بھر عورتوں کو کھلونا بنا کر کھیلا کیا ہوں، خود عذرا بھی کبھی میرا ایک کھلونا ہی تھی، لیکن اب وہ کچھ اور چیز بن گئی ہے، اب وہ مجھ سے ——— مجھ سے نہیں میری زندگی سے کھیل رہی ہے، اور میں گیند کی طرح، کبھی ادھر گرتا ہوں، کبھی اُدھر، کچھ نہیں کر سکتا"

"لیکن تم پر تو وہ بہت مہربان ہے !"

"ہاں ہے !"

"تمہاری بات بھی مانتی ہے !"

"ہاں مانتی ہے !"

"پھر تم کیوں بے بس ہو؟ تم کیوں نہیں میری وکالت کرتے؟"

"میں اس سے جو کہوں مان لے گی، واقعی میرا بہت لحاظ کرتی ہے لیکن جس بات میں مجھے وہ بُری طرح ٹھکرا دے گی وہ یہی ہے، میں اس کے تیور پہچانتا ہوں ——— اگر میں نے یہ مسئلہ چھیڑا، تو اپنی ساری شخصیت گنوا بیٹھوں گا یہ بھرم جو ہے نا، کھل جائے گا، اسے قائم رہنے دو شاید کبھی کسی وقت، کسی درجہ میں یہ کام

گیا لیکن وہ چیز نہ ملی، جو ہر چیز پر بھاری تھی یعنی اولاد، یہ غم اس کی جان لے کر رہے گا، آج نہیں تو کل!"

"کتنی صاف بیانی سے کام لے رہے ہو؟"

"غلط بات کہنے سے کیا فائدہ؟ میں اس کی حالت دیکھ رہا ہوں، کیفیت محسوس کر رہا ہوں! ـــــــ وہ تو میں ہی ایک ایسا سخت جان ہوں جواب تک سب کچھ جھیل رہا ہوں"

لیکن کب تک؟

کہاں تک؟

یہ نہیں کہہ سکتا!

میری زندگی اب مشیّت کے ہاتھ میں نہیں ہے، میری موت، اب ملک الموت کے تصرّف میں نہیں ہے، میری زندگی اور موت سب کچھ عذرا کے ہاتھ میں ہے، اگر وہ پرِدین کو مجھ سے جدا رکھے گی تو قدرت بھی مجھے زندہ نہیں رکھ سکتی اور اگر عذرا کو مجھ پر رحم آگیا اور میری پرِدین مجھے مل گئی تو دیکھ لینا ایک دفعہ تو موت سے پنجہ لڑا لوں گا، مشیّت کا مقابلہ بھی کر لوں گا ـــــــ یا میرا گریباں چاک یا دامنِ یزداں چاک!"

سلیم نے کہا "بس کرو محمود، زیادہ لمبی چوڑی باتیں نہ کرو، اب سوچنا یہ ہے کہ عذرا کو کیونکر رام کیا جائے؟ کیسے اسے راہِ راست پر لایا جائے؟"

راستے میں پھر دونوں دوستوں میں باتیں ہونے لگیں، کار آہستہ آہستہ چل رہی تھی، اب تک محمود نے فیصلہ نہیں کیا تھا کہاں روکے؟ کہاں بیٹھے کہ یک بیک سلیم کی نظر ایک سینما ہاؤس پر پڑی، اس نے کہا،

"یار باغ اور پارک کا قصہ چھوڑو، وہاں تو اس وقت تک لطف نہیں آتا جب تک کوئی حوا کی بیٹی ساتھ نہ ہو، چلو سینما چلتے ہیں!"

"نہیں بھئی، میرا جی نہیں چاہتا!"

"میرا تو چاہتا ہے، روکتے ہو کار، یا پھر کود دوں؟"

محمود نے مسکراتے ہوئے کار روک لی، دونوں دوست اترے، باکس کے ٹکٹ لئے، اور پکچر دیکھنے لگے، یہ دونوں جب ہال میں پہنچے ہیں، کھیل شروع ہو چکا تھا، گیٹ کیپر نے ٹارچ کی مدد سے انہیں باکس تک پہنچایا اور رخصت ہو گیا اطمینان سے بیٹھنے کے بعد محمود نے پھر گفتگو کا سلسلہ شروع کر دیا، لیکن سلیم نے ٹوکا،

"خدا کے لئے چپ بیٹھو، میرے سر میں درد ہونے لگا تمہاری تقریر سنتے سنتے، ذرا پکچر تو دیکھ لینے دو!"

محمود خاموش ہو گیا!

سلیم پکچر دیکھنے لگا، پوری محویت کے ساتھ!

اور محمود؟

ہی آجائے !"

بڑی بے بسی اور مایوسی کے عالم میں محمود نے جواب دیا،

"اچھا یہی سہی ——— تم بھی کچھ نہ کرو"

"مجھے الزام نہ دو محمود، میری مجبوری اور بے بسی کو سمجھنے کی کوشش کرو!"

"سمجھتا ہوں، اسی لئے زور نہیں دیتا ——— خیر کوئی مضائقہ نہیں، اپنا کام آپ ہی سے خوب ہوتا ہے، جب تک سانس، تب تک آس، مایوسی کے باوجود یاس کو اپنے قریب نہیں آنے دوں گا، بار بار کوشش کروں گا بار بار اس کے گھر جاؤں گا، سر کے بل جاؤں گا، خواہ دھکّے دے کے باہر نکال ہی کیوں نہ دیا جایا کروں!"

"نہیں ایسا نہیں ہوگا، وہ بھی آخر آدمی ہے! آدمی کتنا ہی سنگ دل ہو، لیکن کبھی کبھی اسے موم بننا ہی پڑتا ہے!"

محمود نے کہا "طبیعت گھبرا رہی ہے، چلو کہیں گھوم آئیں!"

"چلو کہاں چلوگے؟"

"کہیں بھی ——— کسی پارک میں، کسی باغ میں، کسی کلب میں، جہاں جی چاہے ——— مسجد ہو، مدرسہ ہو، کوئی خانقاہ ہو، چلو اٹھو!"

سلیم اٹھ کھڑا ہوا!

پورٹیکو میں کار کھڑی تھی، محمود اور سلیم بیٹھ گئے، محمود ڈرائیو کرنے لگا،

محمود کی آنکھیں چار ہوئیں "

یہ عذرا تھی!"

عذرا اور پروین کو دیکھ کر محمود پر کیا گزری اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا، محمود کو دیکھ کر عذرا پر کیا گزری اسے بیان کیا جا سکتا ہے!"

عذرا اٹھ کھڑی ہوئی، اور اس کے ساتھ پروین بھی اور دونوں ماں بیٹی ہال سے نکل چلی گئیں، عذرا کے چہرے پر تکدّر، نفرت، حقارت، اور غصہ کے جو نقوش تھے انہیں محمود نے پڑھ لیا، اس نے جان لیا، یہ اسی لئے جا رہی ہے کہ میں یہاں تھا، اب یہ یہاں واپس نہیں آئے گی اس لئے کہ میں یہاں ہوں"

عذرا اتنی بے کیف ہو کر گئی کہ اگر جاتے جاتے وقت اس کی اور سلیم کی آنکھیں چار ہوئیں، لیکن نہ سلیم کا حوصلہ پڑا کہ وہ عذرا سے مخاطب ہوتا، نہ عذرا اپنی برہمی کے باعث سلیم کی طرف ملتفت نگاہوں سے دیکھ سکی!"

جب وہ چلی گئی تو محمود نے سلیم سے کہا،

دیکھا تم نے؟"

وہ بولا" ہاں دیکھ لیا —— اور جو کچھ ہوا توقع کے عین مطابق ہوا!"

محمود کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا، پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا سلیم نے پوچھا،

"یہ کیا؟"

وہ بولا "بس اب چلیں گے!"

سلیم نے اس کی زبان بند کر دی تھی، لیکن خیالات قید قفس سے آزاد تھے، سلیم پکچر دیکھ رہا تھا، اور وہ عالم خیال کی سیر کر رہا تھا، وہی دنیا جو خدا اور پروین سے آباد تھی!!

پکچر بڑی دلچسپ تھی!

سلیم کا تو یہ عالم تھا کہ وہ محمود کو یکسر فراموش کر چکا تھا، واقعات کی دلچسپیوں میں گم تھا، اور محمود کے کانوں میں صرف مشین کے چلنے کی آواز آرہی تھی، پردہ سیمیں پر کیا ہو رہا تھا یہ اسے بالکل نہیں معلوم تھا!!

اسی مصروفیت میں آدھی پکچر ختم ہو گئی!!

انٹرول ہوا!!

تاریک ہال، روشنی کے نور سے پھر جگمگا اٹھا!!

باکس کے سامنے بالکنی تھی اور بالکنی کی پچھلی کرسی پر ایک عورت بیٹھی تھی اور اس کے ساتھ ایک نوعمر لڑکی!!

دونوں کی پیٹھ باکس کی طرف تھی!!

انٹرول ختم ہونے میں ابھی کچھ دیر تھی کہ لڑکی نے پیچھے مڑ کر دیکھا، محمود کی اور اس کی آنکھیں چار ہو گئیں!!

یہ پروین تھی!!

پھر پروین نے اپنی ماں سے کچھ کہا، اس نے بھی پیچھے مڑ کر دیکھا اس کی نور

سلیم نے کہا، "ابھی نہیں ——— آنٹی ابھی تو پکچر ہے؟"

محمود نے جانے کے لئے مڑتے ہوئے کہا، "تو تم دیکھو ——— میں تو اب نہیں بیٹھ سکوں گا!"

یہ کہکر وہ باکس سے باہر نکل آیا، اور سلیم کو بھی اس کے پیچھے پیچھے آنا پڑا جب وہ دونوں کار میں بیٹھ گئے تو سلیم نے کہا، اچھے آدمی سے پالا پڑا ہے میں کہتا ہوں اگر پوری پکچر دیکھ کر اٹھتے تو کون سی قیامت آجاتی ———"

محمود نے کار کو اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا، "نہیں دیکھی تو کون سی قیامت آگئی؟" اور کار تیزی سے بلے فاصلہ کو مختصر کرتی ہوئی ماہ پارہ بیگم کے شاندار اور یادگار ایوانِ زریں کی طرف بھاگنے لگی!

اس دفعہ محمود اور سلیم دونوں خاموش تھے اور کچھ سوچ رہے تھے!

لیکن کیا ———؟؟

(۱۲)

ھائے موت!

محمود آج کل سخت ذہنی اذیت اور کوفت میں مبتلا تھا!

وہی پروین کی یاد،

عذرا کا غم!!

ماہ پارہ کی فکر!——!

ماہ پارہ دق کی سرحد تک پہنچ چکی تھی اور موت سے روز بروز قریب آتی جارہی تھی، عذرا پھر اس کے دل و دماغ پر مسلط تھی، وہ ۹ سال تک اسے بھولا کیا اور اب یاد آئی تو اس طرح کہ کسی پہلو بھلائے نہیں بھولتی تھی، وہی حسرت کا شعر

نہیں آتی تو ان کی یاد برسوں تک نہیں آتی۔
مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں۔

وہ لاکھ لاکھ عذرا کو بھلاتا تھا لیکن اس کی یاد میں اس طرح وہ جکڑا ہوا تھا جیسے کڑی کے جالے میں مکھی! —— اور پروین کی یاد نے تو اس کے سکون

جانا چاہتی تھی، مجھے دیکھنا چاہتی تھی، موقعہ ملتا تو مجھ سے باتیں بھی کرنا چاہتی تھی لیکن آہ ـــــ عذرا ـــــ! ظالم عذرا، وہ اپنی بات سب پر بالا رکھنے کی خوگر ہے، وہ ہار ماننا نہیں چاہتی، اسے جھکنا اور لچکنا نہیں آتا!

اور پھر وہ سوچنے لگا!

لیکن میں بھی تو کوئی اور نہیں، محمود ہوں، محمود! میں بھی دوسروں کے سر، اپنے سامنے جھکانے کا خوگر رہا ہوں، خود میں نے کبھی کسی کے سامنے سر نہیں جھکایا، یہی عذرا تھی جو اپنے عالم آشوب حسن اور قیامت خیز اداؤں کے باوجود مجھ پر دل و جان سے شیدا تھی، میری ہر بات کو آیت اور حدیث کا درجہ دیتی تھی، کتنا خیال رکھتی تھی میرے آرام کا؟ کتنا خیال رکھتی تھی میرے جذبات کا، کتنا پہچان گئی تھی مجھ کو ایسا معلوم ہوتا تھا یہ صرف اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ میری خدمت کرے، میرے لئے زندہ رہے اور جب تک زندہ رہے میرا ہی دم بھرتی رہے ـــــ! لیکن اب کیا حال ہے؟ آج کیا رنگ ہے؟ کیا وہی عذرا میری بدترین دشمن نہیں؟ میری لخت جگر پروین کی بھی بدترین دشمن نہیں؟

اور پھر اسے خیال آیا!

ان باتوں کو سوچنا بیکار ہے، جس طرح بھی ہو عذرا کی نفرت کو جیتنا ہے، جس قیمت پر بھی ہو اس کی خوشنودی پھر حاصل کرنا ہے، بغیر اس کے پروین نہیں مل سکتی اور بغیر پروین کے میں زندہ نہیں رہ سکتا!

کی۔ لیا درہم برہم کر دی تھی، وہ اس پر تیار تھا کہ جو کچھ اس کے پاس ہے چھین لیا جائے، ساری دولت!

ماہ پارہ کی ساری جائداد!

خود ماہ پارہ تک!

لیکن کسی طرح اور کسی قیمت پر بھی پروین اسے مل جائے لیکن وہ جتنا جتنا پروین سے قریب ہوتا جاتا تھا، پروین اس سے دور ہوتی جاتی تھی،

آج پھر وہ اپنے کمرہ میں خاموش اور تنہا بیٹھا تھا، اور پچھلی باتیں سوچ رہا تھا!

وہ سوچ رہا تھا، یہ عذرا کتنی ظالم اور سنگ دل ہے کس بے دردی اور شقادت سے کام لے کر اس نے اپنے گھر سے مجھے نکالا، پروین کو مجھ سے دور رکھنے پر مصر ہے، ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی روادار نہیں کہ میں اپنی بچّی کو کلیجہ سے لگالوں، اسے پیار کرسکوں، اس سے دو باتیں کرلوں!

اور پھر اسے یاد آیا!

اس روز جب میں سلیم کے ساتھ پکچر دیکھنے گیا ہوں، عذرا اور پروین کو دیکھ کر کتنا خوش ہوا تھا میں؟ دل باغ باغ ہو گیا تھا، میرا لیکن جب عذرا نے مجھے دیکھا تو اس کی آنکھوں سے حقارت اور نفرت کی بارش ہونے لگی، کس تیزی سے وہ پروین کا ہاتھ پکڑ کر گویا اسے گھسیٹتی ہوئی لے گئی۔ حالانکہ میں محسوس کر رہا تھا کہ پروین نہیں،

"کیوں؟"

"منع کر دیا ہے مجھے کہ آپ اگر کبھی آئیں ——————"

"تو تم دھکّے دے کر مجھے نکال دو؟ کیوں؟ یہی نا؟"

ملازم خاموش ہو گیا، نہ انکار کر سکتا تھا نہ اقرار!

محمود اور ملازم دونوں آمنے سامنے خاموش کھڑے رہے اتنے میں، نہ جانے کس کام سے عذرا آ گئی، محمود کو دیکھتے ہی اس نے تیوریاں چڑھائیں،

"آپ؟"

ملازم سامنے سے ہٹ گیا، کسی دوسری طرف چلا گیا،

محمود نے کہا "ہاں میں پھر آ گیا —— کتنا بے غیرت ہوں میں بھی؟"

"تو اس میں شبہ بھی ہے آپ کو کچھ؟"

"بالکل نہیں، پھر بھی آیا ہوں —— خود ہی سوچ لو، اتنا بے غیرت تو میں کبھی نہ تھا، پھر ہو گیا؟"

"میں کیا جانوں؟"

"ہاں تم نہیں جانتیں، میں جانتا ہوں اور وہی بتانا چاہتا ہوں!"

"لیکن ایسی باتوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں!"

"پھر بھی سن لینے میں حرج کیا ہے؟"

اور پھر جواب کا انتظار کئے بغیر وہ بولا،

اور پھر دفعتہً وہ کھڑ بڑا کے اٹھ بیٹھا جیسے کوئی بات یاد آگئی ہو!

وہ باہر آیا، کار میں بیٹھا اور سیدھا عذرا کے گھر پر!

ملازم سے پوچھا "بیگم صاحبہ ہیں؟"

وہ بولا "جی ہاں ہیں!"

"تو جاؤ اطلاع کر دو میں آیا ہوں"

"لیکن صاحب ——"

"ہاں کہو کہ گئے؟"

"بیگم صاحب کسی سے ملتی ہی نہیں!"

محمود نے کہا "لیکن مجھ سے ملیں گی، تم نہیں جانتے وہ میری کون ہیں؟ میں ان کا کون ہوں؟ نئے آدمی ہو نا؟"

وہ بولا "جی بالکل نیا ابھی ایک ہی ہفتہ تو ہوا ہے کام کرتے ——— تو صاحب کیا کہوں جاکر؟"

"جاؤ کہہ دو محمود میاں آئے ہیں!"

وہ جاتے جاتے رک گیا،

"محمود میاں؟ ——— آپ ہی محمود میاں ہیں؟"

"ہاں تو کیا ہوا؟"

"کہنے لگا، آپ سے تو نہیں ملیں گی!"

"تم تو بڑی نیک اور رحم دل تھیں ـــــــ کیا تمہاری نیکی اور رحم دلی میں میرا کوئی حصہ نہیں؟ ـــــــ!"

وہ بولی "بالکل نہیں اب آپ خوشامد کر کے نہ مجھے پرچا سکتے ہیں، نہ لبھا سکتے ہیں، وہ زمانہ گیا جب میں بیوقوف بن سکتی تھی اب نہیں بن سکتی!"

"عذرا میں تمہیں بیوقوف نہیں بنا تا، یہ خیال دل سے نکال دو، میں مجرم، ہوں، گنہکار ہوں، خطا کار ہوں، میں اپنی صفائی دینا نہیں چاہتا، دے بھی نہیں سکتا، پھر بھی بہت بڑی آس، بہت بڑی تمنا، اور ایک نہ پوری ہونے والی آرزو لے کر آیا ہوں!"

عذرا خاموش سن رہی تھی!

اور وہ ایک تاثر کے عالم میں کہے چلا جا رہا تھا!

"میں تم سے انصاف کا طالب نہیں ہوں، انصاف کرو گی تو میرے حصہ میں محرومی کے سوا کچھ نہ آئے گا، میں تم سے رحم کا طالب ہوں، رحم کرو گی تو دلی مراد پا جاؤں گا! ـــــــ بولو عذرا، میرا دل پھر تو نہ توڑو گی؟ میری امید کی جھولی خالی تو نہیں رہے گی؟"

عذرا نے کہا "آپ جو کچھ چاہتے ہیں میں سمجھ گئی!"

"کیا سمجھیں؟ میں کیا چاہتا ہوں؟ ذرا بتاؤ تو سہی!"

"پردین کو؟"

"ہاں پردین کو بھی، اور تم کو بھی!"

عذرا ہنس پڑی،

اور پھر غصہ سے اس کا چہرہ تمتما اٹھا!!!

اور وہ بولی: "مجھے آپ پر رحم آچلا تھا، لیکن آپ نے پھر نفرت اور حقارت سے بدل دیا —— جائیے آپ کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا!"

محمود نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا "میں نے پھر تمہیں خفا کر لیا؟ تمہارے رحم تک میرا ہاتھ نہ پہنچ سکا، نفرت اور حقارت پھر میرے حصہ میں آگئی —— لیکن رحم دل اور شریف عذرا کیوں؟ کیا کیا میں نے؟ کیا غلطی ہوئی مجھ سے؟"

عذرا تیکھے پن سے بولی،

"فریب اور دغا آپ کی فطرت ثانیہ بن چکی ہے، یہ لت اب جائے گی نہیں؟ چلی جائے گی —— خدارا بتا دو کیا غلطی ہوئی مجھ سے؟"

عذرا نے جواب دیتے ہوئے پوچھا "پردین کے ساتھ آپ نے میرا نام کیوں لیا؟ کیا یہ فریب کاری نہیں ہے؟ کیا آپ مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش کئے بغیر اپنا مدعا نہیں بیان کر سکتے تھے؟ آپ اگر صرف پردین کا نام لیتے تو میں آپ کی بات کا یقین کر لیتی!"

بڑی بے بسی کے ساتھ محمود نے کہا "تم سے ڈر لگتا ہے عذرا، ڈر کے مارے

کہہ دوں مجھ سے غلطی ہوئی ـــــ لیکن یہ الفاظ میری زبان سے نکلیں گے دل سے نہیں!"

"گویا آپ جو کچھ کہہ رہے تھے بالکل سچ تھا؟"

"ہاں عذرا!"

"واقعی بڑے دیدہ دلیر ہیں آپ، خدا بچائے آپ سے!"

"یہی سمجھ لو ـــــ لیکن کیا فیصلہ کیا تم نے میری قسمت کا؟"

"وہ بولی" جو فیصلہ کیا تھا وہ آپ کے حق میں تھا، لیکن آپ کی فریب کاری کے باعث اسے واپس لے لیا!"

"تو کیا میں مایوس ہو جاؤں؟"

"میں نہیں جانتی!"

"واپس چلا جاؤں؟"

"بہت ممنون ہوں گی، اگر آپ واپس چلے جائیں گے!"

محمود نے ایک آہ بھری اور کہا: "اچھا جیسی تمہاری مرضی!"

اور وہ آہستہ آہستہ کمرہ سے باہر نکل گیا، اور جب تک وہ نظر آتا رہا عذرا کھڑی اسے دیکھتی رہی، جب وہ واپس جا رہا، تو پروین بھی آ گئی اور جب چاپ ماں کے پاس کھڑی ہو گئی، وہ بھی ماں کے ساتھ کھڑی ہوئی اس کے جانے کا منظر دیکھتی رہی، اور جب وہ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا، تو اس نے بڑی سادگی اور بھولے

پن سے پوچھا،

"بجی یہ ڈاکو پھر آیا تھا؟ ——— اس نے تو گھر ہی دیکھ لیا ہے ہمارا!"

عذرا نے کوئی جواب نہیں دیا!

پروین نے پھر پوچھا "بجی یہ ڈاکو کیوں آیا تھا بتاؤ نا؟"

عذرا اب بھی خاموش رہی!

اور پروین نے پھر سوال کیا،

"بجی مجھے ڈاکوؤں سے بڑا ڈر لگتا ہے، تم آخر کیوں آنے دیتی ہو اسے؟"

اور عذرا نے بڑی مدھم آواز میں کہا "اب نہیں آئے گا!"

وہ بولی "اگر آیا؟"

عذرا نے کہا "کہہ رہی ہوں، اب نہیں آئے گا!"

وہ ضد کرتی ہوئی بولی "تو نہیں بجی وہ ضرور آئے گا!"

عذرا نے پوچھا "یہ تم نے کیسے جانا؟"

کہنے لگی "وہ مجھے گھورتا رہتا ہے، اس وقت بھی جب گیا ہے، مڑ مڑ کر پیچھے دیکھ رہا تھا!"

عذرا بولی "اب اگر اس نے ایسا کیا تو میں منع کر دوں گی!"

"بھلا ڈاکو کسی کا کہنا بھی مانتے ہیں؟"

"کبھی کبھی مان بھی لیتے ہیں!"

کہہ دوں مجھ سے غلطی ہوئی ـــــــ لیکن یہ الفاظ میری زبان سے نکلیں گے دل سے نہیں!"

"گویا آپ جو کچھ کہہ رہے تھے بالکل سچ تھا؟"

"ہاں عذرا!"

"واقعی بڑے دیدہ دلیر ہیں آپ، خدا بچائے آپ سے!"

"یہی سمجھ لو ـــــــ لیکن کیا فیصلہ کیا تم نے میری قسمت کا؟"

وہ بولی "جو فیصلہ کیا تھا وہ آپ کے حق میں تھا، لیکن آپ کی فریب کاری کے باعث اسے واپس لے لیا!"

"تو کیا میں مایوس ہو جاؤں؟"

"میں نہیں جانتی!"

"واپس چلا جاؤں؟"

"بہت ممنون ہوں گی، اگر آپ واپس چلے جائیں گے!"

محمود نے ایک آہ بھری اور کہا "اچھا جیسی تمہاری مرضی!"

اور وہ آہستہ آہستہ کمرے سے باہر نکل گیا، اور جب تک وہ نظر آتا رہا عذرا کھڑی اسے دیکھتی رہی، جب وہ واپس جا رہا، تو پروین بھی آ گئی اور چپ چاپ ماں کے پاس کھڑی ہو گئی، وہ بھی ماں کے ساتھ کھڑی ہوئی اس کے جانے کا منظر دیکھتی رہی، اور جب وہ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا، تو اس نے بڑی سادگی اور بھولے

ین سے پوچھا،

"ممی یہ ڈاکو پھر آیا تھا؟ ـــــــ اس نے تو گھر ہی دیکھ لیا ہے ہمارا!"

عذرا نے کوئی جواب نہیں دیا!

پروین نے پھر پوچھا "ممی یہ ڈاکو کیوں آیا تھا بتاؤ نا؟"

عذرا اب بھی خاموش رہی!

اور پروین نے پھر سوال کیا،

"ممی مجھے ڈاکوؤں سے بڑا ڈر لگتا ہے، تم آخر کیوں آنے دیتی ہو اسے؟"

اور عذرا نے بڑی مدھم آواز میں کہا "اب نہیں آئے گا!"

وہ بولی "اگر آیا؟"

عذرا نے کہا "کہہ رہی ہوں، اب نہیں آئے گا!"

وہ ضد کرتی ہوئی بولی "نہیں ابھی وہ ضرور آئے گا!"

عذرا نے پوچھا "یہ تم نے کیسے جانا؟"

کہنے لگی "وہ مجھے گھورتا رہتا ہے، اس وقت بھی جب گیا ہے، مڑ مڑ کر پیچھے دیکھ رہا تھا!"

عذرا بولی "اب اگر اس نے ایسا کیا تو میں منع کر دوں گی!"

"بھلا ڈاکو کسی کا کہنا بھی مانتے ہیں؟"

"کبھی کبھی مان بھی لیتے ہیں!"

ایک ملازم نے روتے ہوئے کہا: "انتقال ہو گیا حضور بیگم صاحبہ کا!"

ماہ پارہ کے انتقال کی خبر نے بڑا زبردست دھچکا اسے پہنچایا، اسے چکر سا آگیا، وہ گرتے گرتے بچا،

لیکن اس نے اپنے تئیں سنبھالا اور پوچھا "ماہ پارہ کا انتقال ہو گیا؟"

آواز آئی: "جی سرکار!"

اور پھر گریہ و بکا کا شور بڑھنے لگا!

محمود ان سب کو روتا چھوڑ کر اندر گیا، ماہ پارہ کا نحیف و نزار جسم بے حس و حرکت بستر پر پڑا تھا لوبان اور کافور کی خوشبو بلند ہو رہی تھی، ایک سفید چادر اوڑھے وہ ہمیشگی کی نیند سو رہی تھی،

محمود آگے بڑھا!

اس نے وہ سفید چادر اٹھائی،

وہی بے نور آنکھیں، وہی بے رنگ چہرہ، وہی ناتواں جسم!

ایسا معلوم ہوتا تھا سو رہی ہے،

اور واقعی وہ سو رہی تھی ——— ابدی نیند!

ماہ پارہ کی جوان لاش دیکھ کر محمود کا دل تڑپ گیا، بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے، لیکن فوراً ہی اس نے اپنی اس کمزوری پر غلبہ پا لیا، آنسو پونچھے، باہر آیا، اور تجہیز و تکفین کے انتظامات میں مصروف ہو گیا۔

پروین مطمئن ہوگئی، اور اپنے کمرہ میں جاکر کھیلنے لگی!،

اور عذرا ابھی اپنے کمرہ میں واپس آگئی، لیکن اس وقت وہ کتنی خاموش تھی؟ جیسے غم کا پہاڑ کسی نے اس کے قلب ناتواں پر لاکر رکھدیا ہو،

محمود، عذرا کے ہاں سے محروم و مایوس واپس ہوا، جی چاہا سلیم کے ہاں جائے، اس سے باتیں کرے اسے عذرا کے حضور میں شفیع بنانے کی کوشش کرے پھر اس نے سوچا،

سلیم باتوں میں ٹال دے گا،

وہ عذرا کے پاس میرا سفیر بن کر ہرگز نہیں جائے گا، اس سے گفتگو بیکار ہے! اور کار پھر ایوان زریں کی طرف چل پڑی، اس نے سوچا چلو گھر ہی بیٹھیں گے وہاں پروین کی تصویر ہے، وہ نہیں تو اس کی تصویر سے جی بہلائیں گے،

لیکن جب وہ ایوان زریں میں پہنچا تو وہاں قیامت برپا دیکھی گھر کے سارے نوکر چاکر پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے، کوئی سچ مچ رو رہا تھا کوئی دکھانے کو، لیکن آنسو سب کی آنکھوں سے بہ رہے تھے۔

یہ منظر دیکھ کر اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، کار سے اتر کر وہ آگے بڑھا، تمام نوکروں نے اسے گھیرے میں لے لیا اور پہلے سے بھی زیادہ چیخ چیخ کر رونے لگے!،

اس نے پوچھا "کیا ہوا؟ روتے کیوں ہو؟"

اور اس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ اس قدر جلد وہ اس دنیا سے روٹھ جائے گی"
یہ باتیں کرتے کرتے محمود کی آنکھوں میں آنسو آگئے اس نے کہا "سلیم مرنا سب کو ہے ـــــــ آج وہ کل ہماری باری ہے، ـــــــ لیکن ماہ پارہ کی موت واقعی ایک بہت بڑی ٹریجڈی ہے، اتنی بڑی ٹریجڈی کہ جب سوچتا ہوں، بار بار میری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں ـــــــ اس نے اس دنیا کا کچھ نہ دیکھا، جوان ہوئی تو ایک بوڑھے دولت مند کے پلّے باندھ دی گئی، وہ مرا تو مصائب اور تکالیف کے ہجوم میں گھر گئی، یہ دَور ختم ہوا، اور نیا دور شروع ہوا، یعنی میرے ساتھ اس کا عقد ہو گیا ـــــــ اس نے ہر چیز مجھے دے دی، اپنے آپ کو بھی، اور اپنے مال و دولت کو بھی، اب محسوس کرتا ہوں، اس بخشش میں رضا مندی کو اتنا دخل نہیں تھا مجبوری کو حالات کو تھا، اس حالت میں غریب نے ۵ سال گزار دیے، اچھی خاصی مدّت ہوتی ہے یہ بھی، اس نا رضا مندی کی زندگی شاید وہ ہنسی خوشی برداشت کر لیتی، اگر خدا اسے اولاد دے دیتا، اولاد کے نام پر وہ جان دیتی تھی، کتنی حسرت تھی اسے ماں بننے کی، ماں بننے کے لئے اس نے کیا کیا جتن نہ کئے، لیکن مقدر ـــــــ مقدر کا لکھا کون میٹ سکتا ہے اولاد اس کے نصیب میں نہ تھی اور آخر یہی حسرت لے کر وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئی!"

اور یہ کہتے کہتے محمود کی آنکھیں پھر موتی کے دانے برسانے لگیں،
سلیم نے کہا: "صبر کرو محمود، یہ دنیا اسی قسم کے حوادث کا نام ہے جب تک

یہ خبر آناً فاناً آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی۔ محمود کا حلقۂ احباب کافی وسیع تھا، اور جب سے وہ ماہ پارہ کا شوہر بنا تھا، اس حلقہ میں تنوع بھی پیدا ہو گیا تھا، جوق در جوق لوگ آنے لگے!

جو آتا تھا وہ ہمدردی اور تعزیت کے چند الفاظ کہہ کر خاموش ہو جاتا تھا، کچھ دیر کے بعد سلیم بھی آ گیا، اس نے محمود کا اترا ہوا چہرہ دیکھا، وہ محمود کا، راز داں تھا، پرانا دوست تھا، اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اس نے گلوگیر آواز میں کہا "محمود واقعی یہ بڑا سخت اور دل دوز حادثہ ہے!"

محمود نے جواب دیا "ہاں ——— حادثہ سخت ہے، اور جان عزیز!"

سلیم نے کہا "مجھے امید ہے اس غم کو تم جھیل لو گے!"

محمود نے جواب دیا،

"یقیناً جھیل لوں گا، اب تو غم سے میری دوستی ہوتی جا رہی ہے، میں عادی ہوتا جا رہا ہوں، غم کا!"

سلیم نے شکایت کی،

"حالت اتنی نازک ہو گئی اور تم نے مجھے بھی اطلاع نہ کی؟"

وہ بولا "خود مجھے بھی یہ اندازہ کب تھا؟ میں باہر گیا ہوا تھا، واپس آیا تو معلوم ہوا۔ ماہ پارہ اس دنیا سے گزر گئی ——— یوں تو کافی عرصے سے وہ بیمار تھی، اور ڈاکٹروں کی طرف سے مایوسی کا اظہار بھی ہو چکا تھا، لیکن، بہرحال وہ جی رہی تھی،

اس کا فیصلہ اٹل ہوتا ہے!

اس کی آمد اٹل ہوتی ہے!!!

چنانچہ وہ آئی اور ماہ پارہ بیگم کو اپنے ساتھ لے گئی۔

سب لوگ اس کا منہ دیکھتے رہ گئے!

کوئی بھی اس کا دامن نہیں پکڑ سکا!!

کسی میں بھی یہ ہمت نہ تھی کہ اسے ٹوکتا اور روکتا!

تدفین کے بعد احباب کا قافلہ پھر ایوان میں داخل ہوا اور کچھ دیر بیٹھ کر سب لوگ چلے گئے!

فرض ادا ہو گیا!

البتہ سلیم رہ گیا، اس نے کہا "محمود سوچو مت، دماغ کو مشغول رکھو!"

وہ بولا "کس طرح؟"

"باتیں کرو، باتیں سنو!"

محمود نے کہا "لیکن اس وقت تو دونوں سے میں نفرت محسوس کر رہا ہوں، نہ باتیں سننے کی طاقت ہے نہ باتیں کرنے کی ——— سلیم تمہاری۔ ہمدردی، محبت، اور خلوص کا بہت شکر گزار ہوں، لیکن اس وقت میں تنہائی چاہتا ہوں!

تنہا رہنا چاہتا ہوں!"

ہم زندہ ہیں، ایسے ایسے تماشے نہ جانے کتنے دیکھنے پڑیں گے؟"

محمود نے کوئی جواب نہ دیا اور سلیم کے سامنے سے ٹل گیا۔ شاید وہ رونا چاہتا تھا!"

لیکن اس وسیع اور کشادہ ایوان زریں میں کوئی گوشہ ایسا نہیں تھا جہاں وہ اطمینان سے رو سکتا، اپنے دل کی بھڑاس نکال سکتا، وہ ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر ٹہل رہا تھا ٹہلے جا رہا تھا، نئے نئے لوگ ملتے تھے اور اسے روک کر اظہار تعزیت کرتے تھے، ان رسمی الفاظ سے اس کی ڈھارس نہ بندھی، ان کے کھوکھلے پن سے وہ واقف تھا۔

کئی گھنٹے کے بعد جنازہ تیار ہوا، گھر کا احاطہ آدمیوں سے کچا کھچ بھرا ہوا تھا، یہ سب لوگ تعزیت کے لئے آئے تھے۔ بڑی دھوم سے جنازہ اٹھا!

جیسے کسی نئی دلہن کا ڈولا!

اور قبرستان پہنچ گیا!

دیکھتے ہی دیکھتے ماہ پارہ بیگم کا نرم ونازک حسین وجمیل جسم دو من مٹّی کے ڈھیر تلے دب گیا۔ نہ اس کا مفلوج باپ کچھ کر سکا، نہ اس کی بہنیں نہ اس کے بھائی نہ بوڑھی اور بیمار ماں ——— ہم سب کچھ کر سکتے ہیں مگر موت پر غالب نہیں آسکتے، اسے نہیں روک سکتے، وہ جب آتی ہے تو اس کی آمد میں کوئی رکاوٹ نہیں پیدا کر سکتا۔

اس کا وقت اٹل ہوتا ہے!

(۱۴)

بھیک کا ٹکڑا!

ماہ پارہ خاک میں مل گئی!

اور لوگ اسے بھول بھی گئے ـــــ کتنے ناپائیدار ہیں اس زندگی کے نقوش!

کتنی بے نتیجہ ہے یہ زندگی اور اس کی ہنگامہ آرائی!

وہ ایک خوبصورت لڑکی تھی، لوگ اسے پیار کرتے تھے!

پھر وہ ایک خوب رو اور خوش اندام دوشیزہ تھی، لوگ اس پر مرنے لگے پھر تو اب ٹیکم گڑھ کی نظر پڑی، دونوں ہاتھوں سے دل ناتواں سنبھالتے رہ گئے، پھر شادی ہو گئی دونوں کی، ایک ۱۵ سال کی حسینہ دوسرا ۵۰ سال کا، پیر مرد، دنیا والے انگشت نمائی نہ کر سکے، صرف انگشت بدنداں رہ گئے! پھر وہ عین جوانی کے عالم میں بیوہ ہو گئی عرش سے پھر فرش پر آن گری، پھر اس نے محمود سے شادی کر لی، اس مرتبہ دنیا والے انگشت بدنداں کم رہے، انگشت نمائی پر

نہیں محمود یہ نہیں ہو سکتا ، میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑ دوں گا !"

محمود نے عاجز آ کر کہا " ہو تم میرے پاس لگاتار ۲۴ گھنٹے بیٹھے رہو تب بھی میری تنہائی کو تم آبادی سے نہیں بدل سکتے ، میں تمہاری موجودگی میں بھی تنہا ہی رہوں گا !"

سلیم نے سوچا ، اس وقت اس پر غم و الم کی کیفیت طاری ہے یہ خود اپنے دماغ کو اگر دوسرے کام میں مشغول نہیں کر سکتا تو میں یہ کام کر دوں گا ، اس کے دماغ کا رخ بدل دوں گا ، اس نے کہا " کہو عذرا سے ملے تھے ؟ ـــــ بدر دین سے ملاقات ہوئی ؟"

محمود تقریباً چیخ پڑا ،

" ہاں ـــــ میں وہیں سے آ رہا ہوں ، ماہ پارہ مرض الموت میں موت سے کشتی لڑ رہی تھی ، اور میں عذرا کے دربار میں ایک مجرم کی طرح سر جھکائے کھڑا تھا ، اور وہ بھگو بھگو کے جوتیاں لگا رہی تھی میرے سر پر جب بہت زیادہ کھا چکا تب رخصت کر دیا گیا ، چپ چاپ چلا آیا ، نہ آتا تو شاید دھکے دے کر نکال دیا جاتا ، بس یہی ایک کسر رہ گئی تھی ! سلیم تم سے کہہ چکا ، اس وقت مجھے معاف کر دو ، میرا دل بہت دکھا ہوا ہے رونے کی سکت نہیں ، باتیں سننے کا دماغ نہیں ، باتیں کرنے کی طاقت نہیں "

سلیم نے کہا "

" اچھا جاتا ہوں ، پھر آؤں گا کسی وقت !"

ڈس سانپ کو پوجتے بھی ہیں اور اس سے دور بھی رہتے ہیں، دور نہ رہیں تو وہ مجبور ہونے کے باوجود کاٹ کھائے اور ان کی زندگی ختم ہو جائے یہی کیفیت محمود کی تھی، وہ عذرا کو پوجنے پر بھی مجبور تھا، اور اس سے دور رہنے پر بھی ——

—— نے تابِ وصل دارم نے طاقتِ جدائی!"

اور ایک روز بیتاب ہو کر وہ عذرا کے درِ دولت پر پہنچ گیا، ناخواندہ مہمان جو بار بار دھکے دے کر اس گھر سے نکالا جا چکا تھا!

وہ جب ڈرائنگ روم میں پہنچا تو اس نے دیکھا عذرا اور پروین دونوں موجود ہیں، وہ اپنی لڑکی کو ایک کرسی پر بیٹھی سبق دے رہی تھی، اس کی پیٹھ محمود کی طرف تھی، اور پروین کا رخ عین باپ کے مقابل، محمود چپ چاپ جا کر کھڑا ہو گیا، پروین نے چپ کے سے بڑے رازدارانہ انداز میں کتاب سے توجہ ہٹا کر ماں سے کہا،

"ممی ممی!"

وہ بولی "ہاں کہو، کیا کہتی ہو؟"

کہنے لگی "وہ پھر آیا ہے!"

ماں نے پوچھا "کون؟"

لڑکی نے جواب دیا "وہی ڈاکو —— لٹیرا!"

محمود نے یہ باتیں سن لی تھیں! ——!

البتہ اتنا ہوا کہ اسے پھر وہ دق میں مبتلا ہوئی اور مر گئی، اور دنیا والے بھول گئے کتنی مختصر زندگی تھی، کتنا مختصر افسانۂ حیات؟ —— اور یہ جو کچھ ماہ پارہ کے ساتھ ہوا، تنہا اسی کے ساتھ نہیں ہوا، سب کے ساتھ یہی ہوتا ہے یہی ہوگا !!

محمود نے بھی ماہ پارہ کا غم فراموش کر دیا، حالانکہ ماہ پارہ کا ایوان زرّیں، اس کا بینک بیلنس، اس کے باغات، گاؤں، کوٹھیاں، دوکانیں سب محمود کے قبضہ میں تھیں اور ہر وقت اس کی یاد دلایا کرتی تھیں لیکن بھولنے والے کو کون یاد دلا سکتا ہے کچھ؟

ہاں تو محمود ماہ پارہ کو بھول گیا تھا!

لیکن ——!

اس کے دل کا زخم بدستور ہرا تھا، پروین کے خیال نے اس کی زندگی اجیرن کر دی تھی، عذرا کے طرز عمل نے اسے حرماں نصیب کر رکھا تھا —— وہ عذرا کو رام کرنے کی تدبیریں سوچتا تھا، مگر سب بیٹ پڑتی تھیں وہ پروین کو حاصل کرنے کا پروگرام بناتا تھا، لیکن وہ راس نہ آتا تھا !!

پھر اب کیا ہو؟

گاڑی آگے کیسے چلے ——؟

بس اس سے آگے وہ کچھ نہیں سوچ پاتا تھا، عذرا کی خوفناک اور ڈراؤنی تصویر عالم خیال میں اس کے سامنے آکر کھڑی ہو جاتی تھی!

"پرویز کا نظارہ، تمہارا دیدار!"

وہ بگڑ گئی،

"پھر آپ نے پرویز کے ساتھ میرا ذکر کیا، آپ کی مکاری کی عادت نہیں جائے گی؟"

محمود اب تک کھڑا ہوا تھا، عذرا نے کہا "بیٹھ جائیے ——— یہ روز روز کی جھک جھک مجھے پسند نہیں، آج فیصلہ ہونا چاہیئے!"

سامنے جو کرسی پڑی تھی، وہ اس پر بیٹھ گیا، پرویز نے سہم کر کہا "ممی میں جاؤں؟"

ماں نے جواب دیا "ہاں جاؤ کھیلو جاکر!"

پھر وہ محمود کی طرف مخاطب ہوئی۔

"اب فرمایئے! ——— لیکن ایک بات یاد رکھئے!"

"کہو، کون سی بات!"

"کسی طرح اور کسی بہانے پر بھی میرا ذکر نہ لایئے گا بیچ میں!"

"تو یہ کیوں نہیں کہہ دیتیں چلے جاؤ، میں کچھ نہیں سننا چاہتی!"

"نہیں، میرے ذکر کے علاوہ آپ جو کچھ کہنا چاہیں اسے سنوں گی بھی اور اس پر غور بھی کروں گی!"

"میں جو کچھ بھی کہوں گا، اس میں تمہارے ذکر کا آنا لازمی ہے یہ دوسری بات ہے، بالکل نہ سنو، یا سنی کی ان سنی کر دو، یا اس کان سنو اور اس کان اڑا دو!"

عذرا نے مڑ کر دیکھا!

محمود سامنے کھڑا تھا ——— !

دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں، چند سکنڈ تک دونوں خاموش رہے دونوں گفتگو میں پہل کرنا چاہتے تھے، لیکن خاموش تھے، نہ جانے وہ کون سا جذبہ تھا جس نے دونوں کی زبان پر قفل چڑھا دیا تھا لیکن یہ کیفیت زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہی محمود نے سراپا سوز بن کر کہا،

"بھکاری پھر آگیا ——— !"

وہ بولی "ہاں ——— دیکھ رہی ہوں !"

محمود نے کہا "شوق سے مجھے دھکے دے کر ایک مرتبہ اور نکلوا دو، تم اپنا دروازہ بند کرتی رہو، میں دستک دیتا رہوں گا تم خفا ہوتی رہو، میں مناتا رہوں گا بار بار تم مجھے نکلواؤ، میں بار بار آتا رہوں گا ! ——— تم اپنا کام کرتی رہو میں اپنا کام کرتا رہوں گا !"

شاید وہ ابھی کچھ اور کہتا، لیکن عذرا بیچ میں بول پڑی،

"معلوم ہے لفاظی میں آپ کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا، اس فن میں طاق نہ ہوتے تو اتنے بڑے وکیل کیسے بن جاتے ——— لیکن یہ تو بتایئے، آخر آپ چاہتے کیا ہیں"

محمود نے کہا "بھکاری بن کر آیا ہوں، بھیک کا ٹکڑا چاہتا ہوں !"

"یعنی ؟"

دم سے آباد ہو سکتی ہے!"

"شکریہ، اس عزت افزائی کا، لیکن یہ نہیں ہو سکتا، کسی طرح بھی نہیں، لہٰذا اس مسئلہ پر تو گفتگو بیکار ہے ——— اور کچھ؟"

"ہاں ایک بات اور ہے!"

"فرمایئے!"

"سب سے پہلا سوال تو یہ ہے کیا تم اپنے فیصلہ پر نظرثانی نہیں کر سکتیں؟"

"جی نہیں ——— جو لوگ فیصلہ پر نظرثانی کرتے ہیں وہ فیصلہ کرنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتے! ——— میرا فیصلہ ہوتا ہے، نہ اس میں ترمیم ہو سکتی ہے، نہ نظرثانی سے بدلا جا سکتا ہے!"

"مجھے پہلے اسی جواب کا اندیشہ تھا، اچھا ایک دوسری بات مان لو!"

"ہاں وہ کہیئے!"

"پروین کو مجھے دے دو!"

"کیا کریں گے اسے لے کر آپ؟"

"وہ میرا دل ہے، پوچھتی ہو! میں اسے لے کر کیا کروں گا؟ ——— میں اسے دل میں بٹھاؤں گا، سر آنکھوں پر رکھوں گا، اسی کے لئے جیوں گا، اور جب مروں گا تو جو کچھ میرے پاس ہے، سب اسی کو دے جاؤں گا۔ اس کے سوا میرا اس دنیا میں ہے کون؟"

وہ عاجز آ کر بولی "اچھا کہئے!"

وہ بولا "یہ خبر تو تمہیں مل چکی ہوگی، ماہ پارہ کا انتقال ہوگیا!"

"ہاں سن چکی ہوں، بڑا افسوس ہوا!"

محمود چونک پڑا،

"افسوس ہوا تمہیں؟"

"ہاں بہت!"

"تعجب ہے میں تو سمجھ رہا تھا تم خوش ہوئی ہوگی!"

خوش کیوں ہوتی؟ اس میں خوشی کی کیا بات تھی؟"

"تمہارے راستہ کا کانٹا ہٹ گیا!"

عذرا کو یہ سن کر غصہ آگیا،

پھر آپ نے بہکی بہکی باتیں شروع کیں؟ ——— وہ اللہ کی بندی پھول یا کانٹا جو کچھ بھی تھی، آپ کے لئے تھی، مجھے نہ اس سے نفرت تھی نہ محبت بلکہ ایک حد تک ہمدردی تھی! ساری زندگی بیچاری کی نامرادی میں گذری، ہماری سب سے بڑی غلطی یہی ہے کہ ہم امیدیں قائم کر لیتے ہیں نہ آس لگائیں نہ یاس سے دوچار ہوں۔ ——— خیر یہ تو غیر ضروری اور بے موقع باتیں چھڑ گئیں، ہاں تم گئے؟"

"بہر حال میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ اب میری غلطی کو معاف کر دو، میرا گھر ویران پڑا ہے، اسے پھر سے آباد کرو، میرے دل کی دنیا سنسان پڑی ہے، وہ تمہارے ہی

ہاں، لیکن جس طرح تم سمجھ رہی ہو اس طرح نہیں!"

"پھر کس طرح؟"

محمود نے پہلو بدلتے ہوئے کہا "میرے پاس رہتے ہوئے بھی تمہاری رہے گی۔ میں اس طرح اسے لینا نہیں چاہتا کہ تمہاری نہ رہے، صرف میری ہو جائے میرا مقصد تو یہ ہے کہ وہ ہم دونوں کی رہے!"

"عنایت، نوازش!"

"تم جب اسے بلاؤ گی، فوراً بھیج دوں گا، جتنے دن چاہو گی، اپنے پاس رکھ سکو گی، وہ بہرحال تمہاری ہی رہے گی!"

عذرا نے بڑی سنجیدگی سے کہا "جب آپ مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش کرتے ہیں، لاکھ روکتی ہوں، مگر غصہ آجاتا ہے!"

"بے وقوف بنانے کی؟ خدا کے لئے مجھ روسیاہ کو اتنا غلط نہ سمجھو!"

"آپ اگر صاف صاف گفتگو کرتے تو اس کی قدر کرتی سنجیدگی سے اس پر غور کرتی!"

"یعنی کس طرح گفتگو کرتا؟"

"یہ ایر پھیر کی باتیں نہ کرتے، صرف اتنا کہہ دیتے، پروین میری لڑکی ہے، میں باپ ہوں اور اسے اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں، آپ کہنا بھی چاہتے ہیں، لیکن اتنی ہمت نہیں کہ کہہ سکیں، خیر میں آپ کی مشکل آسان کئے دیتی ہوں، پروین موجود ہے لے جائیے

"کوئی اور ماہ پارہ؟"

"نہیں!"

"اتنا حسن ظن ہے آپ کو اپنے بارے میں؟"

"حسن ظن نہیں، خود اعتمادی ——— پروین نے یہ سارے راستے میرے اوپر بند کر دیئے ہیں، اب میں ایک آوارہ مزاج اور آشفتہ طبع شخص نہیں ہوں، ایک معصوم اور پیاری لڑکی کا باپ ہوں، مجھے اس کا مستقبل بنانا ہے، اس کی زندگی، سنوارنی ہے اس کی زندگی کو خوش گوار بنانے کے وسائل مہیا کرنے ہیں، اور ان سب باتوں کے لئے ضروری ہے کہ میرا چال چلن اچھا ہو، ورنہ برے چال چلن والے باپ کی لڑکی کو کون پوچھے گا؟"

"بڑی سمجھداری کی بات کرنے لگے ہیں آپ تو!"

"ہاں ——— اور یہ سب تمہارا، اور تمہاری پروین کا طفیل ہے ——— ورنہ میں جو کچھ تھا تم جانتی ہو اور تم سے زیادہ میں خود جانتا ہوں"

وہ حیرت کی کیفیت اپنے اوپر طاری کرتی ہوئی بولی "میں تو خیر ——— لیکن کیا آپ خود بھی اپنے آپ کو جانتے ہیں؟"

"ہاں عذرا میں جانتا ہوں!"

عذرا کچھ سوچتی ہوئی بولی "تو آپ پروین کو مجھ سے لینا چاہتے ہیں؟"

محمود ڈر گیا "اگر ہاں کہتا ہوں تو کہیں یہ ہتھے سے اکھڑ نہ جائے" اس نے کہا۔

محمود نے کہا "ہاں بیٹی —— پہلے میں ڈاکو تھا، لٹیرا تھا، نہ جانے کیا تھا؟ لیکن اب میں گناہوں سے توبہ کر چکا ہوں، اب میں صرف تمہارا باپ ہوں اور بس !"

پروین حیرت سے اسے دیکھنے لگی، اور دل ہی دل میں سوچ رہی تھی میرا باپ مرکز زندہ کیسے ہو گیا، کہیں مردے بھی زندہ ہوئے ہیں،

وہ بولی "ہوں —— !"

گویا ایسی غلط بات کہتے تمہیں شرم نہیں آتی؟ میرا باپ تو مدت ہوئی مر چکا ہے، لیکن عذرا نے اس کی حیرت دور کر دی،

"پروین، واقعی یہ تمہارے باپ ہیں !"

یہ خبر سن کر پروین کو حیرت تو بہت ہوئی، لیکن حیرت سے زیادہ خوشی ہوئی اس شخص کی جانب شروع ہی سے اس کا دل کھنچ رہا تھا وہ خوش ہو کر بولی،

"جی وہی جن کی تصویر —— !

عذرا نے کہا "ہاں وہی —— جن کی تصویر تمہیں سلیم بھیا نے دکھلائی تھی بھلا اگر محمود کی تصویر کبھی بھی سلیم نے پروین کو نہیں دکھلائی تھی، وہ تصویر اس نے عذرا ہی کے پاس دیکھی تھی، اس غلط بیانی کی تصیح کرنے کا اس کا جی تو بہت چاہا، لیکن وہ خاموش ہو گئی، اس نے اپنی ماں سے سن رکھا تھا، بڑوں کی بات دکھلتے نہیں !

پھر عذرا نے کہا "یہ تمہیں لینے آئے ہیں !"

اسے اور میرا اچھا چھوڑ دیجئے لیکن خدا کے لئے زیادہ چاپلوسی سے کام نہ لیجئے۔ آپ قدم قدم پر جیسے بچے بہلائے جاتے ہیں، مجھے بہلاتے پھسلاتے ہیں، اس اندیشہ سے کہیں میں پتے سے اکھڑ نہ جاؤں، کہیں میں چونک نہ پڑوں، کہیں پروین کو ہمیشہ کے لئے آپ سے چھین نہ لوں!"

"عذرا یہ بات نہیں ہے ——— اس مرتبہ میں سچائی اور خلوص لے کر آیا ہوں، جھوٹ اور فریب نہیں!"

"ممکن ہے آپ سچ کہہ رہے ہوں، لیکن ——— اسے کیا کروں کہ دل کو، نہیں اعتبار ہوتا!"

محمود نے ان تلخ باتوں کا جواب دینا مناسب نہ سمجھا، وہ خاموش ہو گیا، عذرا نے گھنٹی بجائی ——— ایک ملازم سامنے آکر کھڑا ہو گیا، وہ بولی،

"جاؤ پروین کو بھیج دو!"

ذرا دیر کے بعد پروین آگئی، اور ماں کے زانو سے لگ کر چپ چاپ کھڑی ہو گئی،

عذرا نے محمود کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا "انہیں پہنچانتی ہو؟"

وہ ڈرتی ڈرتی بولی "ہاں!"

عذرا نے پوچھا "یہ کون ہیں؟"

وہ ڈاکو کہنا چاہتی تھی، لیکن صرف "ڈاک" کہہ کر رہ گئی،

اس کی سمجھ میں یہ معمہ نہیں آرہا تھا کہ آخر اسے کیا سمجھے؟

خواب یا حقیقت؟

جو کام بے انتہا دشوار نظر آرہا تھا وہ اتنا آسان کیسے ہوگیا؟

جس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا وہ واقعہ کیسے بن گئی؟

لیکن کچھ کہنے سننے کا بھی تو موقعہ نہیں تھا!

اگر بولتا ہوں تو کہیں یہ دولت بے جا پھر نہ چھن جائے، ابھی تک قبضہ بہرحال، اس ظالم کا ہے جس کا فیصلہ اٹل ہوتا ہے، اور جس کے فیصلہ کی کوئی اپیل بھی نہیں ہو سکتی، محو ہو جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا!"

عذرا نے بڑی نرمی کے ساتھ پر دین سے کہا "اٹھو بیٹی جاؤ، اپنے باپ کے ساتھ، وہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں!"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی،

عذرا بدستور بیٹھی رہی، پر دین نے کہا "امی چلو!"

عذرا نے کہا "بیٹھی میں ابھی نہیں جاؤں گی، ابھی مجھے اسکول جانا ہے، بہت سے کام کرنے ہیں، تم جاؤ، پھر میں شام تک آؤں گی!"

وہ راضی ہوگئی،

"لیکن شام تک آجانا!"

"وہاں آجاؤں گی"

وہ مسکرا دی۔

عذرا نے پوچھا "جاؤ گی نا؟"

وہ ہنس دی،

عذرا نے پھر کہا "ارے جواب دے لڑکی!"

اور اس نے تائید میں گردن ہلا دی،

پھر عذرا نے محمود سے کہا "مبارک ہو لے جائیے، اپنی صاحبزادی کو آپ!"

محمود نے پوچھا "صرف پروین کو؟"

وہ بولی "جی ——— یہی بہت ہے!"

محمود نے کہا "بہت شکر گزار ہوں تمہارا!"

عذرا نے اس شکریہ کا کوئی جواب نہیں دیا، وہ اٹھ کھڑی ہوئی،

"آپ بیٹھئے، میں اسے تیار کر کے لائی!"

اور وہ پروین کو لے کر اندر چلی گئی،

تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر آئی، پروین اس کے ساتھ تھی ——— اور اس کے ساتھ اس کے تمام کپڑے بھی، بستر بھی، کھلونے بھی، زیور بھی،

عذرا پھر سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی،

"اب انتظار کا ہے کا ہے لے جائیے اپنی لڑکی کو!"

محمود دل میں تو بہت خوش تھا لیکن حیران بھی بہت تھا،

پسند نہیں کرتی! ——— جو چیز میری نہیں ہے اسے ضرورت سے زیادہ اپنانے کی، کوشش کیوں کروں؟"

"اچھا مستقل طور پر نہ سہی، کبھی کبھی تو آجایا کروگی؛ کچھ دیر کے لئے؟"

"جی نہیں ——— کبھی نہیں، ایک منٹ کے لئے بھی نہیں!"

"لیکن وہ تمہیں بہت یاد کرے گی!"

"بچوں کو بہلانا پھسلانا مشکل نہیں ہوتا، کچھ نئے کھلونے لا دیجئے گا، بہل جائے گی"

وہ خاموش ہو گیا،

عذرا نے کہا "اب آپ کا میرے پاس کچھ نہیں رہ گیا، جو آخری چیز تھی وہ بھی لئے جا رہے ہیں آپ!"

محمود کی آنکھوں میں آنسو آگئے،

"عذرا یہ نہ کہو، یوں نہ کہو، اگر تم بے دلی سے پردین کو دے رہی ہو تو میں مرجانا پسند کروں گا، لیکن اسے تم سے لینا مجھے گوارا نہیں!"

وہ بولی "جذباتی باتیں نہ کیجئے ——— وہ میری تھی کون؟ جو مجھے اس کے جانے کا غم ہوگا؟ وہ میری نہیں تھی، میرے پاس امانت تھی اور سچی بات یہ ہے کہ اس امانت سے سبکدوش ہو کر میں اپنے آپ کو بہت مطمئن پاتی ہوں، میں نے خواہ مخواہ، کی زنجیر اپنے پاؤں میں ڈالی تھی خدا کا شکر ہے وہ کٹی تو!"

ان الفاظ میں کتنی تلخی تھی، کتنا طنز تھا، کتنا درد تھا ———!

پروین نے باپ سے کہا "چلئے!"

دونوں آگے پیچھے باہر نکلے، محمود نے کار میں پروین کو بٹھایا اور کہا "بیٹی تم، بیٹھو، میں ابھی آیا، ذرا تمہاری ممی سے ایک بات کہہ آؤں!"

وہ کار میں بیٹھ کر ہینڈل سے کھیلنے لگی اور محمود پھر اندر پہنچا، اس نے عذرا سے کہا "ایک بات کہنے آیا ہوں!"

وہ ذرا ترش لہجہ میں بولی،

"آپ کی باتوں کا سلسلہ شیطان کی آنت کی طرح بڑھتا ہی جاتا ہے!"

پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے کہا "کہیئے وہ بات بھی کہہ ڈالئے!"

محمود نے بڑے اشتیاق کے ساتھ پوچھا "تم نے ابھی پروین سے جو کچھ کہا، وہ سچ تھا؟"

"یعنی؟"

"یہی کہ تم شام کو آؤ گی؟"

عذرا نے پھیکی ہنسی ہنستے ہوئے کہا "——— نہیں آپ نے سچ کیسے سمجھ لیا! کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے؟"

مایوسی کے لہجہ میں محمود نے کہا "میں بھی یہی سمجھ رہا تھا!"

وہ بولی "وہ تو میں نے پروین سے اس لئے کہہ دیا کہ اگر یہ جھوٹا وعدہ نہ کرتی تو وہ مچل جاتی اور کسی طرح بھی آپ کے ساتھ نہ جاتی، اور میں باپ بیٹی کے درمیان حائل ہو

(۱۴)

یاد—!

عذرا نے محمود کو جہاں اس کی سب سے بڑی پونجی بخش دی تھی وہاں اپنی سب سے بڑی پونجی کھو بھی دی تھی، پروین کے جانے کے بعد وہ اپنے کمرہ میں آئی اور بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر سسکیاں لے کر رونے لگی،

اسے اپنے وہ مظالم یاد آنے لگے، جو اس نے پروین پر محض اس جرم میں روا رکھے تھے کہ وہ محمود کی لڑکی تھی، اپنی زیادتیوں پھر وہ پشیمان تھی، یہ کمرہ، یہ گھر اب اسے ویران، اور سنسان نظر آ رہا تھا جس کے دم سے اس گھر کی رونق تھی وہ چلا گیا تھا جس کے وجود سے یہ کمرہ جگمگایا کرتا تھا وہ اب یہاں نہیں تھا، جس کی موجودگی سے گھر میں ہنگامہ اور شور بپا رہتا تھا وہ کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا،

چند لمحوں کے اندر یہ کیا ہو گیا؟

پروین گئی،

اب وہ کبھی نہیں ملے گی؟

محمود تڑپ گیا، اس نے کہا "عذرا مجھے معاف کر دو!"

عذرا نے جواب دیا،

"میرے اور آپ کے درمیان، میرے اور آپ کے بارے میں گفتگو نہیں ہونی چاہیئے، اور اگر آپ نے یہ سلسلہ جاری رکھا تو ابھی میں پر دین کا ہاتھ پکڑ کرے آؤں گی، اور پھر کبھی نہیں جانے دوں گی!"

محمود کانپ گیا،

"نہیں عذرا، ایسا نہ کرو، میں خاموش ہوا جاتا ہوں، اب میری زبان نہیں کھلے گی تم مطمئن رہو!"

عذرا نے تیکھی چتون سے اسے دیکھا، اور اسے ایسا معلوم ہوا یہ عذرا آج بھی وہی ہے جو آج سے ۹ برس پہلے تھی، وہی قیامت کا حسن، وہی قیامت کی آنکھیں، وہی قیامت کی ادائیں، اس کا جی چاہا ۹ برس پہلے کا پجاری ایک مرتبہ پھر بن جائے پھر اس بت کے سامنے سر جھکا دے، وہ یہی سوچ رہا تھا کہ اس کے کانوں میں عذرا کی آواز آئی،

"آپ کو شروع ہی سے اس کا خیال رکھنا چاہیئے تھا"

محمود نے گڈ ایانہ انداز میں کہا "میں اپنی غلطی پر نادم ہوں، دھیان نہیں رہا!"

اور ——— اور دونوں پھر الگ الگ سمت کی طرف چل دیئے ———!

جاتی تھی، ایک ہی چیخ تھی اس کی زبان پر،

ممی!

میری ممی!

میں اس کی ممی تھی، لیکن کیا ایک سوتیلی ماں اس سے زیادہ بدسلوکی کر سکتی تھی، جتنی میں نے اس کے ساتھ کی؟ —— ہاں میں نے بدسلوکی کی، میں نے مارا، لیکن کیوں؟ کیا میں اس سے نفرت کرتی تھی؟

نہیں!

ایک ماں اپنے جگر کے ٹکڑے سے، اپنی اکلوتی اولاد سے نفرت نہیں کر سکتی، کبھی نہیں سکتی،

پھر؟

یہ سب کچھ میں اس لئے کرتی تھی کہ کہیں مجھے اس سے محبت نہ ہو جائے، آہ! محبت تو تھی، وہ گئی کہاں تھی؟ وہ تھی کب نہیں جو ہو نہ جاتی؟ اس کی محبت تو جان کے ساتھ ہے، سانس ہی کے ساتھ جائے گی، لیکن میں ڈرتی تھی کہیں اس کی محبت مجھے دیوانہ نہ بنا دے اور میں دیوانی تھی کب نہیں؟ کامیابی مجھے جو کچھ ہوئی وہ صرف ظاہر کے چھپانے میں، باطن پر میرا بس کبھی نہ چل سکا، جب اسے بیمار چھوڑ کر میں سینما گئی تھی تو کیا میں نے پکچر دیکھی تھی؟ وہ پکچر تو بڑی ہنسانے والی تھی، لوگ تھے کہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوئے جا رہے تھے، مگر میرا دامن آنسوؤں سے تر کیوں ہو گیا تھا؟

بیٹی ماں سے ہمیشہ کے لئے بچھڑ گئی، ماں بیٹی سے ہمیشہ کے لئے چھوٹ گئی، جیتے جی،

دن دھاڑے!

وہ سوچنے لگی،

کیا کیا سوچا تھا میں نے پروین کے لئے؟

یوں پڑھے گی،

یوں بڑھے گی، ——!

اس طرح جوان ہو گی!

اس طرح بیاہی جائے گی ——!

اور زندگی کے ان تمام مرحلوں پر میں اس کے ساتھ ہوں گی، زندگی کے ہر مرحلے

پر وہ میری انگلی پکڑ کر چلے گی،

اور پھر اس نے سوچا!

لیکن پروین یہاں رہ کر بھی میری کب تھی؟

ان ابتدائی سالوں کے علاوہ ماں کی شفقت سے اس نے پایا کیا؟ اسے ملا کیا؟

کچھ نہیں؟

سوا مار پیٹ کے، ڈانٹ ڈپٹ کے، نفرت اور حقارت کے، اور وہ بگڑی بگڑی

سی گھٹی گھٹی سی رہا کرتی تھی، وہ نمونیہ میں مبتلا ہوئی، اور میں سینما دیکھنے چلی گئی، وہ گر پڑی،

اور لہو لہان ہو گئی۔ میں نے اور مار اکو گری کیوں؟ اور پھر بھی میرے سینے کے اندر گھسی

کیا زندہ رہنے کا دلولہ ابھی باقی ہے مجھ میں ؟

کیا میں زندہ رہنا چاہتی ہوں ؟

کیوں ؟

کس کے لئے ؟

نہیں !

میں زندہ رہنا نہیں چاہتی، میں مرجانا چاہتی ہوں، یہ زندگی مجھے راس نہ آئی، موت ہی مجھے راس آسکتی ہے، زندگی سے میری دوستی ایک پل کے لئے بھی نہ نبھ سکی ۔ لیکن موت ہے کہاں ؟ وہ آتی کیوں نہیں ؟

میری باہنیں اس کے گلے کا ہار بننے کے لئے بیقرار ہیں !،

میری آنکھیں اس کا جلوہ دیکھنے کے لئے تڑپ رہی ہیں !

اور پھر وہ یک بیک اٹھ بیٹھی، سامنے میز پر ایک چھوٹی سی تصویر پروین کی، رکھی تھی اسے اٹھاکر اس نے کلیجہ سے لگالیا، آنکھوں سے لگایا، اور بے تحاشا رونے لگی، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اب یہ آنسو تھمنے میں نہیں آئیں گے، یہ جھڑی اب کسی کے روکے نہیں رکے گی !

نہ جانے وہ کب تک روتی رہی، اور روتے روتے سوگئی، پروین کی تصویر اس کے سینہ پر تھی اور اس کی یاد دل میں !

سہ پہر کو اس کی آنکھ کھلی وہ آنکھیں ملتی ہوئی اٹھ بیٹھی، گھڑی دیکھی تو سوئی

ونگ تہقہے لگا رہے تھے، مگر میری ہچکیاں روتے روتے کیوں نہیں رکتی تھیں؟

اس روز جب وہ گر پڑی تھی اور اس کے خون بہنے لگا تھا، بے شک میرے منحوس ہاتھوں نے، خدا انہیں غارت کرے، اسے مارا تھا،

کیوں؟

تاکہ ماں کی مامتا سے وہ کوئی آس نہ رکھے، ماں کو اپنے درد کا مداوا نہ سمجھے، لیکن کیا وہ میں ہی نہیں تھی جس نے کمرہ میں واپس آکر انہی ہاتھوں کو جنہیں کبھی یادش بخیر محمود صاحب ریشمی اور مخملی کہا کرتے تھے کتنے زور زور سے سیمنٹ کی پختہ دیواروں پر کتنی بے دردی کے ساتھ پٹخا تھا اور اس سے کچھ زیادہ ہی تکلیف اٹھائی تھی، جتنی، میری پردین کو پہنچی تھی اور اس سے کچھ زیادہ ہی روئی تھی، جتنی وہ میری ننھی سی بچی، روئی تھی!

جب بھی میں نے اسے کوئی تکلیف دی، اس سے زیادہ اپنے آپ کو دے لی، جتنا اسے رلایا، خود اس سے زیادہ روئی، وہ ذرا دیر رو کر بھول گئی، سب کچھ ہنسنے کھیلنے لگی، لیکن میں گھنٹوں اور پہروں اپنی باتیں اور اس کی تڑپ یاد کر کے کڑھتی رہی، ہلکان ہوتی رہی!

اور اب وہ چلی گئی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں اس سے زیادہ کسی کو چاہتی ہی نہیں جیسے میں اس کے بغیر زندہ ہی نہیں رہ سکتی،

ایں کیا کہا؟

کسی قدر برہمی کے ساتھ سلیم نے کہا "عذرا تم واقعی بیوقوف ہو، تمہاری قابلیت، ذہانت، شائستگی، معاملہ فہمی، ضبط و تحمل، ان سب چیزوں کو دیکھ کر میرا یہ عقیدہ ہو گیا تھا کہ مرد اور عورت برابر ہوتے ہیں، دونوں کی ذہنی سطح یکساں ہوتی ہے کوئی فرق نہیں ہوتا دونوں میں ——— لیکن تمہاری تازہ دم اور نو بہ نو حماقتوں کو دیکھ کر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ عورتیں واقعی ناقص العقل ہوتی ہیں۔ جب تم اس مرض سے محفوظ نہ رہ سکیں تو پھر کون محفوظ رہے گا؟"

وہ مسکراتی ہوئی بولی "کیوں کیا ہوا بھیا، آپ تو خواہ مخواہ برس پڑے مجھ پر!"

وہ ذرا غصہ سے بولا "خواہ مخواہ برس پڑا یا تم سے کوئی حماقت سرزد نہیں ہوئی؟ تم نے کوئی غلطی نہیں کی؟"

"مجھے تو نہیں معلوم، بتایئے!"

"بتاؤں کیا خاک؟ ——— آخر پر دین کو وہاں بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ جس طرح وہ اس مرتبہ آیا تھا ناک رگڑتا ہوا، اسی طرح وہ ہزار بار آتا، لاکھ بار آتا!"

"لیکن وہ بار بار نہ آتیں۔ اسی لئے تو میں نے انہیں پر دین بخش دی!"

"یہ بھی خوب رہی، نہ آئیں تو اپنے گھر بیٹھیں، آخر پر دین کو بھیجنے کا کیا تک تھا؟"

"کیوں نہیں تھا؟ ——— لڑکی انہی کی تو تھی؟"

"وہی دقیانوسی باتیں ——— بہرحال تم نے بہت بڑی غلطی کی ———

چارپر تھی! اس نے جلدی سے منہ ہاتھ دھویا، ملازمہ نے پوچھا " چائے لے آؤں؟"

وہ بولی "نہیں!"

اور پھر وہ کہیں باہر جانے کی تیاری کرنے لگی، اتنے میں کیا دیکھتی ہے کہ سلیم صاحب تشریف لا رہے ہیں، سلیم کی وہ عزت بھی کرتی تھی، اور لحاظ بھی، اسے آتا دیکھ کر وہ بیٹھ گئی، سلیم بے فکری سے بیٹھ گیا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا، تھوڑی دیر کے بعد اس نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی اور کہا "آج پردین کہاں ہے؟"

وہ بولی "وہ تو گئی!"

سلیم نے پوچھا "کہاں؟"

عذرا نے کہا "اپنے گھر!"

"کیا اسے محمود لے گیا؟"

"ہاں ———— بھیج دیا میں نے!"

"یہ کیا لغویت ہے، آخر کیوں؟"

"وہ پرائی چیز پر کب تک زبردستی قبضہ جمائے رکھتی! تھی بہرحال وہ انہی کی، وہ بار بار بھکاری بن کر آئے، اور آخر میں نے پردین کی صورت میں بھیک کا ٹکڑا ان کی جھولی میں ڈال دیا۔ روتے ہوئے آئے تھے، ہنستے ہوئے گئے!"

کچھ سوچتے ہوئے سلیم نے کہا "لیکن یہ تم نے کیا کیا؟"

کہنے لگی "کچھ غلط کیا؟"

"لیکن خدا کی بندی تمہارا پلہ تو بھاری رہتا، حضرت تم سے دبے تو رہتے!"

"بجیا آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں آج؟ میری سمجھ میں نہیں آتیں یہ باتیں!"

جل کر سلیم نے کہا "مفت میں پروین مل گئی اسے، پلی پلائی لڑکی —— دیکھ لینا تھوڑے ہی عرصہ میں کسی سے پھر عشق لڑائے گا اور شادی کرے گا!"

"کرلیں مجھے کیا!"

"پھر پروین کی وہ گت بنے گی کہ روتے نہیں بن پڑے گی!"

"مجھے کیا ضرورت ہے باپ بیٹی کے معاملہ میں ٹانگ اڑانے کی وہ جانیں اور پروین جانے، چاہیں آرام دیں، چاہیں دکھ پہنچائیں، —— اور اگر دکھ پہنچائیں گے بھی تو کہاں تک؟ مجھ سے زیادہ تو نہیں، آپ تو گواہ ہیں، میں نے کیسی کیسی اذیتیں دی ہیں اسے —— یہاں سے تو بہر حال مزے میں رہے گی۔"

سلیم نے کہا "مجھے نہ بیوقوف بناؤ، سب سمجھتا ہوں؟ کیا تم اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کہ میں صرف تمہارا ظاہر دیکھتا ہوں، باطن نہیں دیکھتا!"

عذرا اس طرح شرما گئی جیسے چور چوری کرتا ہوا پکڑا جائے،

"دیکھتے ہوں گے، مجھے تو دونوں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا!"

"بہت عظیم فرق ہے دونوں میں!"

"آپ نے کیسے جانا، مجھے بھی بتلایئے!"

"تم نے پروین سے کبھی بھی نفرت نہیں کی، تم ہمیشہ اسے چاہتی رہیں، جان چھڑکتی

ایک بہترین موقع کھو دیا!"

"موقع؟ موقع کیسا؟"

"کچھ خبر بھی ہے تمہیں؟"

"نہیں، بتائیے!"

"ماہ پارہ بیچاری مرگئی!"

"ہاں معلوم ہے!"

"اس کی لاکھوں کی جائیداد محمود کو مل گئی!"

"مل گئی ہوگی!"

"اور حضرت خود بھی لکھ پتی سے کم نہیں!"

"یہ بھی سچ ہوگا!"

"کاروباری ذہنیت رکھنے والے آدمی سے یہی تو موقع تھا سودا کرنے کا!"

"کیا کرتی میں؟"

"کہتیں، سب کچھ لکھ دو میرے نام، تب پردین ملے گی تمہیں، وہ اس وقت پردین کا ایسا دیوانہ بنا ہوا تھا، واقعی سب کچھ لکھ دیتا تمہارے نام!"

"لیکن یہ میں کیوں کرتی؟ مجھے ضرورت کیا تھی دوسرے کا مال اپنے نام کر... کی؟ جتنا کھانا اب کھاتی ہوں اتنا ہی اس کے بعد بھی کھاتی، جو اب پہنتی ہوں ... تب بھی پہنتی!"

سلیم نے مسکراتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "محمود کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے ؟"

وہ بے رخی سے بولی "کچھ بھی نہیں !"

"آخر کچھ تو ؟"

"کہہ تو دیا کچھ نہیں"

"میں بتاؤں ؟"

ڈرتے ڈرتے بولی "بتایئے !"

وہ بولا "یہی کہ تم اب تک نفرت نہیں کر سکیں اس سے، بلکہ اجازت دو تو صاف الفاظ میں کہہ دوں، اب تک وہ شیطان تمہارے دل پر حکومت کر رہا ہے !"

وہ بگڑ گئی،

"غلط بالکل غلط !"

سلیم نے کہا "کاش غلط ہو، وہ نالائق واقعی اس قابل نہیں کہ تم جیسی بلند پایہ عورت اسے چاہے، تم نے اپنی زندگی برباد کر لی اس کے لئے، اور وہ مزے کرتا رہا، تم ہارتی رہیں اور وہ جیتتا رہا، اور اب یہ آخری پانسہ قسمت نے جو پھینکا، وہ .. تمہارے لئے ڈان پڑا، تم ہار گئیں، وہ جیت گیا، تم نے سب کچھ کھو دیا اس نے سب کچھ پا لیا، پروین تمہاری تھی، جسے تم نے خون جگر سے پالا تھا، وہ تمہاری نہ رہی، اس کی ہو گئی، جس نے کبھی اس کی بات تک نہ پوچھی تھی !——— یہ اگر محبت نہیں

رہیں اس پر، ہر وہ مار جو تم نے پر دین کو ماری اس کے جسم پر پڑی اور تمہارے دل پر! ہر وہ تکلیف جو تم نے پر دین کو پہنچائی، وہ رو رو دھو کر بھول گئی اور تم اسے یاد کر کر کے روئیں، اور جل تھل ایک کر دیئے، تم نے اسے اس لئے نہیں مارا کہ تم اس سے نفرت کرتی تھیں، اس لئے مارا کہ تم اپنی محبت کو چھپانا چاہتی تھیں اس سے بھی، چشم خلق سے بھی، اور اپنے آپ سے بھی ——— کہئے کیسی پتہ کی باتیں کر رہا ہوں؟ قائل ہوئیں میری ولایت کی؟"

سلیم کے ایک ایک لفظ سے عذرا ابھی جا رہی تھی، وہ دل ہی دل میں حیران تھی میرے دل کا چور اس نے کیسے پکڑ لیا؟

کہنے لگی "آج تو آپ کی طبیعت بہت حاضر ہے؟"

سلیم نے کہا "ہاں، لیکن سچ کہنا، کتنا صحیح انکشاف کیا ہے میں نے؟"

وہ بولی "چھوڑیئے یہ ذکر، کچھ اور باتیں کیجئے!"

سلیم نے کہا "میرے انکشاف کو صحیح مان لو، نہیں مانو گی تو تم جانتی ہو اس وقت طبیعت حاضر ہے، کچھ اور انکشافات کا سلسلہ شروع کر دوں گا!"

عذرا کا دل یہ بات سن کر دھڑکنے لگا، لیکن وہ مسکرائی اور بولی "کیجئے! تو مجھے اشتیاق پیدا ہو چلا ہے!"

"سچ کہتی ہو؟"

"ہاں بالکل سچ!"

کوئی بے وقوف آدمی ہوتا تو وہ بھی اسی نتیجہ پر پہنچتا جس پر میں پہنچا ہوں !"

عذرا نے کہا "آپ کو غلط فہمی ہے، آپ غلط سمجھے ہیں، اگر آپ کا خیال صحیح تھا، تو بتایئے، میں کیوں نہیں چلی گئی عذرا کے ساتھ؟ جس اصرار کے ساتھ وہ پردین کو لے گئے ہیں اس سے زیادہ التجا کے ساتھ وہ مجھے بھی تولئے جا رہے تھے !"

"اور تم نے جانے سے انکار کر دیا !"

"ہاں بالکل صاف الفاظ میں !"

"یہ ایک اور حماقت سرزد ہوئی، آپ سے لیکن ایک حد تک قابل معافی!"

"یعنی کیا مطلب آپ کا؟"

"جب وہ تمہیں لئے جا رہا تھا، تو میرے خیال میں تمہیں چلا جانا چاہیئے تھا، لیکن تم نے اب تک جو ظاہری طرزِ عمل اختیار کر رکھا تھا، اس کا تقاضہ یہی تھا کہ نہ جاتیں، اس لحاظ سے نہ جانا بھی اچھا ہی ہوا !"

عذرا نے کہا "بڑی دور کی کوڑی لائے آپ، خود ہی رائے قائم کرتے ہیں خود ہی اس کے وجوہ ایجاد کر لیتے ہیں ——— لیکن میں پھر کہتی ہوں، آپ نے جو رائے قائم کی ہے، وہ صحیح نہیں ہے !"

"یہ نہ کہو، صحیح نہیں ہے، یہ کہو، میں اسے مانوں گی نہیں ——— صرف چند الفاظ کے الٹ پلٹ سے بات بالکل صاف ہو جائے گی !"

"آپ جو چاہیں سمجھیں، آپ کو منع کون کر سکتا ہے، میرے دل کے اطمینان کے

تو کیا چیز ہے؟ اسے نفرت کہہ سکتے ہیں بھلا؟ وہ کون سا جذبہ تھا جو پردین پر بھی غالب آگیا اور اسے تک تم نے سونپ دیا، اس کے معنی جانتی ہو کیا ہوئے؟"

"نہیں، بتلایئے!"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم محمود کو پردین سے بھی زیادہ چاہتی ہو یہ خیال میرے دل میں عرصے سے گردش کر رہا تھا لیکن یقین آج آیا، اور اس طرح آیا کہ اب وہ کبھی متزلزل نہیں ہو سکتا!"

"آج کیا بات ہوئی؟"

"یہی کہ وہ پردین کو لے گیا، کیسے جانے دیا تم نے؟ کیسے دے دیا تم نے اس طرح پر دین کی مستقل جدائی برداشت ہوئی تم سے؟ تم اسے ایک منٹ کے لئے بھی اپنے سے جدا نہیں کر سکتی تھیں، پھر یہ کیسے ہوا کہ وہ چلی گئی، اور تم نے خود اسے بھیج دیا، اس سارے کام کی تہ میں صرف ایک جذبہ کام کر رہا تھا، اور وہ یہ کہ تم سے محمود کا رونا نہیں دیکھا گیا؟ تم اس کی تکلیف نہیں برداشت کر سکیں، اس کی ذہنی اور قلبی اذیت دیکھ کر تڑپ اٹھیں، اور اپنے جگر کا ٹکڑا اس کے حوالہ کر بیٹھیں کہ لٹیرے! جس طرح میری ہر چیز پر تو نے ڈاکہ ڈالا، اس آخری پونجی پر بھی ڈاکہ ڈال اور اسے چھین لے مجھ سے، میرا کام صرف یہ ہے کہ لٹتی رہوں، اور تیرا کام صرف یہ ہے کہ لوٹتا رہے، میں اپنے کام میں کوتاہی نہیں کروں گی، تو اپنے کام میں سستی نہ کر! پردین کو دے کر تم نے خود سارا پول کھول دیا! میں تو کیا میرے

وہ بولا "اچھا تو معاف کر دو !"

"میں نے معاف کر دیا، لیکن شرط یہ ہے کہ اب ایسی باتیں نہ چھیڑیئے گا کبھی !"

بڑے اثر انگیز پیرائے میں اس نے جواب دیا،

"تمہاری خاطر مجھے منظور ہے، اب یہ باتیں نہیں کروں گا ——— لیکن جانتی ہو، انہیں میں نے کیوں چھیڑا تھا ؟"

وہ بولی "نہیں جانتی !"

سلیم نے کہا "صرف اس لئے کہ تمہارا دل تمہارے سامنے کھول کر رکھ دوں تم، اپنے دل کی ماہیت سے واقف ہو جاؤ، اور اس سے سبق لو !"

"وہ کس طرح ؟"

"محمود کے سنبھلنے کا، اسے سنبھلنے کا، اس کے راہ راست پر آنے کا، اسے راہ راست پر لانے کا یہ بہترین وقت ہے، جب تم اس سے محبت کرتی ہو، تو کیوں نہ پر دین، کی طرح اپنے تئیں بھی اس کے حوالہ کر دو ؟ اس کی زندگی بھی بن جائے گی تمہاری زندگی بھی سنور جائے گی، اور پر دین کا مستقبل بھی روشن سے روشن تر ہو جائے گا !—

محض خودداری اور ضد پر اپنی پر دین کی اور محمود کی زندگی برباد نہ کرو !"

صندرا سنبھل بیٹھی،

"آپ کی اس عنایت کا شکریہ، لیکن ظاہر ہے یہ مشورہ میں قبول نہیں کر سکتی، آپ پوچھیں گے کیوں ؟"

لئے یہ کافی ہے کہ میں غلط نہیں کہتی!"

سلیم نے سنجیدگی کے ساتھ کہا: "ایک بات اور بھی ہو سکتی ہے!"

"خدا خیر کرے، اب تو آپ کی باتوں سے ڈر لگنے لگا ہے فرمائیے، وہ کون سی بات ہے؟"

"وہ یہ کہ محمود سے تمہیں محبت ہے، لیکن اس محبت کے برخلاف تم نے اپنے دل کو اتنا جھنجھوڑا ہے کہ تمہیں خود یہ غلط فہمی ہو گئی ہو کہ تم اسے نہیں چاہتیں، نفرت کرتی ہو اس سے!"

وہ عاجز آ کر بولی: "خدا کے لئے یہ باتیں اب نہ کیجئے، مجھے وحشت ہونے لگی ہے ان سے!"

سلیم کچھ اور کہنا چاہتا تھا، مگر عذرا نے اسے روکا اور کہا: "اگر آپ یہ تذکرہ نہیں چھوڑیں گے تو سچ کہتی ہوں رونے لگوں گی،

بس اے ہمدم مری آنکھوں میں آنسو آئے جاتے ہیں

سلیم چپ ہو گیا!"

بڑی دیر تک گم صم، اور خاموش بیٹھا رہا، پھر اس نے کہا: "عذرا تم نے میری باتوں کا برا مانا؟"

عذرا کی آنکھوں میں آنسو لبالب بھرے ہوئے تھے، اس نے کہا: "ہاں بھیا یہ باتیں مجھے بہت بری لگیں!"

تک خیر منائے گی، آج نہیں تو کل وہ اپنے باپ کو پہچان لے گی، اور پھر مجھ سے بھی بدظن ہوجائے گی میں اس کی بدظنی سے بچنا چاہتی تھی، میں اس کی رغبت کے راستے میں پتھر بن کر حائل ہونا نہیں چاہتی تھی، لہٰذا میں نے وہی کیا جو بڑا مشکل کام تھا؛ لیکن بہ حیثیت ماں کے مجھے کرنا ہی چاہیئے تھا!"

سلیم غور سے عذرا کی باتیں سنتا رہا، پھر بولا: "تمہارے ان خیالات نے میرے دل میں تمہاری عزت اور زیادہ بڑھا دی، کاش اس بے حس انسان پر بھی اس جذبہ کو طلب کا کچھ اثر ہو!"

"پھر آپ نے ان کا تذکرہ شروع کر دیا، آخر آپ ہر پھر کر اسی موضوع پر کیوں آجاتے ہیں؟ کیا کوئی اور موضوع ہی نہیں بات چیت کے لئے؟"

سلیم نے کہا: "وعدہ کر چکا ہوں، اس پر قائم رہوں گا، اب اس سلسلہ میں کچھ نہیں کہوں گا، لیکن عذرا بہن مجھے غلط نہ سمجھو، میں نے جو کچھ کہا خلوص سے کہا، دوستی اور خیرخواہی کے جذبے سے کہا!"

وہ بولی: "اسے مانتی ہوں، اسی لئے تو آپ جو کچھ تلخ، ترش، شیریں کہتے ہیں چپ چاپ سن لیتی ہوں،

لیکن بھیا، صبر کی بھی ایک حد ہوتی ہے، میں بھی اگر بے بس ہو جاؤں، اور ابل پڑوں تو معاف کر دیا کیجئے!"——!

——— ※ ———

"ہاں ضرور پوچھوں گا!"

وہ بولی: "اس سوال کا جواب میرے پاس صرف ایک ہی ہے ——— فرض کر لیجئے آپ نے جو کچھ کہا صحیح کہا، یعنی میں محمود سے نفرت نہیں کرتی، محبت ہی کرتی ہوں، پھر بھی اب میں اور محمود مل نہیں سکتے، ہم دونوں کے درمیان جو خلیج پیدا ہو چکی ہے وہ اتنی وسیع ہے کہ اسے پروین بھی نہیں پاٹ سکتی! ——— ہم دونوں دور رہیں، اور دور ہی رہیں گے، یہی ہمارے لئے بہتر ہے، یہی پروین کے لئے مفید ہے ——— پھر پوچھئے کیوں ———!"

"ہاں پھر پوچھتا ہوں بتاؤ!"

"پروین ہم دونوں میں سے ایک ہی کے پاس رہ کر سنور سکتی ہے، ہم دونوں کے پاس رہے گی تو دو ملاؤں میں مرغی حرام والی مثل صادق ہو جائے گی، میرا راستہ اور ہے، محمود کا اور ہم میں سے ایک کے پاس رہے، تو اسی کے راستہ پر آنکھ بند کرکے چلے گی، نرم لکڑی ہے آسانی سے جس طرح چاہیئے موڑ لیجئے، لیکن اگر ہم ساتھ رہیں، تو وہ سخت ترین ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو جائے گی، کبھی وہ ماں کی طرف جھکے گی، کبھی باپ کی طرف ممکن ہے اس کشمکش کا اثر اس کی صحت اور مزاج پر بھی پڑے میں نے اسے بہت دکھ پہنچایا ہے، لیکن اب اور زیادہ نہیں پہنچانا چاہتی، اسی لئے میں نے اس کی جدائی گوارا کر لی۔ حالانکہ آپ جانتے ہیں، کوئی ماں بھی ایسا نہیں کر سکتی، میں نے محسوس کر لیا تھا وہ اپنے باپ کی طرف مائل ہے، میں نے سوچا، بکرے کی ماں کب

خدا موجود ہو، رہ رہ کے محمود کے دل میں یہی خیالات آرہے تھے، بار بار وہ یہی سوچ رہا تھا، لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا، عنقا کا ملنا آسان ہے، مگر عذرا کا پانا محال، دنیا کی ہر چیز سعی و طلب کے بعد مل سکتی ہے لیکن عذرا نہیں مل سکتی، وہ کسی کی ہو جاتی ہے تو پھر اسے چھوڑتی نہیں، اور چھوڑ دیتی ہے کسی کو تو پھر اس کی صورت دیکھنے کی بھی روا دار نہیں ہوتی، پہلے اس نے مجھ سے محبت کی اور ایسی بے پناہ کہ میں نے جو مانگا وہ پایا، جو چاہا وہ ہوا، میرے لئے اس نے بدنامی سہی، رسوائی مول لی، عزیزوں کو دشمن بنایا، رشتہ داروں سے لڑائی مول لی، اپنے درجنوں ہوا خواہوں اور جاں نثاروں کو ٹکا سا جواب دے دیا، اور جب وہ میری لغزشوں کی تاب نہ لاسکی تو نفرت کرنے لگی، کیا اب دنیا میں کوئی ہستی ہے جو عذرا کی نفرت کو ایک مرتبہ، صرف ایک بار محبت سے بدل دے؟ میں اسے اپنی ساری دولت دے دوں گا یہ مکان، یہ روپیہ، یہ فرنیچر، یہ باغ و چمن، ہر چیز، مجھے صرف عذرا مل جائے، بس میرے لئے یہ کافی ہے

آہ ——— میں نے اس کا کتنا دل دکھایا ہے؟ کتنا پریشان کیا ہے اسے؟ کامل ۹ سال تک وہ میری بے رخی جھیلتی رہی میری بے اعتنائی سہتی رہی، میں نے اس کی طرف رخ بھی نہ کیا، میں نے اس کی بات بھی نہ پوچھی، میں نے کوئی وعدہ پورا نہ کیا، میں نے اس سے نکاح تک نہ کیا اور وہ میری بچی کی ماں بھی بن گئی۔ کیا میرے ان کارناموں کے بعد بھی وہ نفرت نہ کرتی مجھ سے؟ اس کی نفرت بجا ہے، میں نفرت ہی کا مستحق ہوں، میں اپنی کوئی صفائی نہیں دینا چاہتا، دوں بھی کیا؟ لیکن اسے کیا

(۱۵)

اَور وہاں؟

محمود خوش خوش پروین کو لے کر گھر پہنچا اور پروین کے آتے ہی یہ اجڑا ہوا گھر پھر مسرت و شادمانی سے بس گیا، جہاں مایوسی اور ناکامی کی آندھیاں چلتی تھیں وہاں بادِ مراد چلنے لگی۔

پروین آگئی،

سب کچھ آگیا، سب کچھ مل گیا، سب کچھ پالیا !!

کئی دن گذر گئے۔

اور اب محمود کو ایک خلا سا محسوس ہو رہا تھا ایک کمی سی محسوس ہو رہی تھی۔

یہ کیوں ؟

یہ کیا ؟ ——— ؟

کیا جب تک عذرا نہ مل جائے یہ خلا نہیں پورا ہو سکتا یا یہ کمی دور نہیں ہو سکتی کیا عذرا کے بغیر پروین کا وجود بھی بیکار ہے ؟ پروین کا لطف بھی اس وقت ہے جب

محمود نے ان چند دنوں میں جان چھڑک کر پردین کو سنبھالا تھا، اس نے پوچھا "تجھے وہاں پہنچا دوں؟"

اس نے جواب دیا "جی ——— میں وہیں رہوں گی ممی کے پاس!"

یہ الفاظ نہیں تھے، ایک بہت بڑا گھونسہ تھا جو براہ راست محمود کے قلب ناتواں پر لگا اور جس نے اسے، اس کے دماغ کو، اس کے دل کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا، اس نے پوچھا "بیٹی تو وہاں رہے گی؟"

وہ آنسو پونچھتی ہوئی کہنے لگی "جی وہیں ——— یہاں میرا جی نہیں لگتا بالکل!"

یہ ایک اور چرکہ تھا جو محمود کے زخم دل پر لگا، اس نے پوچھا "یہاں تیرا جی نہیں لگتا میری بیٹی؟"

اس نے کہا "نہیں، ممی کے بغیر مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا ———! میں تو وہیں جاؤں گی!"

"اور اگر وہ یہاں آجائیں!"

خوش ہو کر بولی "پھر رہوں گی!"

"تو ذرا اور صبر کرو۔ وہ جلد آجائیں گی!"

بے ساختہ پردین کے منہ سے نکلا،

"آخر کتنے دنوں میں آئیں گی وہ؟"

کروں کہ اسکے بغیر زندگی گذرتی نظر نہیں آتی، لطف نہیں آتا زندگی میں، ہائے غالبؔ نے میرے ہی لئے کہا ہے،

کام اس سے آپڑا ہے کہ جس کا جہان میں
لیوے نہ کوئی نام ستمگر کہے بغیر

وہ اسی سوچ میں بیٹھا تھا کہ پردین آگئی، آنکھوں میں آنسو اور ہونٹ لرزتے ہوئے!

پردین کو اس حالت میں دیکھ کر محمود سہم گیا دل دھڑکنے لگا اس کا زور زور سے، اس نے اسے پیار کیا اور گود میں بٹھالیا، پوچھا "کیا ہے بیٹی؟"

پردین نے حسرت بھری نظروں سے باپ کو دیکھا، اس کے لرزتے ہوئے ہونٹ ایک مرتبہ ہلے،

"ممی ———!"

اس سے زیادہ وہ کچھ نہ کہہ سکی، اور سسکیاں لے لے کر رونے لگی،

محمود نے اسے کلیجہ سے لگا لیا اور کہا "بیٹی روتے نہیں، آجائیں گی تمہاری امی"

وہ کہنے لگی "کب آجائیں گی، روز تو آپ یہی کہہ دیتے ہیں!"

بڑی بے بسی اور بیکسی کے عالم میں محمود نے کہا "بیٹی ہر روز ان کے آنے کی امید بندھتی ہے اور پھر ٹوٹ جاتی ہے میں کیا کروں؟"

وہ بولی "وہ نہیں آتیں تو مجھے وہاں لے چلئے پہنچا دیجئے وہیں مجھ کو!"

وہیں بھی پانچ چھ روز میں !"

وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی "تو پانچ چھ روز کے لئے وہاں ممی کے پاس پہنچا دیجئے ، میں ان ہی کے ساتھ آجاؤں گی !"

پروین نے یہ ایسی بات کہدی کہ وہ بہترین وکیل ہونے کے باوجود لاجواب ہوگیا ، سر کھجانے لگا اور اس ٹیڑھے سوال کا جواب کیا دے ؟ بظاہر کتنی معقول بات تھی ، پانچ ہی چھ دن کا تو معاملہ تھا نہ انکار ممکن تھا نہ اقرار - اور وہ باپ کو خاموش دیکھ کر پرنم آنکھوں کے ساتھ بڑی لجاجت اور منّت سے کہنے لگی "میں ضرور آجاؤں گی ممی کے ساتھ !"

اس یقین دہانی نے ، بیچارے محمود کی پوزیشن اور نازک کر دی ، آخر وہ کیا جواب دے ؟ اور لڑکی تھی کہ حسرت بھری نظریں باپ کے چہرہ پر گاڑے جواب کا انتظار کر رہی تھی ، قریب تھا کہ محمود کی آنکھوں میں بھی پروین کی طرح آنسو بھر آئیں کہ قدرت نے اس کی مشکل آسان کر دی ، نہ جانے کیسے سلیم گھومتا گھامتا پہنچ گیا اور آتے ہی پروین کو محمود کی گود سے گھسیٹ کر اپنی گود میں بٹھالیا ، پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پوچھا "کیوں پروین اچھی تو ہو ؟"

اس نے تائید میں گردن ہلادی ،

پھر سلیم نے کہا "بہت خوش ہو یہاں ؟"

اس سوال کا جواب بھی پروین نے اثبات میں دیا ،

سلیم نے دریافت کیا،

"بیٹی ایک بات تو بتاؤ!"

وہ سوالیہ نظروں سے سلیم کو دیکھنے لگی اور سلیم نے بڑے اطمینان سے یہاں کے حالات اور ماحول کا ذرا ابھی اندازہ کئے بغیر پوچھا "ممی تو نہیں یاد آتیں؟"

وہ خاموش نہ رہ سکی!

وہ انکار نہ کر سکی ——— !

کہنے لگی "وہ آتی ہیں!"

سلیم نے حیران بن کر پوچھا "ارے، یاد آتی ہیں تمہیں وہ؟"

وہ بولی، اور تقریباً روہانسی ہو کر بولی "ہاں بہت!"

سلیم اس کی کیفیت کا اندازہ اب بھی نہ کر سکا،

"ممی کے پاس جانے کا جی چاہتا ہے؟"

"ہاں، بہت!"

"چلو گی ان کے پاس؟"

وہ اس کی گود سے اتر کر کھڑی ہو گئی اور بڑی آمادگی کے ساتھ بولی "چلئے!"

اب سلیم صاحب کی طراری بھی رخصت ہو گئی، معاملہ اس حد تک پہنچ جائے گا، اس کا انہیں اندازہ بھی نہیں تھا، سر کھجاتے ہوئے کہنے لگے "ضرور چلیں گے بیٹی، لیکن ابھی نہیں!"

اس نے خفا ہو کر پوچھا "پھر کب؟"

وہ بولا "شام کو چلیں گے!"

سلیم نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا "بیٹے اس وقت تو میرے پیٹ میں بڑے زور کا درد ہو رہا ہے، میں ڈاکٹر کے ہاں جا رہا ہوں، وہاں سے واپس آؤں تو چلیں" اور وہ پیٹ پکڑ کر اس طرح بیٹھ گیا، جیسے واقعی بہت درد ہو رہا ہے، یہ کیفیت دیکھ کر پروین نے ضد ترک کر دی،

"لیکن شام کو ضرور چلئے گا!"

وہ اطمینان دلاتا ہوا بولا "ضرور چلیں گے، ——— چلیں گے کیسے نہیں واہ!"

ذرا دیر کے بعد پروین اپنے کمرہ میں واپس چلی گئی، محمود نے کہا "اب بھی نہیں مانوگے کہ تم اوّل درجہ کے بیوقوف ہو؟"

"یہ تو خیر مبالغہ اور مغالطہ ہے ——— لیکن یہ مانتا ہوں کہ غلطی ضرور ہوئی مجھ سے!"

محمود نے جل کر کہا "تو مرے جائیے اسے پھر عذرا کے پاس!"

"مرے جاؤں؟"

"پھر کیا کروگے؟ ——— وہ تو رو رو کے ہلکان ہوتی جا رہی ہے کھانا بھی کم کھاتی ہے کھیل کود بھی بند کر رکھا ہے اس نے؟"

"واقعی؟"

"ہاں بھئی!"

"تو گویا پردین کا جی نہیں لگا یہاں؟"

"کیسے لگ سکتا ہے!"

"کیوں نہیں لگ سکتا؟"

"انجان نہ بنو —— جانتے تو ہو وہ ماں کو کتنا چاہتی ہے"

"ہاں جانتا ہوں —— لیکن میرا خیال تھا یہاں آکر وہ ماں کو بھول گئی ہوگی!"

"بالکل نہیں بھولی —— اس جدائی نے اس کی یاد اور بڑھا دی ہے!"

"یہ تو بڑا ٹیڑھا سوال پیدا ہو گیا!"

"میں بھی تمہارے آنے سے پہلے یہی سوچ رہا تھا —— بتاؤ اب کیا ہوگا؟"

"میں کیا جانوں بھئی، تم جانو، تمہاری پردین جانے!"

"اگر عذرا یہاں نہ آئی، یا پردین وہاں نہ گئی تو مجھے اندیشہ ہے کہیں یہ چھوکری بیمار نہ پڑ جائے!"

"ارے یار بہلاؤ پھسلاؤ، بچّہ تو ہے ہی، چند روز میں بھول بھی جائے گی، عذرا کون تھی اور کہاں تھی؟"

"واہ کہیں بھولی نہ ہو —— جس دن سے آئی ہے دن میں دس مرتبہ

پوچھتی ہے، ممی کب آئیں گی، جائیے انہیں بلا لائیے جاکر، اور آج تو باقاعدہ رونے لگی، وہ اپنی ممی کو یاد کر کے میں لاکھ لاکھ بہلاتا ہوں، سینما دکھاتا ہوں، تفریح کراتا ہوں، کھلونوں سے پورا کمرہ پاٹ دیا ہے میں نے، کہانیاں تک کہتا ہوں، لیکن ہر چیز سے دلچسپی تھوڑی دیر تک تو لیتی ہے، اور اس کے بعد پھر وہی ممی کی یاد ایسا معلوم ہوتا ہے عذرا نے جادو کر دیا ہے میری بچی پر!"

کچھ سوچتے ہوئے سلیم نے کہا: "جادو تو وہ کیا کرے گی؟ اس نے تو ہمیشہ اس لئے اس سے سخت برتاؤ کیا کہ وہ محبت نہ کرنے لگے کہیں، ——————

—— لیکن یہ احتیاطیں کام نہ آئیں، عذرا نے جتنی جتنی سختی کی پروین کی محبت اتنی ہی بڑھتی گئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے معاملہ عشق صادق کے درجہ تک پہنچ چکا ہے ——!"

"ہاں میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں!"

"تو آخر پھر کیا ہوگا؟ —— یہ گاڑی کس طرح چلے گی؟"

"کیا بتاؤں یار میری سمجھ میں نہیں آتا کچھ!"

"کچھ نہ کچھ تو سوچنا ہی پڑے گا، ورنہ لڑکی کی خیر نہیں!"

"تو پھر ہمت سے کام لو ایک بار پھر!"

"یعنی!"

"پھر کاسۂ گدائی ہاتھ میں لو اور پہنچ جاؤ گداگر بن کر عذرا کے در دولت پر

ہو رہا تھا۔ نعرہ زور زور سے ——— ہاں بھلا کر ترا بھلا ہو گا ——— اور
درویش کی صدا کیا ہے؟ ——— شاید آجائے رحم اس ظالم کو!"

محمود نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا "تمہارا کیا خیال ہے؟ ——— اگر میں
پھر کوشش کروں یعنی وہاں جاؤں پھر؟"

"وہی ہو گا جو پہلے ہو چکا ہے!"

"یعنی؟"

"آجائے گی راہ پر اور کیا!"

ایک ٹھنڈی سانس بھر کر محمود نے کہا "سلیم تمہاری رائے غلط ہے ———
پروین کو تو اس لئے اس نے میرے حوالہ کر دیا کہ وہ اسے اس لئے کہ میری اولاد ہے،
چاہتی نہیں تھی، اس نے سوچا چلو بلا ٹلی، لیکن اب تو معاملہ برعکس ہے!"

سلیم زور زور سے ہنسنے لگا!

محمود نے پوچھا "کیا تم سمجھتے ہو عذرا آجائے گی؟"

اس نے کہا "ہاں خیال تو میرا یہی ہے!"

محمود نے آہ سرد بھر کر کہا "محال، ناممکن!"

وہ بولا "نپولین کہتا تھا میرا اگر بس چلے تو لغت سے میں ناممکن کا لفظ کھرچ
کر پھینک دوں!"

"ہاں ——— لیکن نپولین کا انجام بھی معلوم ہے؟ ——— اس

نے خود اپنی آنکھوں سے ناممکن بات دیکھ لی ——— شکست کھائی ——— گرفتار ہوا ——— سات برس تک قید رہا ——— اور پھر دیارِ غیر میں بے کسی کی موت مرا ——— بتاؤ کیا ان میں سے ہر بات نپولین کے لئے ایک ناممکن نہیں تھی؟"

"نہیں ——— شکست ہوتی ہی رہتی ہے، گرفتار بھی بڑے بڑے جنرل میدانِ جنگ میں ہوئے ہیں، قید اور تنہائی و بیکسی کی موت بھی کوئی عجوبہ نہیں ہے اور ان میں سے کوئی بات بھی ناممکن نہیں ہے، ناممکن جو کچھ ہے وہ صرف ایک بات ہے!"

"کون سی بات؟"

"سچائی کی شکست!"

"کیا مطلب؟ ——— یہ کہاں سے کہاں پہنچ گئے دیوانے صاحب!"

"میں بالکل اپنے موضوع پر قائم ہوں ——— نپولین اپنے آپ کو سچا سمجھتا تھا اور وہ جانتا تھا سچائی کو ہرایا نہیں جا سکتا لہذا وہ ہار کر بھی جیت میں رہا ——— اس طرح اگر تم سچے ہو اور اپنے تئیں برسرِ حق سمجھتے ہو تو تمہیں بھی ہمت نہیں ہارنی چاہیئے انجام کار تمہاری فتح ہوگی، خواہ دنیا تمہیں شکست خوردہ کیوں نہ سمجھے"

محمود مسکرایا،

"اچھا تو یہ ہے جناب کا فلسفہ!"

"جناب! ——— بشرطیکہ آپ کے ناسمجھ دماغ نے سمجھ لیا ہو!"

محمود نے بے تکلف لہجہ میں کہا "یار سب کچھ جانتا ہوں لیکن یہاں معاملہ ہی دوسرا ہے!"

"وہ کیا؟"

"وہ یہ کہ جب اس کے سامنے پہنچتا ہوں تو ہاتھ پاؤں بھول جاتے ہیں، سٹی گم ہو جاتی ہے، بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں لیکن نہیں کہہ پاتا، نہ جانے کیا کیا سنانا چاہتا ہوں لیکن نہیں سنا پاتا، شاید اس لئے کہ حق پر وہ ہے۔ سچائی اس کے ساتھ ہے، میں ناحق ہوں سچائی میرے ساتھ دو قدم بھی نہیں چلتی۔"

سلیم نے پھر ایک قہقہہ لگایا،

"اچھا تو تم نے مان لیا یہ؟"

وہ بولا "ہاں ——— جہاں تک میرا اور عذرا کا تعلق ہے، میں یہی سمجھتا ہوں!"

سلیم نے مسکراتے ہوئے کہا "ایں ہم غنیمت است ——— اور اگر تم اپنی رائے پر قائم ہو تو میں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ تم جیت گئے!"

"میں جیت گیا؟"

"ہاں ——— آدھی جیت تو یہیں بیٹھے بیٹھے تم نے حاصل کر لی، باقی وہاں کی عذرا کے گھر!"

"کیوں میری شامت بلاتے ہو، میں سر کے بل بھی جاؤں، اور چھری سے سینہ

نے خود اپنی آنکھوں سے ناممکن بات دیکھ لی ـــــــ شکست کھائی ـــــــ گرفتار ہوا ـــــــ سات برس تک قید رہا ـــــــ اور پھر دیارِ غیر میں بے کسی کی موت مرا ـــــــ تباؤ کیا ان میں سے ہر بات نپولین کے لئے ایک ناممکن نہیں تھی؟"

"نہیں ـــــــ شکست ہوتی ہی رہتی ہے، گرفتار بھی بڑے بڑے جنرل میدانِ جنگ میں ہوئے ہیں، قید اور تنہائی و بیکسی کی موت بھی کوئی عجوبہ نہیں ہے اور ان میں سے کوئی بات بھی ناممکن نہیں ہے، ناممکن جو کچھ ہے وہ صرف ایک بات ہے!"

"کون سی بات؟"

"سچائی کی شکست!"

"کیا مطلب؟ ـــــــ یہ کہاں سے کہاں پہنچ گئے دیوانے صاحب!"

"میں بالکل اپنے موضوع پر قائم ہوں ـــــــ نپولین اپنے آپ کو سچا سمجھتا تھا اور وہ جانتا تھا سچائی کو ہرایا نہیں جا سکتا لہذا وہ ہار کر بھی جیت میں رہا ـــــــ اس طرح اگر تم سچے ہو اور اپنے تئیں برسرِ حق سمجھتے ہو تو تمہیں بھی ہمت نہیں ہارنی چاہیئے انجام کار تمہاری فتح ہو گی، خواہ دنیا تمہیں شکست خوردہ کیوں نہ سمجھے"

محمود مسکرایا،

"اچھا تو یہ ہے جناب کا فلسفہ!"

"جناب! ـــــــ بشرطیکہ آپ کے ناسمجھ دماغ نے سمجھ لیا ہو!"

محو نے بے تکلف لہجہ میں کہا "یار سب کچھ جانتا ہوں لیکن یہاں معاملہ ہی دوسرا ہے!"

"وہ کیا؟"

"وہ یہ کہ جب اس کے سامنے پہنچتا ہوں تو ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں، سٹی گم ہوجاتی ہے، بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں لیکن نہیں کہہ پاتا، نہ جانے کیا کیا سنانا چاہتا ہوں لیکن نہیں سنا پاتا، شاید اس لئے کہ حق پر وہ ہے۔ سچائی اس کے ساتھ ہے، میں ناحق ہوں سچائی میرے ساتھ دو قدم بھی نہیں چلتی۔"

سلیم نے پھر ایک قہقہہ لگایا،

"اچھا تو تم نے مان لیا یہ؟"

وہ بولا "ہاں ——— جہاں تک میرا اور عذرا کا تعلق ہے، میں یہی سمجھتا ہوں!"

سلیم نے مسکراتے ہوئے کہا "ایں ہم غنیمت است ——— اور اگر تم اپنی رائے پر قائم ہو تو میں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ تم جیت گئے!"

"میں جیت گیا؟"

"ہاں ——— آدھی جیت تو یہیں بیٹھے بیٹھے تم نے حاصل کر لی، باقی وہاں ملے گی عذرا کے گھر!"

"کیوں میری شامت بلاتے ہو، میں سر کے بل بھی جاؤں، اور چھری سے سینہ

نے خود اپنی آنکھوں سے ناممکن بات دیکھ لی ـــــــ شکست کھائی ـــــــ گرفتار ہوا ـــــــ سات برس تک قید رہا ـــــــ اور پھر دیارِ غیر میں بے کسی کی موت مرا ـــــــ بتاؤ کیا ان میں سے ہر بات نپولین کے لئے ایک ناممکن نہیں تھی؟"

"نہیں ـــــــ شکست ہوتی ہی رہتی ہے، گرفتار بھی بڑے بڑے جرنیل میدانِ جنگ میں ہوئے ہیں، قید اور تنہائی و بیکسی کی موت بھی کوئی عجوبہ نہیں ہے اور ان میں سے کوئی بات بھی ناممکن نہیں ہے، ناممکن جو کچھ ہے وہ صرف ایک بات ہے!"

"کون سی بات؟"

"سچائی کی شکست!"

"کیا مطلب؟ ـــــــ یہ کہاں سے کہاں پہنچ گئے دیوانے صاحب!"

"میں بالکل اپنے موضوع پر قائم ہوں ـــــــ نپولین اپنے آپ کو سچا سمجھتا تھا اور وہ جانتا تھا سچائی کو ہرایا نہیں جا سکتا لہذا وہ ہار کر بھی جیت میں رہا ـــــــ ـــــــ اس طرح اگر تم سچے ہو اور اپنے تئیں برسرِ حق سمجھتے ہو تو تمہیں بھی ہمت نہیں ہارنی چاہیئے انجام کار تمہاری فتح ہوگی، خواہ دنیا تمہیں شکست خوردہ کیوں نہ سمجھے"

محمود مسکرایا،

"اچھا تو یہ ہے جناب کا فلسفہ!"

"جناب! ـــــــ بشرطیکہ آپ کے ناسمجھ دماغ نے سمجھ لیا ہو!"

محمود نے بے تکلف لہجہ میں کہا "یار سب کچھ جانتا ہوں لیکن یہاں معاملہ ہی دوسرا ہے!"

"وہ کیا؟"

"وہ یہ کہ جب اس کے سامنے پہنچتا ہوں تو ہاتھ پاؤں بھول جاتے ہیں، سٹی گم ہوجاتی ہے، بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں لیکن نہیں کہہ پاتا، نہ جانے کیا کیا سنانا چاہتا ہوں لیکن نہیں سنا پاتا، شاید اس لئے کہ حق پر وہ ہے۔ سچائی اس کے ساتھ ہے، میں ناحق ہوں سچائی میرے ساتھ دو قدم بھی نہیں چلتی"

سلیم نے پھر ایک قہقہہ لگایا،

"اچھا تو تم نے مان لیا یہ؟"

وہ بولا "ہاں ——— جہاں تک میرا اور عذرا کا تعلق ہے، میں یہی سمجھتا ہوں!"

سلیم نے مسکراتے ہوئے کہا "این ہم غنیمت است ——— اور اگر تم اپنی رائے پر قائم ہو تو میں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ تم جیت گئے!"

"میں جیت گیا؟"

"ہاں ——— آدھی جیت تو یہیں بیٹھے بیٹھے تم نے حاصل کر لی، باقی وہاں شکی عذرا کے گھر!"

"کیوں میری شامت بلاتے ہو، میں سر کے بل بھی جاؤں، اور چھری سے سینہ

کاٹ کر دل نکالوں، اور اس کے سامنے پیش کر دوں تو بھی عذرا انہیں پسیجے گی، وہ نہیں بدل سکتی، وہ کوئی عورت نہیں عذرا ہے!"

"ہوا کرے ——— ایک دفعہ جاؤ تو، کوشش تو کرو!"

"لاحاصل کوشش کا فائدہ کیا؟"

"ارے خدا کے بندے، لاحاصل کوشش کا فائدہ اگر کچھ نہیں تو نقصان بھی کیا ہے؟ ——— میں کہتا ہوں کوشش کر لینے میں حرج ہی کیا ہے؟ اگر کامیابی ہوگئی تو ٹھیک، اور نہ ہوئی تو ما بخیر و شما بسلامت!"

یہ بات محمود کی سمجھ میں آگئی، اس نے کہا "ٹھیک کہتے ہو، میں جاؤں گا عذرا کے پاس، کہہ سناؤں گا ساری کتھا، وہ میری نہ بنے پروین کی تو بن جائے گی، ماں بہر حال ماں ہوتی ہے!"

"یہی تو میں بھی عرض کر رہا تھا سرکار ——— تو کب سواری جائے گی حضور کی؟"

"آج ہی شام کو!"

"شام کو کیوں؟ ابھی کیوں نہیں؟"

"ابھی وہ گھر پر ہو یا نہ ہو، شام کو بہر حال وہیں ہو گی! ——— نہیں تم نہیں سمجھتے وہی وقت ٹھیک رہے گا، میں شام ہی کو جاؤں گا!"

"کوئی مضائقہ نہیں، شام ہی کو سہی ——— لیکن جاؤ گے تو بہر حال، کیوں؟"

"ہاں ضرور!"

"اچھا ایک بات بتاؤ!"

"کون سی بات؟"

"فرض کرو عذرا نے پھر تمہیں دھتکار دیا!"

"فرض کیوں کروں؟ یہ تو ہونا ہی ہے!"

"اچھا تو پھر کیا کروگے؟"

"اگر ایسی صورت پیش آئی اور بظاہر اس کا امکان ہے، تو میں نے بھی ایک فیصلہ کرلیا ہے!"

"فرمایئے کیا ہے وہ فیصلہ؟"

"نہیں ابھی نہیں ——— وقت آنے پر خود بخود تمہیں معلوم ہو جائے گا!"

"میں اتنا طویل انتظار نہیں کرسکتا، تمہیں ابھی بتانا پڑے گا بتاؤ؟"

محمود نے عذرا کی تصویر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "بتا دوں؟"

"اماں کتنے مرتبہ قبلواؤگے؟ کہہ تو دیا ہاں!"

محمود نے ایسے لہجہ میں جس سے عزم جھلک رہا تھا کہا "ایسی صورت میں پروین کو واپس دے آؤں گا"

سلیم چونک پڑا،

"ہاں واقعی؟ سچ؟"

"ہاں ——— یہ میرا اٹل فیصلہ ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی!"

"کیا کہو گے اس صورت میں اس سے؟"

"بس صرف اتنا ——— عطائے تو بہ لقائے تو! اپنی امانت واپس لے لیجئے!"

سلیم ہنسنے لگا، اس نے کہا "بات تو بڑے مزے کی سوچی، واقعی شش وپنج میں پڑ جائے گی عزیب!"

اور پھر کچھ سوچتے ہوئے سلیم نے کہا "ایک بات کا اور جواب دو!"

"پوچھو!"

"فرض کرو عذرا پرویز کو قبول کرنے سے انکار کر دے تب؟"

"یہ نہیں ہو سکتا!"

"عذرا سے کچھ بھی بعید نہیں!"

"یہ مانتا ہوں ——— لیکن ابھی میں نے کہا تھا ماں بہر حال ماں ہوتی ہے!"

"یہ بات دنیا کی تمام ماؤں پر صادق آ سکتی ہے، لیکن عذرا پر نہیں، وہ اپنی آن کی بڑی پکی ہے، اپنے اصول پر سختی سے قائم رہنا چاہتی ہے، یہ قطعاً ممکن ہے وہ پرویز کو قبول کرنے سے انکار کر دے اور آپ کو بیک بینی و دو گوش واپس ہونا پڑے!"

"اس کا حل تو ابھی میں نے سوچ لیا ہے!"

"وہی پوچھنا چاہتا ہوں!"

محمود نے پھر کچھ سوچا، اور فیصلہ کن انداز میں کہا "ایسی صورت میں میں یہ شہر چھوڑ دوں گا، اس شہر سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاؤں گا!"

"اتنا بڑا فیصلہ؟"

"جی جناب ——— اور آپ جانتے ہیں میں بھی اپنا فیصلہ آسانی سے نہیں بدلا کرتا!"

"ٹھیک کہتے ہو ——— لیکن شہر چھوڑ دینے سے حاصل کیا ہو گا؟ مسئلہ تو وہیں کا وہیں ہے اس میں تو کوئی فرق نہیں آئے گا!"

"کیوں نہیں آئے گا؟ ضرور آئے گا!"

"میری سمجھ میں نہیں آیا بھئی!"

"تم شاید یہ سمجھ رہے ہو کہ جب یہ شہر میں چھوڑ دوں گا تو پردین کی انگلی، میرے ہاتھ میں ہو گی، اور وہ بھی میرے ساتھ جائے گی!"

"ہاں ——— تو کیا اسے کہیں لے جاؤ گے اپنے ساتھ؟"

"قطعاً نہیں! ——— اسے اگر لے جاؤں تو پھر لطف ہی کیا رہے گا اسے عذرا کے دروازے پر چھوڑ کر جاؤں گا!"

سلیم نے مسکراتے ہوئے کہا "یار سوجھی تو دور کی، یہ تدبیر کسی طرح پٹ، نہیں پڑ سکتی۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے!"

"پھر ایک سوال میرے نہاں خانۂ قلب میں ضدی بچے کی طرح مچل رہا ہے"

"وہ کیا؟"

"مان لیا کہ تم نے پروین کو عذرا کے دروازے پر چھوڑ دیا، اور اس نے کسی نہ کسی طرح اپنی بچی کو قبول کر لیا ——— لیکن تمہیں کیا ملا؟ پروین تمہارے ہاتھ سے تو گئی تم تو اس سے محروم ہو گئے تمہاری زندگی کا خلا تو قائم رہا"

"یہ الگ چیز ہے!"

"کیا الگ چیز ہے؟ ایک ہی بات ہے؟ تم تو کہتے تھے میں پروین کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، پھر اسے کس دل سے عذرا کے ہاں چھوڑ کر جا رہے ہو؟ بتاؤ، جواب دو!"

محمود نے زہرخند کرتے ہوئے کہا "تم سے بڑھ کر کوئی اس حقیقت کو نہیں جانتا میں جو کچھ کہتا ہوں اسے ضرور کرتا ہوں"

"خوب جانتا ہوں ——— لیکن میرے سوال کا یہ جواب نہیں؟"

"کیوں نہیں؟ ——— میں نے یہی کہا تھا کہ پروین کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا؟"

"ہاں یہی کہا تھا!"

"تو میں تمہیں بتاتا ہوں، پروین کو عذرا کے حوالہ کر کے میں بڑے ٹھکو کی موت

مروں گا ——————!"

سلیم تقریباً چیخ پڑا،

"کیا کہا؟"

"بار بار ایک ہی بات کیوں پوچھتے ہو؟"

"مطلب یہ کہ اس کے بعد تم خودکشی کر لوگے؟ جان دے دو گے؟"

"ہاں ——————!"

سلیم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے

"محمود یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟"

محمود کی آنکھیں بھی پرنم ہو گئیں،

"وہی جو تم دیکھ رہے ہو —— پہلے میں نے تم سے کہا تھا، پروین کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا، اب میں محسوس کرتا ہوں کہ عذرا کے بغیر بھی میں زندہ نہیں رہ سکتا، بلکہ دوسرے صحیح تر الفاظ میں یوں سمجھو کہ عذرا کے بغیر میرا جینا بیکار ہے، رائیگاں ہے!"

"کیوں بھائی یہ کیوں؟"

"مجھے اکیلی پروین نہیں چاہیئے —— میں پروین سے دست بردار ہو سکتا ہوں، لیکن عذرا سے نہیں! —— کسی طرح بھی نہیں، کسی قیمت پر بھی نہیں —— تو جب عذرا ہی مجھے نہیں ملتی، تو بہتر یہی ہے کہ میں ایسی

ناکام و نامراد زندگی ہی سے گزر جاؤں!"

ایک تاثر کے عالم میں سلیم نے کہا "محمود یہ نہ کہو ــــــــ ایسی باتیں نہ کرو تمہیں زندہ رہنا ہے، تمہیں زندہ رہنا چاہیئے، مایوس کیوں ہوتے ہو؟ خدا کی ایک صفت مقلب القلوب بھی ہے، وہ دل بدلنے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ کوشش کرو، کیا عجب عذرا کے دل میں رحم آجائے اور وہ تمہارے ساتھ چلی جائے!"

مایوسی کے عالم میں محمود نے کہا "کوشش کروں گا، اور ضرور کروں گا، لیکن نتیجہ جو کچھ ہوگا وہ میں جانتا ہوں ــــــــ میں جانتا ہوں جو وہ کہیں گے جلے بلے"

سلیم نے محمود کو تسلی دیتے ہوئے کہا "کوشش کرو، کوشش کرو ــــ تم وہاں جاؤ اور جو گفتگو ہو اس کی ساری تفصیل مجھے بتاؤ!"

"تم کیا کرو گے یہ تفصیل سن کر!"

"اگر ضرورت ہوئی تو اس کے بعد میں خود جاؤں گا عذرا کے پاس اور اسے نشیب و فراز سمجھا کر راہ راست پر لانے کی کوشش کروں گا!"

محمود خوش ہو گیا، جیسے سوکھے کھیت میں پانی پڑ گیا، اس نے کہا "وعدہ کرتے ہو پختہ وعدہ ــــــــ قول مرداں جاں دارد۔؟"

"یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ گھومتی گھامتی پردین آگئی، اس نے سلیم کو بیٹھا دیکھ کر ذرا رک کر دیکھتے ہوئے کہا "ارے آپ تو یہیں بیٹھے ہیں ــــــــ ابھی ڈاکٹر کے پاس بھی نہیں گئے"

سلیم نے پیار بھرے لہجے میں کہا: "ہاں بیٹی ـــــــ میں نے فون کیا تھا، ڈاکٹر بیچارہ خود پیٹ کے درد میں مبتلا ہوگیا ہے، وہ ایک دوسرے ڈاکٹر کے ہاں گیا ہے"

وہ بولی: "اب تو آپ اچھے ہیں، چلئے پہلے مجھے ممی کے ہاں پہنچا دیجئے پھر جب آپ کا ڈاکٹر اپنے ڈاکٹر کے ہاں سے آجائے تو وہاں چلے جایئے گا پھر ـــــــ!"

سلیم کو پھر سپر ڈالنی پڑی،

"بیٹی بات تو تم نے ٹھیک کہی، لیکن ایک اور بھی تو مشکل ہے!"

"وہ کیا؟"

"تمہاری ممی ایک جلسہ میں گئی ہیں، شام کو آئیں گی، لہذا شام ہی کو، چلیں گے!"

وہ مطمئن ہوگئی،

"لیکن چلئے گا ضرور!"

وہ بولا "ہاں بیٹیا ضرور چلیں گے ـــــــ چلیں گے کیسے نہیں؟ بھلا پروین بیٹی کی بات ٹالی جاسکتی ہے، جو تم کہو گی وہی ہوگا!"

وہ مسکراتی ہوئی پھر اپنے کمرہ میں واپس چلی گئی!

(۱۶)

رقابت !

امیدوں اور تمناؤں کا پشتارہ لے کر محمود ایک مرتبہ پھر عذرا کے گھر
پہنچا، لیکن اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ دل میں طرح طرح کے خیالات اور
وسوسے پیدا ہو رہے تھے،

کہیں وہ ملنے سے انکار نہ کر دے!

جھڑک نہ دے!

نہ جانے کیا برتاؤ کرے ــــــــــ!

عذرا نے محمود کو آتے دیکھ لیا تھا، وہ اس وقت رشید سے باتیں کر رہی
تھی، یہ حضرت بھی عجیب قسم کے آدمی تھے، اتنا مستقل عاشق مزاج آدمی شاید
ہی کوئی اور ہو گا جس پر کہئے عاشق ہو جائیں، ایک وقت میں کئی کئی سے عشق
کرتے تھے لیکن کچھ ایسے بھونڈے طریقہ سے کہ کامیاب کہیں نہیں ہوئے، اسی لئے اب
تک کنوارے تھے اصول یہ بنایا تھا کہ شادی اس سے کروں گا جو مجھ سے محبت

کرے گی، محبت کی تلاش میں خود نہ جانے کتنی عورتوں سے محبت کر ڈالی، لیکن کوئی، اللہ کی بندی ایسی نہ ملی جو ان سے محبت کرتی، حالانکہ صورت شکل بھی اچھی خاصی تھی، تعلیم یافتہ بھی خاصے تھے، دولت مند بھی تھے، قسمت سے اور خدا سے انہیں بھی گلہ تھا کہ دولت صحت اور صورت شکل دینے کے باوجود کسی عورت کو یہ توفیق نہ ہوئی (محبت کرتی، عذرا کے پرانے پرستاروں میں تھے، کالج کے زمانہ سے، لیکن اس نے انہیں کبھی بھی منہ نہیں لگایا، وہ ان سے کچھ اس طرح تیوری چڑھا کر ملتی تھی کہ ان کا سارا پروگرام خود بہ خود منسوخ ہو جاتا تھا، اور یہ صرف خیریت مزاج دریافت کرے، یا موسم پر بات چیت کر کے واپس آجاتے تھے، پھر وہ محمود سے محبت کرنے لگی، انہوں نے بہت روکنا چاہا، مگر نہ رک سکے، یہاں تک کہ وہ بالکل محمود کی ہو گئی اور یہ منہ دیکھتے رہنے کے سوا کچھ نہ کر سکے، بہت غصّہ آیا تو ملنا چھوڑ دیا ——

—— ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر —— عذرا نے محسوس بھی نہ کیا پروا بھی نہ کی، پھر جب محمود اور عذرا کے تعلقات ختم ہو گئے تو رشید نے کئی مرتبہ کوشش کی کہ ملے اور راضی کرنے کی کوشش کرے لیکن یہ وہ زمانہ تھا کہ وہ گھر سے بہت کم نکلتی تھی اور پرانے ملنے والوں سے بالکل نہیں ملتی تھی وہی نقصان مایہ اور شماتت ہمسایہ کے خیال سے پھر ۹ سال کی طویل مدّت کے بعد وہ دور آیا کہ پروین محمود کے گھر چلی گئی، عذرا اکیلی رہ گئی، اور اب پھر اس کے پرانے دوست اور شناسا ملنے لگے، آج موقع غنیمت سمجھ کر رشید بھی سوچ کر یہاں آیا تھا کہ کچھ بھی ہو

وہ عذرا سے صاف صاف باتیں کرے گا اور کوئی فیصلہ کر کے رہے گا، اتفاق سے اس وقت عذرا موڈ mood میں تھی، وہ تپاک اور اخلاص سے ملی، رشید صاحب کی باچھیں کھل گئیں، سمجھے نخلِ تمنا بار آور ہوا، گلِ آرزو ہاتھ آیا، آئے بھی بڑے طمطراق سے تھے، فیشن میں اتنے غرق کر سولہ سنگار اور بارہ ابرن بھی بکا! اس نے سب سے پہلے اسی دھج پر چوٹ کی،

"کہئے رشید صاحب آج کیا ارادہ کر کے گھر سے نکلے ہیں آپ؟"

فرمایا "کیوں کیا ہوا بھئی؟"

کہنے لگی: "آئینہ دیکھا تھا یا نہیں؟"

وہ مسکرائی،

"پھر بھی پوچھتے ہیں آپ کیا ہوا؟ —— چلئے ہٹئے بنئے نہیں!"

خود بھی مسکرا دیئے،

"بنانے لگیں؟"

"یہ لیجئے —— میں کہتی ہوں بدظنی کی کوئی انتہا بھی ہے ——

—— اور بھی کسی کو نہیں آپ کو بناؤں گی، توبہ کیجئے!"

رشید کو یقین ہو گیا، میدان جیت لیا، اس نے ذرا اور ہنستے ہوئے کہا۔

"آپ نے تو کبھی بات بھی نہ پوچھی"

عذرا کی تیوری چڑھ گئی،

"کیا مطلب آپ کا؟"

گھبرا گئے،

"میرا مطلب تو بالکل صاف ہے، یعنی کچھ نہیں!"

عذرا کو ہنسی آگئی، لیکن اس نے سنجیدگی سے کہا "آپ میرے مزاج کو اگر اب تک نہیں سمجھ سکے تو آپ کے بیوقوف ہونے میں شبہ نہیں مجھ پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کبھی کامیاب نہ ہوگی ــــــــ نہ بزاری، نہ بزور دھمے، نہ بزر کی آید ــــــــ والا معاملہ ہے یہاں!"

بیچارے پر گھڑوں پانی پڑ گیا، عافیت اسی میں سمجھی کہ شاندار پسپائی اختیار کریں، معذرت کرکے اٹھنے ہی والے تھے کہ ملازمہ آئی، عذرا نے پوچھا "کیا ہے؟"

وہ بولی "وہ آئے ہیں!"

"کون آیا ہے؟ نام لیتے ہوئے کیوں شرماتی ہے؟"

کہنے لگی "محمود میاں!"

محمود کا نام سنکر رشید چونک پڑا، ہائیں یہ کیا؟ یہ مردود اب بھی آئے جاتا ہے میری عذرا کے پاس؟ عذرا الجھ گئی، محمود کیوں آیا؟ اس نے ملازمہ سے صرف اتنا کہا "جا اپنا کام کر، سن لیا!"

وہ چلی گئی،

عذرا رشید سے پھر مخاطب ہوئی،

"ارے تو کیا جا رہے ہیں آپ؟"

وہ اٹھتا ہوا بولا "جی ہاں اب اجازت چاہتا ہوں، یار زندہ صحبت باقی پھر آؤں گا کبھی!"

وہ مسکرائی اور قاتل نظروں سے رشید کو دیکھ کر کہنے لگی "ابھی نہیں جائیے آپ، بیٹھئے!"

وہ ایک معمول کی طرح بیٹھ گیا، عذرا نے کہا "آپ مجھ سے خفا تو نہیں ہو گئے!"

رشید دل میں تو بہت جلا، یہ اچھا تماشہ ہے ماریں بھی، اور جلائیں بھی، لیکن کچھ کہنے کا یارا کہاں تھا؟ کہا تو صرف اتنا،

"لاحول ولا قوہ، آپ بھی کیسی باتیں کرتی ہیں بھلا آپ سے خفا ہو سکتا ہوں!"

وہ ایک انداز خاص کے ساتھ بولی "میں نے کہا شاید!"

رشید ہنس پڑا،

"جی نہیں، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا! آپ سے خفا ہو کر جاؤں گا کہاں؟"

بڑی سادگی سے عذرا نے پوچھا "کیوں عاشق ہیں آپ مجھ پر؟"

بڑا ٹیڑھا سوال تھا، رشید کو ایک سکنڈ میں کئی چکّر آئے وہ افسوس کر رہا تھا کہ بیہوش کیوں نہیں ہو گیا کہ ایسے سوال کا جواب ہی نہ دینا پڑتا، وہ سوچ رہا تھا کیا کہے، اقرار کرے یا انکار؟

اقرار کی صورت میں پٹ جانے کا اندیشہ تھا، اس عورت کے مزاج کا

کچھ ٹھیک نہیں، اور انکار کی صورت میں گویا سچ بات کو چھپانا پڑتا، لیکن خود، عذرا نے اس کی یہ مشکل آسان کر دی اس نے کہا "خاموش کیوں ہو گئے، بولئے، جواب دیجئے ——— لیکن خیر میں سمجھ گئی، آپ کچھ نہ کہیں تو بھی میں نے معلوم کر لیا!"

رشید کی ہمت نہیں پڑی کہ پوچھے کیا معلوم کر لیا؟ وہ پھر بھی خاموش ہی رہا ــ

عذرا نے کہا "بہت دن ہوئے سینما دیکھے ہوئے!"

رشید کا جی چاہا کہ کہے،

"تو چلئے آج چلیں!"

لیکن وہ یہ نہ کہہ سکا، وہ صرف یہ کہہ سکا!

"اچھا، بہت دن ہو گئے؟"

وہ بولی: "ہاں ——— مگر آپ کو یہ توفیق کبھی نہیں ہوتی کہ مجھے دعوت دیں سینما چلنے کی!"

"ٹی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا" رشید جوشِ مسرت سے دیوانہ ہو گیا اس نے کہا "و میں دعوت دیتا ہوں منظور کریں گی آپ؟ ———!"

وہ بولی "کیوں نہیں، جب آپ کہیں!"

"تو آج ہی چلئے!"

"کوئی مضائقہ نہیں، آج ہی سہی !"

بیتابی اور اشتیاق کے ساتھ رشید نے پوچھا "تو کس وقت ؟"

"مجھے تو دس بجے رات کا شو پسند ہے، جو اطمینان اس وقت ہوتا ہے کسی اور وقت نہیں ہوتا !"

رشید نے مسرت سے بے قابو ہوتے ہوئے کہا "ہاں ٹھیک ہے، میری بھی یہی رائے ہے، تو میں جاتا ہوں ایک باکس ریزرو کرائے لیتا ہوں جاکر !"

"ہاں اور کیا، جائیے !"

رشید جانے کے لئے اٹھا، عذرا بھی اس کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی،

"چلئے آپ کو دروازہ تک پہنچا آؤں !"

"نہیں کیا کیجئے گا، اس تکلف کی کیا ضرورت ہے ؟"

اٹھلاتی ہوئی عذرا بولی "بس معاشرت کی یہی باتیں تو اچھی نہیں لگتیں !"

دونوں ساتھ ساتھ ڈرائنگ روم آئے، محمود اتنی دیر سے بیٹھا انتظار کر رہا تھا، عذرا کو رشید کے ساتھ اس بے تکلفی سے آتا اور باتیں کرتا دیکھ کر جل ہی تو گیا، لیکن کچھ کہنے کا کیا موقعہ تھا؟ خاموش رہا، عذرا نے رشید کو گرم جوشی کے ساتھ رخصت کیا اور جب وہ جانے لگا تو کہا "دیکھئے آج کا پروگرام بھول نہ جائیے گا، سینما چلنا ہے، میں آپ کا انتظار کروں گی !"

رشید نے جاتے جاتے کہا "وہ تو طے ہے ——— میں انشاء اللہ ٹھیک

ساڑھے نو بجے پہنچ جاؤں گا آپ تیار رہیئے گا!"

رشید کو رخصت کر کے عذرا محمود کے پاس آکر ٹھہر گئی، پھر سامنے کی کرسی پر بیٹھ گئی، پھر اس نے پوچھا "کہیئے کیسے آنا ہوا آپ کا؟"

محمود اس وقت سخت پیچ و تاب کھا رہا تھا وہ خوشامد کرنے آیا تھا، منانے آیا تھا، پردین کا واسطہ دے کر لیجانے آیا تھا، لیکن یہ رنگ محفل دیکھ کر وہ بھڑک گیا اس نے کہا "عذرا ———— جب پھسلنے کا زمانہ تھا تم چٹان کی طرح اپنی جگہ قائم رہیں اور اب تمہارے پاؤں ڈگمگا رہے ہیں یہ کیا ہوا ہے تمہیں؟"

عذرا نے تیکھی چتون سے محمود کو دیکھا اور کہا "آپ کا مطلب؟"

وہ بولا "تم رشید کے ساتھ سینما دیکھنے جاؤ گی؟"

"ہاں تو؟"

"رات کو؟"

"اور کیا دن کو؟"

"اور تنہا؟"

"تنہا کیوں جاتی، رشید صاحب ساتھ ہوں گے!"

وہ جل گیا،

"رشید صاحب کون ہیں تمہارے؟"

وہ بھی بھڑک اٹھی،

"آپ یہ پوچھنے والے کون؟ میرے آتالیق اور نگراں ہیں آپ؟"

وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولا "اگر مانو تو سب کچھ ہوں نہ مانو تو کچھ بھی نہیں!"

ذرا برہمی کے ساتھ اس نے جواب دیا،

"ماننے کی بھی خوب کہی، میرا آپ کا رشتہ کیا ہے جو مانوں؟"

"کبھی تو تھا؟"

"میں پیچھے مڑ کر ماضی کی طرف نہیں دیکھتی، نہ آگے گردن بڑھا کر مستقبل کی تاک جھانک کرتی ہوں —— آپ کبھی کیا تھے؟ میں اسے بالکل بھول چکی میری زندگی کا مستقبل کیا ہے؟ اسے سوچنا وقت کا ضائع کرنا سمجھتی ہوں، جو کچھ ہے ٹھیک ہے، بس اسی طرح گذرتی چلی جائے گی! —— خیر چھوڑیئے ان باتوں کو، یہ بتائیے کیسے آنا ہوا؟"

محمود نے کہا "میرا جہاں تک تعلق ہے میں تو مایوس ہو چکا، لہذا اپنی طرف سے تو کچھ کہنا نہیں ہے، ہاں ایک پیام لے کر آیا ہوں، سنو تو سنا دوں؟"

"پیام؟ کس کا؟"

"پروین کا —— وہ تمھیں بہت یاد کرتی ہے تم سے ملنا چاہتی ہے"

پروین کا نام سن کر عذرا کا چہرہ سفید پڑ گیا لیکن بہت جلد اپنی اس کیفیت

پڑ غالب آ گئی اس نے کہا ! آپ چمکتی ہوئی ریت کو بہتا ہوا پانی کیوں سمجھتے ہیں ؟ میرے پاس پروین کے لئے کچھ نہیں اسی لئے اسے میں نے آپ کو دے دیا !"

محمود نے پوچھا !" ماں مامتا بھی نہیں ؟"

وہ بولی : بالکل نہیں ــــــ مامتا ہوتی تو میں اسے آرام سے دور رکھتی دکھ کیوں پہنچاتی ؟"

"یہ جھوٹ ہے ــــــ تم نے اسے بالکل دکھ نہیں پہنچایا، اگر تم اسے دکھ پہنچاتیں تو وہ تمہارے نام پر جان نہ دیتی، تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے ایک ہاتھ سے نہیں بجتی !"

"یقین نہ ہو تو خود اسی سے پوچھ لیجئے !"

"پوچھ لیا !"

"کیا کہتی ہے وہ ؟"

"کہتی ہے میری ممّی مجھے بہت چاہتی ہیں، وہ یہاں آئیں گی تو رہوں گی، ورنہ ان کے پاس چلی جاؤں گی، صبح سے اب تک نہ جانے کتنی دفعہ رو چکی ہے، روز روتی ہے، ضد کرتی ہے، مچلتی ہے، ممّی کے سوا اس کی زبان پر کوئی اور لفظ نہیں !"

یہ باتیں سنکر عذرا کا کلیجہ پھٹا جا رہا تھا، اس کا جی چاہ رہا تھا، محمود کو یہیں بیٹھا چھوڑ کر پر پرواز پیدا کرے اور اڑتی ہوئی پروین کے پاس پہنچے اسے

کلیجے سے لگائے، سینہ سے چمٹائے اور چیخ چیخ کر کہے،

"میری بچّی، میری بیٹی، میں آگئی، اب میں ہمیشہ تیرے پاس رہوں گی، کبھی تجھ سے جدا نہ ہوں گی!"

لیکن وہ ایسا نہ کر سکی، اسے اپنی یہ کیفیت چھپانا پڑی اس نے کہا "کیوں نہ ہو، آپ ہی کی بیٹی تو ہے!"

یہ طنز تیر بن کر محمود کے دل پر لگا اور آر پار ہو گیا، لیکن اب وہ بہت بردبار اور متحمل ہو گیا تھا اس نے کہا "ہاں وہ میری بیٹی ہے، لیکن تمہاری بھی تو ہے مجھ سے اسے بہت کم سابقہ رہا ہے لیکن تمہاری گود میں کھیلی ہے، تم نے ہی اسے پروان چڑھایا ہے، تمہاری خو بو اس میں رچ گئی ہے، وہ میری نہیں وہ تمہاری ہے، صرف تمہاری!"

عذرا نے یہ سب سن کر جواب دیا،

"اس سے کہیئے تمہاری ممی مر گئیں!"

محمود نے گلوگیر آواز میں کہا "اگر میں اس سے یہ کہہ دوں تو وہ بھی پھر زندہ نہیں رہے گی، مر جائے گی، ——— کیا تم اس کی جان لینا چاہتی ہو؟"

"نہیں ——— لیکن اس کے لئے اپنی جان دینا بھی نہیں چاہتی!"

"وہ تمہاری جان نہیں مانگتی، تمہیں مانگتی ہے، وہ دن بھر تمہیں یاد کرتی ہے، رات کو تمہیں خواب میں دیکھ کر چونک پڑتی ہے، ذرا سی آہٹ

ہوتی ہے اور اس کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں، وہ سمجھتی ہے ممی آ گئیں، وہ سلیم سے روٹھتی ہے اور ضد کرتی ہے مجھے ممی کے پاس لے چلو، وہ کھانا کھاتے کھاتے کھانا چھوڑ دیتی ہے، جب تک ممی نہیں آئیں گی نہیں کھاؤں گی، وہ کھیلتے کھیلتے کھلونے پھینک دیتی ہے اور ممی کے لئے رونے لگتی ہے، وہ سینما دیکھتے دیکھتے ممی کو یاد کرنے لگتی ہے وہ موٹر پر بیٹھے بیٹھے ممی کو پکارنے لگتی ہے، اس کی درد بھری آواز فضا میں گونجتی ہے مگر تم تک نہیں پہنچتی، سب سنتے ہیں تم نہیں سنتیں، کیا واقعی تم نے اس کی جان لینے کا تہیہ کر لیا ہے؟"

عذرا محمود کی یہ باتیں سن رہی تھی اور بے حال ہوئی جا رہی تھی، لیکن بڑی ضابطہ عورت تھی، کیا مجال جو اس نے۔ اپنے باطن کو چہرے پر ابھرنے دیا ہو، محمود کی یہ باتیں سننے کے بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی، اس نے ذرا زور سے کہا "

"آپ جائیے، چلے جائیے!"

محمود نے بیٹھے بیٹھے کہا "یہ جواب ہے پروین کی فریاد کا؟"

وہ تقریباً روتی ہوئی بولی "خبردار اب پروین کا نام نہ لیجئے گا، نہیں اس کا ذکر سننا چاہتی ہوں نہ نام، میں اور وہ اب کبھی نہیں مل سکتے، آپ اپنی چرب زبانی کہیں اور استعمال کیجئے، مجھ پر ان باتوں کا اثر نہیں ہو سکتا، آپ میرا راستہ نہیں بدل سکتے، میں سینما جاؤں گی اور رشید کے ساتھ جاؤں گی اور آج ہی جاؤں گی مجھے کوئی نہیں روک سکتا، میرا دامن کوئی نہیں پکڑ سکتا ـــــ جائیے، چلے جائیے!"

محمود نے کہا "جاؤں گا، چلا جاؤں گا ——— !"

"ابھی اسی وقت !"

"ہاں ابھی اور اسی وقت چلا جاؤں گا لیکن سنو تو ——— میں تمہیں سینما جانے سے نہیں منع کرتا ——— !"

"آپ منع کر بھی نہیں سکتے !"

"ہاں میں منع کر بھی نہیں سکتا، اسی طرح میں تمہارے اور رشید کے خلا ملا میں بھی حارج ہونا نہیں چاہتا، تم شوق سے سینما جاؤ، تم شوق سے رشید سے ملو، تم مجھ سے قطعاً کوئی واسطہ نہ رکھو، لیکن پر دین کو تو نہ چھوڑو، تم پر دین کو اپنے دامن میں پناہ دے کر بھی سینما دیکھ سکتی ہو، رشید سے مل جل سکتی ہو، جب کہو گی میں خود رشید کو بلا لاؤں گا اور جب وہ آئے گا تو میں گھر چھوڑ کر، کہیں اور چلا جایا کروں گا ——— لیکن پھر کہتا ہوں، کہتا نہیں التجا کرتا ہوں پر دین پر رحم کر و اس کی زندگی سے نہ کھیلو !"

وہ زہر خند کرتی ہوئی بولی "جی زندگی سے کھیلنے کا فن آپ کو آتا ہے، مجھے نہیں ——— میں تو دو ٹوک بات اور دو ٹوک فیصلہ کی عادی ہوں"

محمود نے اور زیادہ خاکساری کے ساتھ کہا "میرے بارے میں تم نے جو کچھ کہا سچ کہا، اپنے بارے میں تم نے جو کچھ کہا، وہ بالکل ٹھیک کہا، لیکن میری التجا کا کوئی جواب نہ دیا !"

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟"

محمود نے کہا "یا تو تم پروین کے پاس چلی کے رہو، یا پھر اپنے پاس بلا لو!"

"اپنے پاس بلا لوں؟"

"ہاں ——— !"

"ہاں ضرور بھیج دوں گا ——— مجھ سے اس کا رونا نہیں دیکھا جاتا!"

"اگر وہ میرے پاس آ گئی تو پھر آپ اس سے نہیں مل سکیں گے!"

"منظور ——— نہیں ملوں گا!"

"صورت بھی نہ دیکھنے دوں گی آپ کو!"

"یہ بھی منظور، نہ دیکھنے دینا!"

طنز کرتی ہوئی بولی "اتنا ایثار؟"

"ہاں ——— میں پروین کے لئے سب کچھ کر سکتا ہوں!"

"پروین کے لئے یا اپنے لئے؟"

"اپنے ہی لئے سہی ——— بہرحال پروین کا غم میں نہیں دیکھ سکتا!"

کچھ سوچتے ہوئے عذرا نے کہا "کیا آپ سمجھتے ہیں میں پروین کو واپس بلا لوں گی ———؟"

"کیا تم یہ بھی نہیں کر سکتیں؟"

"قطعاً نہیں!"

"پھر؟ ——— !"

جو جہاں ہے وہیں رہے گا، میں وہاں نہیں جا سکتی، وہ یہاں نہیں آ سکتی!

"یہ تمہارا فیصلہ ہے؟"

"ہاں اٹل فیصلہ!"

"اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی؟"

"بالکل نہیں!"

"پھر تم صاف صاف الفاظ میں بات کیوں نہیں کرتیں!"

"تو اور کس طرح کہوں صاف الفاظ؟"

"تمہیں مجھ سے کہنا چاہیئے کہ جب تک زندہ ہو پر دین کو سکھ نہیں مل سکتا، جب تک تم مر نہیں جاتے پر دین کو میں اپنے کلیجہ سے نہیں لگا سکتی۔ اگر یہ کہہ دیتیں تو کتنی صاف بات ہوتی اور مجھے اپنے فیصلہ میں کتنی آسانی ہوتی!"

"آپ کا فیصلہ؟"

"ہاں ——— یہی کہ اب میں زندہ رہنے کا حق کھو چکا ہوں اب مجھے زندہ نہیں رہنا چاہیئے!"

عذرا نے صبر طنز سے کام لیا،

"اوہ، تو آپ خودکشی کی دھمکی دے رہے ہیں؟"

"دھمکی تو اسے دی جاتی ہے جو اس سے متأثر ہو، تمہارے دل میں میری

کون سی جگہ ہے جو تم متاثر ہو گی، میں تو خبر دے رہا ہوں جس طرح ہر روز نہ جانے کتنے بے جانے بوجھے لوگ مرتے رہتے ہیں ایک میں بھی سہی، ان میں سے کسی کے لئے تمہاری آنکھ سے آنسو کا ایک قطرہ بھی نہیں گرتا میرے لئے بھی نہیں گرے گا!"

عذرا نے کوئی جواب نہ دیا! گم صم، چپ چاپ بیٹھی رہی!

محمود نے کہا، عذرا کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم مجھے مرنے سے بچا لو؟"

"میں نے آپ سے کب کہا کہ مر جائیے؟"

"نہیں تم یہی کہہ رہی ہو اور اگر زبان خاموش سے تمہارا یہ اصرار جاری رہا تو ضرور میں تعمیل حکم کروں گا ـــــــ جان سے ہم بھی گذر جائیں گے سوچا ہے کبھی ـــــــ لیکن جانتی ہو، زندگی مجھے کیوں اپنی طرف بلاتی ہے؟ اور میں کیوں اس کی طرف لپکتا ہوں؟ جانتی ہو میں کیوں زندہ رہنا چاہتا ہوں؟"

عذرا اب بھی خاموش تھی،

محمود نے خود ہی جواب دیا،

"صرف پروین کے لئے، اسے اب تک ماں کے دامن سے تو سب کچھ ملا، لیکن باپ کی جھولی سے کچھ نہ ملا، کچھ دن صرف پروین کے لئے جینا چاہتا ہوں، تاکہ وہ اپنے باپ کو یاد رکھے، بری طرح نہیں اچھی طرح، بس اس کے سوا میرے زندہ رہنے کا کوئی مقصد نہیں ہے!"

عذرا یہ سب سنتی رہی لیکن چپ چاپ!

واقعی وہ بے بارات کے دولہا معلوم ہو رہے تھے۔ سج دھج دیکھنے کے قابل تھی، صاف معلوم ہو رہا تھا بر دکھوئے کو تشریف لائے ہیں آتے ہی بڑی بے تکلفی سے عذرا کے پاس بیٹھ گئے،

"کیا ہو رہا ہے جناب؟"

وہ سر اٹھا کر بولی "کچھ نہیں!"

"ساڑھے نو بج گئے اور آپ یونہی بیٹھی ہیں، کپڑے بدلئے، چلئے، دیر ہو رہی ہے!"

وہ بولی "میں نہیں جاؤں گی!"

اوس پڑ گئی بیچارے پر، بہت حیران ہو کر پوچھا "نہیں جاؤ گی؟ —— میں نے کہا سنیما نہیں چلو گی؟"

وہ جل کر بولی "کچھ اونچا سنتے ہیں آپ —— کہہ تو دیا نہیں جاؤنگی!"

سارا ولولہ ختم ہو گیا،

"اونچا سنتا ہوتا، جب بھی سن لیتا —— لیکن سوال یہ ہے کہ پھر وعدہ کیوں کیا تھا؟ امید کیوں دلائی تھی؟"

کہنے لگی "مصلحت تھی اس میں!"

"یعنی سوچ سمجھ کر تم نے جھوٹا وعدہ کیا تھا؟"

"ہاں!"

"کیوں ؟"

"کہہ تو رہی ہوں مصلحتاً !"

جل کر کباب سیخ کی طرح بھنتے ہوئے کہا "بہت خوب ——— کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری ! ——— یہاں پورا ایکس ریزر رو کرا چکے ہیں !"

عذرا نے جواب دیا،

"تو اس رزرویشن میں کون سے چھپن لاکھ ٹکے خرچ ہو گئے آپ کے ؟ ——— جتنے روپے خرچ ہوئے ہوں لے لیجئے مجھ سے !"

مزاج بگڑا دیکھ کر ٹھنڈے پڑ گئے،

"خیر وہ تو کوئی بات نہیں ——— آج تمہارا مزاج ناساز معلوم ہوتا ہے خیر کوئی مضائقہ نہیں، آج نہیں پھر کسی دن سہی !"

وہ بولی "کسی دن بھی نہیں جاؤں گی !"

ہنسنے لگے،

"واللہ، بڑی شریر ہو ——— جاؤ گی کیسے نہیں !"

"دیکھ لیجئے گا !"

اس روکھے جواب نے کمر ہمت توڑ دی، بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا "کبھی کیوں نہیں جاؤ گی ؟ کچھ قسم کھائی ہے میرے ساتھ نہ جانے کی ؟"

"ہاں ——— یہی سمجھ لیجئے !"

واقعی وہ بے بارات کے دولھا معلوم ہو رہے تھے۔ سچ دیکھنے کے قابل تھی، صاف معلوم ہو رہا تھا بر دکھوے کو تشریف لائے ہیں آتے ہی بڑی بے تکلفی سے عذرا کے پاس بیٹھ گئے،

"کیا ہو رہا ہے جناب؟"

وہ سر اٹھا کر بولی" کچھ نہیں!"

"ساڑھے نو بج گئے اور آپ یونہی بیٹھی ہیں، کپڑے بدلئے، چلئے، دیر ہو رہی ہے!"

وہ بولی" میں نہیں جاؤں گی!"

اوس پڑ گئی بیچارے پر، بہت حیران ہو کر پوچھا" نہیں جاؤ گی؟ ——— میں نے کہا سنیما نہیں چلو گی؟"

وہ جل کر بولی" کچھ اونچا سنتے ہیں آپ ——— کہہ تو دیا نہیں جاؤنگی"

سارا ولولہ ختم ہو گیا،

"اونچا سنتا ہوتا، جب بھی سن لیتا ——— لیکن سوال یہ ہے کہ وعدہ کیوں کیا تھا؟ امید کیوں دلائی تھی؟"

کہنے لگی" مصلحت تھی اس میں!"

"یعنی سوچ سمجھ کر تم نے جھوٹا وعدہ کیا تھا؟"

"ہاں!"

"کیوں ؟"

"کہہ تو رہی ہوں مصلحتاً !"

جل کر کباب سیخ کی طرح بھنتے ہوئے کہا "بہت خوب ——— کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری ! ——— یہاں پورا ایکس ریز رو کرا چکے ہیں !"

عذرا نے جواب دیا،

"تو اس رزرویشن میں کون سے چھپن لاکھ ٹکے خرچ ہو گئے آپ کے ؟ ——— جتنے روپے خرچ ہوئے ہوں لے لیجئے مجھ سے ؟"

مزاج بگڑا دیکھ کر ٹھنڈے پڑ گئے،

"خیر وہ تو کوئی بات نہیں ——— آج تمہارا مزاج ناساز معلوم ہوتا ہے کوئی مضائقہ نہیں، آج نہیں پھر کسی دن سہی !"

وہ بولی "کسی دن بھی نہیں جاؤں گی !"

جلنے لگے،

"واللہ ! بڑی شریر ہو ——— جاؤ گی کیسے نہیں !"

"دیکھ لیجئے گا !"

اس روکھے جواب نے کمر ہمت توڑ دی، بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا،

"کبھی کیوں نہیں جاؤ گی ؟ کچھ قسم کھائی ہے میرے ساتھ نہ جانے کی ؟"

"ہاں ——— یہی سمجھ لیجئے !"

"دیکھو بھئی عذرا ——— ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مقامے دارد ——— ہم دل جلوں سے ہر وقت کی چھیڑ خانی ٹھیک نہیں ——— جلا کے خاک نہ کر دوں تو داغ نام نہیں!"

عذرا کی وہی خوفناک اور خطرناک تیوریاں پھر چڑھ گئیں،

"آپ میرا دماغ کیوں چاٹ رہے ہیں؟"

"یہ تو تو کیا مطلب یہ ہے کہ چلا جاؤں؟"

"عجیب آدمی ہیں آپ بھی، بھلا یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے، اتنی رات گئے آپ کو خود ہی یہاں نہیں آنا چاہیئے تھا!"

زمین کا جو تھوڑا سا حصہ پاؤں تلے باقی رہ گیا تھا وہ بھی سرک گیا،

"پھر کس وقت آیا کروں؟"

بڑی رکھائی سے جواب دیا،

"ضرورت ہی کیا ہے آنے کی؟"

بہت حیران ہو کر پوچھا "تو تمہارا مطلب یہ ہے کہ سرے سے آیا ہی نہ کروں؟"

"اور اس کے سوا مطلب ہو بھی کیا سکتا ہے؟"

اب جا کے اتنی دیر کے بعد بیچارے کو غصہ آیا،

"تم مسلسل میری توہین کر رہی ہو!"

وہ اٹھتی ہوئی بولی "اسی لئے تو کہہ رہی ہوں یہاں نہ آیا کیجئے، نہ آئیں گے

تو دین کا غم نہیں گے، وہ آپ نے سنا نہیں غالب کا مصرعہ ——— ،

جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں؟"

ترنگ میں آکر بولے،

"اور اگر میں بھی غالب ہی کا ایک مصرعہ سنا دوں"

بیٹھے ہیں رہ گذر پہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کیوں؟"

مصرعہ پڑھ کر کھلکھلا کر ہنسے،

اب بتاؤ کیا جواب دو گی؟"

وہ بولی: مجھے اب نیند آ رہی ہے آپ کو مشاعرہ کی سوجھی ہے! ———

یہ رہ گذر نہیں میرا گھر ہے!"

یہ کہکر وہ اپنے بڈ روم کی طرف چلی رشید صاحب اس کا دامن نہ پکڑ سکے

خود بھی اٹھ کھڑے ہوئے،

"اچھا ابھی جاتے ہیں اور اب نہیں آئیں گے!"

عذرا نے کہا: مجھے آپ سے اسی معقول جواب کی توقع تھی اور مجھے امید ہے

اپنے اس عہد پر آپ قائم رہیں گے ———!"

وہ چلی گئی!

اور رشید کو بھی رخصت ہونا پڑا،

ڈرائنگ روم سے باہر نکلنے کے بعد جتنی گالیاں یاد تھیں دل ہی دل میں

سب ہی عذرا کو دے ڈالیں، پھر بھی کلیجہ ٹھنڈا نہیں ہوا طبیعت لڑنے کے لئے بیقرار تھی، آتے ہی ڈرائیور پر برس پڑے،

"عجیب احمق ہو سور ہے ہو آرام سے؟"

وہ چونک کر اٹھ بیٹھا، کہنے لگے "اب میرا منھ کیا دیکھتے ہو چلو!"

ڈرائیور نے کہا "گیارہ تو بج گئے، اب سنیما چلئے گا؟"

"پھر وہی گدھا پن، گیارہ بجے سنیما دیکھنے کا کون وقت ہے؟"

"پھر کہاں چلوں؟"

بہت جل کر بولے "جہنم ———— گھر، اور کہاں؟"

اور اس نے کار کا رخ گھر یعنی جہنم کی طرف موڑ دیا،

عذرا رشید کے جانے کے بعد چپ چاپ آکر اپنے بستر پر لیٹ گئی لیکن نیند اس کی آنکھوں سے بہت دور تھی، اس کے کانوں میں ممی ممی کی آواز آ رہی تھی، اس کی آنکھوں کے سامنے پروین کی تصویر ناچ رہی تھی، وہ سو جانا چاہتی تھی، پروین کو اور اس کی یاد کو فراموش کر دینا چاہتی تھی لیکن یہ بن بلائی یاد، بری طرح دماغ پر حاوی ہو چکی تھی وہ کروٹ پر کروٹ بدل رہی تھی، لیکن پروین بری طرح اس کے پیچھے پڑی تھی، وہ بار بار دامن چھڑاتی تھی، لیکن وہ ننھی سی بچی اپنے کمزور ہاتھوں سے یہ دامن کچھ ایسی مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھی کہ وہ کسی طرح نہ چھٹ سکا!

(۱۶)

کوچۂ رقیب!

محمود اب یکسر بدل گیا تھا،

نہ اب اسے پریکٹس سے دلچسپی رہ گئی تھی، نہ عورتوں سے، نہ کاروبار سے، نہ دولت سے!

پورے انہماک اور محویت کے ساتھ وہ ایک ہی دھن میں مست تھا!

پروین خوش رہے!

عذرا مل جائے!

یہ دو مقصد اگر حاصل ہو جائیں تو زندگی ہے ورنہ پھر اس زندگی سے موت اچھی!

وہ عذرا کے پاس سے بہت دل شکستہ اور مغموم واپس آیا تھا، اب اسے عذرا سے کوئی امید بھی نہ رہ گئی تھی جو ماں اپنی اکلوتی لڑکی سے دست بردار ہو جائے جو عورت پیغام بھیجنے والے کو ٹھکرا دے، اس سے کیا امید قائم کی جا سکتی ہے؟ کوئی نہیں!

حد ہو گئی بے غیرتی اور حماقت کی، دیکھنے میں حضرت خوبصورت بھی ہیں، مالدار بھی ہیں، ایک نہیں ایک ہزار عورتوں سے بیک وقت شادی کر سکتے ہیں، لیکن عذرا پر مٹے جا رہے ہیں؟ جو ایک مرد کو بیوی ہے بغیر اپنی جوانی دے چکی ہے جو ایک بچی کی ماں ہے؟ بتائیے بھلا عذرا سے شادی کر کے آپ کیا پائیں گے؟ کیا ملے گا آپ کو؟ لیکن انسان کی جب عقل ماری جاتی ہے تو اسے ایسی ہی عجیب و غریب باتیں سوجھتی ہیں!؛

ہاں تو عذرا سے تو کوئی امید نہیں!

پھر رشید سے کیا امید ہو سکتی ہے؟ ——— !

کسی سے بھی نہیں!؛

لیکن میں رشید سے ملوں گا، بیوقوف تو ہئی ہے، نشیب و فراز سمجھاؤں گا، ایک بات بھی اگر سمجھ میں آ گئی، تو پھر کہاں کی عذرا کہاں کا وہ؟

یہ سوچ کر کئی دن کے بعد محمود گھر سے نکلا اور سیدھا رشید کے کاشانہ پر پہنچ گیا، وہ اس وقت کسی مشاعرہ میں شرکت کے لئے جا رہا تھا لیکن زندگی میں پہلی مرتبہ محمود جیسے آدمی کو اپنے ہاں آتا دیکھ کر کبھی اس کو کبھی اپنے گھر کو دیکھنے لگا۔ ——— کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں!

محمود کو قریب آتا دیکھکر وہ سرو قد تعظیم کو اٹھ کھڑا ہوا،

"آہا محمود صاحب آپ؟ ——— یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ ———

اور یہ رشید؟

کیا واقعی اب عذرا اتنے دنوں تک پاک داماںی کی زندگی بسر کرنے کے بعد رشید سے ربط اور تعلق قائم کر رہی ہے؟ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟

لیکن جھٹلاؤں کس طرح؟

سنی سنائی باتوں کا انکار کیا جا سکتا ہے!

لیکن کیا آنکھوں دیکھی حقیقت بھی جھٹلائی جا سکتی ہے؟ میں نے خود رشید کو تنہائی میں عذرا سے مصروف گفتگو دیکھا تھا؟ خود میری ہی آنکھوں نے تو دیکھا کہ وہ ہنستی ہوئی اور مسکراتی ہوئی اسکے ساتھ باہر تک آئی تھی، میرے ہی کانوں نے تو سنا تھا کہ سنیما چلنے کے وعدے ہو رہے تھے، تاکید کی جا رہی تھی کہ دیکھو وقت پر آجانا، ایسا نہ ہو تم دیر کر دو، اور ہم انتظار میں سوکھا کریں!

ان میں سے کون بات جھوٹی ہے؟

کیا ہر بات کا میں خود گواہ نہیں ہوں؟ میری آنکھیں اور میرے کان شاہد نہیں ہیں؟

مانا کہ عذرا ابھی بڑھاپے کی سرحد سے دور ہے، پھر بھی وہ ایک نوخیز اور الھڑ دوشیزہ تو نہیں؟ وہ ایک مست شباب حسینہ تو نہیں، اس عمر میں یہ رنگ رلیاں، یہ سرمستیاں کہاں تک جائز ہیں؟

اور یہ بیوقوف رشید؟

"ارے جی سنتے ہو؟ جب تک ہماری باتیں جاری رہیں تم ہر آدھ گھنٹہ کے بعد گرما گرم چائے بنا کر بے پوچھے لے آیا کرو، تمہیں معلوم نہیں، کون آدمی آج ہمارے ہاں آیا ہے؟"

ملازم چلا گیا۔

محمود نے کہا: "چائے والے تو ہوتی رہے گی، یہ بتاؤ آخر تمہیں سوجھی کیا ہے؟"

"کیا مطلب؟ کیا کیا میں نے؟"

"آخر عذرا سے رومان لڑانے کی کیا سوجھی ہے؟"

عذرا کا نام سنتے ہی رشید بھڑک گیا۔

"دیکھو بھئی، ایک بات طے کر لو!"

"وہ کیا؟"

"جتنی دیر تک چاہو بیٹھو، جب تک چاہو گپ کرو، لیکن نہ عذرا کا تم ذکر کرنا، نہ میں کروں گا!"

"کیوں؟ ——— میں تو اسی لئے آیا تھا!"

"کس لئے؟ عذرا کی باتیں کرنے؟"

"ہاں!"

"بس تو ہو چکیں ہماری تمہاری باتیں، ختم کرو قصہ!"

محمود نے کہا: "آدمی بنو، جو میں کہہ رہا ہوں سنو!"

یہ خدایا یہ خواب ہے یا بیداری میں اب تک فیصلہ نہیں کر سکا!"

محمود نے مصافحہ کے بعد ایک زور کی چٹکی لی، بیچارہ درد سے بلبلا گیا،
محمود نے مسکراتے ہوئے کہا "کہئے اب کیا فیصلہ ہے آپ کا؟ خواب دیکھا جا رہا ہے یا عالم بیداری کے مشاہدات سے سابقہ پڑ رہا ہے؟"

رشید نے کہا "کہو کیسے آگئے؟"

محمود نے کہا "تم تو کہیں جا رہے ہو، اور مجھے کچھ ضروری اور اہم باتیں کرنی ہیں!"

وہ بولا "اخگر صاحب کے ہاں محفل مشاعرہ ہے، صدارت کا بار گراں خواہ مخواہ میرے دوش ناتواں پر ڈال دیا گیا، حالانکہ میں نے اپنی نا اہلی کا بہت عذر کیا!"

"تو آپ اپنی نا اہلی کا ثبوت دینے کے لئے تلے ہوئے ہیں؟ —— جائیں گے ضرور مشاعرہ میں!"

"تم آگئے ہو تو اب کیا جاؤں گا؟ آؤ اس کمرہ میں چلیں، وہیں اطمینان سے باتیں ہوں گی!"

دوسرے کمرے میں آکر رشید نے ملازم سے کہا "ہم باتیں کر رہے ہیں فوراً چائے بنا کر لاؤ!"

جب وہ تعمیل حکم کے لئے مڑا، تو رشید نے پھر ٹوکا،

کرتی ہے، لیکن پروین سے نہیں، آج نہیں تو کل اس کا غصّہ اتر جائے گا اور وہ پھر دیوانہ وار اسے چاہنے لگے گی، پھر تمہارے لئے اس کے پاس نفرت کے سوا کچھ نہ ہوگا!"

رشید نے زہرخند کرتے ہوئے کہا: "اور اب کیا ہے؟ اب بھی نفرت ہی ہے!"

محمود بگڑ گیا،

"مجھے مت بناؤ ——— کم از کم تم مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتے کیا تم اس سے انکار کر سکتے ہو کہ آج سے چند روز پہلے سات کے وقت تم عذرا کے پاس تھے، وہ تم سے گھل مل کر باتیں کر رہی تھی، اس نے تمہیں سنیما چلنے کی دعوت دی تھی، وہ تم سے ہنس ہنس کر سرگرم گفتگو تھی؟ بتاؤ، بولو، اس میں سے کوئی بات بھی غلط ہے؟ جھوٹ ہے؟ ———!"

رشید نے کہا: "میرا جواب انکار میں بھی ہے اور اقرار میں بھی!"

"پھر وہی لغویت"

"خدا کی قسم میں غلط نہیں کہتا ——— بے شک میرے دل میں عذرا کی محبت ہے، عذرا خواہ ایک بچی کی ماں ہو، یا دس بچیوں کی، لیکن بیوی وہ کسی کی نہیں ہے، لہٰذا صرف مجھی کو نہیں ہر شخص کو اس سے محبت کرنے اور اسے اپنی رفیقہ حیات بنانے کا حق ہے، نہ تم مجھے روک سکتے ہو، نہ حکومت، نہ قانون، نہ پبلک سیفٹی ایکٹ۔ ——— لیکن ان تمام باتوں کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے، وہ کسی سے

"فرمائیے، ارشاد!"

"تم نے ابھی تک شادی نہیں کی؟"

"ہاں نہیں کی، نہ کروں گا!"

"تم نہیں جانتے، اولاد کیا ہوتی ہے؟ اس کی محبت کیسی ہوتی ہے؟"

"خوب جانتا ہوں ——— اگرچہ میں کسی کا باپ نہیں، لیکن اولاد تو ہوں!"

"پھر تمہیں اندازہ ہونا چاہیئے کہ ایک باپ کو اپنی اکلوتی اولاد سے کتنی محبت ہوتی ہے، کتنی بے پناہ!"

"اچھی طرح اندازہ ہے!"

"پھر تم میرے اور میری بچی پروین کے راستے میں کانٹے کیوں بچھاتے ہو؟"

"میں؟ ——— یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟"

"ہاں تم ——— صرف تم ———! پروین کا میں باپ ہوں اور عذرا ماں ہے، وہ اپنی ماں کو بہت چاہتی ہے، اس کے بغیر جان دے رہی ہے اگر پروین کو عذرا نہ ملی تو وہ مر جائے گی اور اس کا خون ناحق تمہاری گردن پر ہوگا!"

"میری گردن پر؟ ——— کیا تم مجھے ایسا سفاک اور سنگدل سمجھتے ہو!"

"تو پھر تم عذرا کو چھوڑ دو، اسے اپنے جال میں، اپنی محبت کے دام میں نہ پھانسو اسے پروین کیلئے وقف رہنے دو۔ اسے پروین سے نہ چھینو، اور یاد رکھو تم کسی طرح عذرا کو پا لینے کے بعد خوش نہیں رہ سکتے۔ وہ تمہاری زندگی اجیرن کر دے گی وہ مجھ سے نفرت

محمود نے کہا "یہ ساری چائے میں پھینک دوں گا، پہلے بات ختم کرلو، پھر چائے کا قصہ دیکھا جائے گا!"

رشید نے چائے بناتے بناتے جواب دیا،

"نا بھئی، پہلے ایک پیالی چائے کی پئیں گے پھر تازہ دم ہو کر باتیں کریں گے!"

آخر رشید کی ضد پوری ہو گئی، محمود کو بھی بادلِ نخواستہ چائے پینی پڑی، جلدی جلدی اس نے چائے پی اور کہا "ہاں بھئی پھر؟"

اب رشید کی پیالی بھی ختم ہو چکی تھی، اس نے گفتگو کا سلسلہ پھر شروع کیا۔

"تو جناب اس خاکسار پر نوازش اور کرم کی اتنی موسلا دھار بارش ہوئی کہ سینما کا وعدہ بھی جبراً مجھ سے لیا گیا، وقت بھی مقرر کر دیا گیا پھر دروازے تک مجھے رخصت کرنے کی زحمت بھی گوارا فرمائی، یہ سب کچھ ہوا اور تم دیکھتے رہے، دیکھ دیکھ کر جلتے رہے، میں خوش ہوتا رہا، کہ ایک پرانا رقیب جو مجھے کبھی خاطر میں بھی نہیں لاتا تھا، میرے سامنے یوں چڑایا جا رہا ہے ——— کیوں ہے نا یہی واقعہ؟"

"ہے یا نہیں ——— آگے چلو!"

"آگے کی کہانی بہت مختصر اور دردانگیز ہے!"

"وہی تو سننا چاہتا ہوں!"

"میں وقت مقررہ پر سینما کے لئے تیار ہو کر در دولت پر پہنچا، اور اتنی ہی دیر

محبت نہیں کرتی، وہ میری بات بھی نہیں پوچھتی، اس کا جو طرزِ عمل آج سے دس برس، پہلے میرے ساتھ تھا آج اس سے بھی بدتر ہے!"

"پھر جھوٹ؟"

رشید نے محمود کو جھڑکتے ہوئے کہا: "شٹ جاؤ —— میں جھوٹ نہیں کہتا، تم سے ڈرتا نہیں تم سے مجھے لالچ نہیں، اور آدمی صرف دو ہی صورتوں میں جھوٹ بولتا ہے، یا خوف کے باعث، یا لالچ کے باعث —— ہاں تو میں کہہ رہا تھا وہ آج بھی سیدھے منہ مجھ سے بات نہیں کرتی، جس دن کا واقعہ تم بیان کر رہے ہو، اب ذرا اس دن کی سرگذشت سن لو!"

"سن رہا ہوں، کہو!"

"میں گیا، میں نے باتیں کیں، میں نے چاہا کر اپنا دل کھول کر اس کے سامنے رکھ دوں، لیکن اس کی تیوریاں چڑھی رہیں اور وہ برابر میری توہین کرتی رہی اور پھر —— اب محسوس کرتا ہوں —— تمہیں آتا دیکھکر دفعتہً اس کا طرزِ عمل بدل گیا، وہ مجھ سے اخلاق اور تپاک کے ساتھ باتیں کرنے لگی، اب اس کے لب و لہجہ میں شیرینی تھی، باتوں میں رس تھا، اس کی ہر ہر بات پر میں بچھا جاتا تھا۔ جی چاہتا تھا دل کے ساتھ جان بھی نذر کر دوں ——!"

ملازم چائے لے کر آگیا،

اور رشید بڑے انہماک اور یکسوئی سے چائے بنانے لگا،

ضرورت کیا تھی ؟"

"اب بھی نہیں سمجھے ؟"

"بالکل نہیں !"

"تو پھر اپنے الفاظ واپس لو، بے وقوف میں نہیں ہوں تم ہو !"

"یہ مان سکتا ہوں کہ میں بھی ہوں، لیکن یہ قطعاً نہیں مان سکتا کہ تم نہیں ہو!"

رشید نے کہا: "خدا کے بندے۔ اس سارے سوانگ کی غرض وغایت صرف یہ تھی کہ تمہیں باور کرایا جائے کہ ہمیں تیری پروا نہیں، تیرے جیسے بہت سے دوسرے بھی ہمارے پیچھے پیچھے گھومتے ہیں، دوسرا مقصد یہ تھا کہ تمہیں چڑایا جائے کہ دیکھو اور جلو۔ ——— رات کے وقت نئے پیچے، ساتھ رقیب کو لئے ——— اب بھی سمجھے یا نہیں ؟"

"سمجھ گیا۔ لیکن آخر ان حرکتوں کا مقصد ؟"

"پھر وہی بے تُکی کی بات ! ——— مقصد یہ کہ مایوس ہو جاؤ، نفرت تو وہ اب کرتی ہی ہے تم سے !"

محمود نے ایک جذبے کے عالم میں کہا: "لیکن میں محمود ہوں ——— میں نے کبھی ہار نہیں مانی میں کبھی نہیں ہارا، اب بھی نہیں ہار مانوں گا، اب بھی نہیں لڑوں گا جان دے دوں گا، لیکن جیت کر !"

"دیکھا جائے گا۔ میری رائے تو یہ ہے کہ میری طرح تم بھی لعنت بھیجو !"

میں زمین و آسمان بدل گئے تھے ——— ان تینوں تیل ہی نہ تھا گویا ——— ہم سے اور ان سے میل ہی نہ تھا گویا!"

"دیکھو جھوٹ کی سند نہیں!"

"پھر وہی لغویت، ارے بھئی جھوٹ بولنے کی کوئی وجہ بھی تو ہو!"

"خیر چھوڑو ان باتوں کو، اصل موضوع پر آؤ!"

"ہاں تو میں نے پہنچنے کے بعد تقاضہ کیا، وقت ہو رہا ہے تشریف لے چلئے!"

فرمایا: "ہم نہیں جائیں گے!"

میں نے اطہر کیا، بگڑ گئیں، اور ایسی ناگفتہ بہ باتیں کہیں جنہیں دوہرا کر تمہارے سامنے میں خود اپنی آنکھوں میں ذلیل نہیں ہونا چاہتا ——— مختصر یہ کہ نہ صرف میکا نہیں گئیں بلکہ مجھے اتنا ذلیل کیا کہ میں نے طے کر لیا کہ اس عورت کا اب کبھی تصور بھی نہیں کروں گا بخدائے لایزال، اب جب خیال آجاتا ہے تو خون کھولنے لگتا ہے جی چاہتا ہے اپنی اور اس کی جان ایک کر دوں، مگر کروں کیا عورت کا معاملہ ہے، نہ زبان کھلتی ہے نہ ہاتھ چلتا ہے ——— میرے بھائی تمہیں تمہاری عذرا اور پروین کو اس کی ماں مبارک، بندے کو اس سے کوئی واسطہ نہیں، بھتیجو بی بلائی کو لنڈورا ہی اچھا، ———!"

محمود ہنس پڑا،

"بے وقوف کہیں کے ——— لیکن سمجھ میں نہیں آیا، آخر اس سوانگ کی

"نہیں تم بھی نہیں پی سکتے!"

"پھر اس نے ملازم سے کہا "میں کہتا ہوں واپس لے جاؤ!"

وہ الٹے پاؤں واپس چلا گیا!

رشید نے کہا "اب تک بچپن نہیں گیا مزاج سے!"

"کیوں جائے؟ —— تمہاری طرح قبل از وقت بوڑھا ہونا نہیں آتا مجھے!"

پھر دونوں بڑی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ رات گئے محمود نے اجازت چاہی، رشید نے کہا "جاؤ لیکن آیا کرو گے کبھی کبھی؟"

"ہاں بشرط فرصت!"

"شرط مت لگاؤ، وعدہ کرو —— اب ہم تو رقیب نہیں رہے دوست ہیں، مجھے تم سے ہمدردی ہے!"

محمود نے کہا "پھر تو ضرور آؤں گا!"

اور وہ چلا گیا،

راستہ بھر وہ یہی سوچتا رہا، عذرا کیا تھی اور کیا بن گئی ہے؟

پہلے اس میں شاخ گل کی طرح لچک تھی، اب وہ پتھر کی طرح سخت ہے پہلے سراپا رحم تھی اب وہ شقاوت کا مجسمہ بنی ہوئی ہے!

لیکن نہیں، اس میں اس کا کوئی قصور نہیں!

ایک تاثر کے عالم میں محمود نے کہا "وہ بھی تو نہیں ہو سکتا ـــــــ اگر تمہاری، طرح ہمت ہار کر بیٹھ جاؤں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ میں نے ہار مان لی، میں نے ابھی کہا نا، مرجاؤں گا، لیکن مرتے مرتے بھی ہاروں گا نہیں، جیتوں گا !"

"سبحان اللہ کیا خوب جیت ہے، جان سے گذر گئے لیکن جیت بھی گئے، ایسی فتح سے فائدہ ؟"

"اس لذّت کو میرا دل جانتا ہے، اس لذّت سے میری زبان آشنا نہیں ہو سکتی ـــــــ پھر رشید ایک بات اور بھی تو سوچو !"

"اب کون سی بات یاد آئی ؟"

"اگر جان دے کر، مر کر میں پرویز کو ہمیشہ کے لئے اس کی ماں سے ملادوں، عذرا کو ہمیشہ کے لئے اس کی اکلوتی بیٹی دے دوں تو کیا یہ کوئی معمولی بات ہے ؟ اسے تم میری کامیابی نہ کہو گے ؟"

"بھائی اب تم فلسفہ پر اتر آئے۔ یہ باتیں ہم جیسے جاہلوں کی سمجھ میں نہیں، آتیں !"

اتنے میں ملازم پھر چائے لے کر آگیا، محمود نے اسے کڑی نظروں سے دیکھا اور کہا "واپس لے جاؤ !"

رشید بیچ میں بول پڑا،

"واپس کیوں کرتے ہو، تم نہ پینا، مجھے تو پینے دو ـــــــ !"

۱۸،

ایک اور کوشش!

بار بار محمود کا جی چاہتا تھا کہ وہ عذرا کے پاس جائے اور اس سے کہے میں خطا وار ہوں،

تم خطا پوش اور خطا بخش ہو!

میری غلطیاں معاف کر دو ـــــــ چلو میرے ساتھ، اور ہم تم ماضی کو بھول کر حال میں غرق ہو جائیں، پر دین ہم دونوں کا کھلونا ہے، اس سے جی بہلائیں گے، کبھی ہم اس سے کھیلیں گے، کبھی وہ ہم سے کھیلے گی!،

لیکن وہ سوچ سوچ کر رہ جاتا تھا، ہمت نہیں پڑتی تھی کہ ارادہ کو عمل کا جامہ پہنائے، اسے عذرا کی تیکھی چتون سے ڈر لگنے لگا تھا، وہ اس کے سامنے جاتے ہوئے اس طرح ڈرتا تھا، جیسے جج کے سامنے مجرم!،

لیکن یہ معاملہ ٹالا بھی نہیں جا سکتا تھا! اس نے سوچا اگر میں نہیں جانا چاہتا، یا نہیں جا سکتا تو کسی اور کو کیوں نہ شفیع بنا کر بھیجوں؟ وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ کہیں،

قصور وار میں ہوں !"

اس تبدیلی کا بنیادی سبب میری ذات ہے !۔

میں نے اگر اسے دھوکا نہ دیا ہوتا، تو وہ آج بھی وہی ہوتی جو تھی،

میں نے اس کے ساتھ بیوفائی نہ کی ہوتی تو اب بھی اس میں کوئی تغیر نہ ہوتا !

اور وہ جب گھر پہنچا تو اس نے دیکھا، پروین اپنی ماں کو یاد کرتے کرتے، اور روتے روتے سو گئی ہے۔ اس کی پلکیں اب بھی بھیگی ہوئی تھیں اور یہ منظر دیکھ کر نہ جانے کیوں خود اس کی آنکھیں بھی پرنم ہو گئیں ! اس کا جی چاہا کہ وہ پروین کو سوتے سے جگائے اور اس سے کہے میری بچی تو سہم سہم کر نہ رو، جی بھر کر رو لے، اکیلی اکیلی نہ رو، میرے سامنے آنسو بہا، میں بھی تیری طرح زخم خوردہ ہوں، میں تیرا ساتھ دوں گا، تیرے ساتھ روؤں گا، اس طرح میرے دل کا بوجھ بھی ہلکا ہو گا اور تیرے غم کا بار بھی ہلکا ہو جائے گا !!

لیکن وہ یہ کچھ نہ کر سکا، پروین کو پیار کیا، اور چپ چاپ بستر پر دراز ہو گیا! رات بھر جاگنے کے لئے !"

"اسی لئے تو اس کے پاس جانا نہیں چاہتا، اس لئے کہ جانتا ہوں اس سلسلہ میں وہ میری کیا کسی کی نہیں ملنے گی!"

محمود نے ذرا اُداس لہجہ میں کہا: "اس روز تو تم کہہ رہے تھے وہ مجھ سے محبّت کرتی ہے!"

"یہ اب بھی کہتا ہوں، اور سچ کہتا ہوں!"

"پھر وہ کیوں نہیں آئے گی؟ کیوں نہیں لاسکو گے تم اسے؟"

"دونوں الگ الگ باتیں ہیں، محبّت کرنا ایک الگ بات ہے اور یہاں آنا جدا بات، اس کے دل سے تمہاری یاد اب تک نہیں گئی ہے اور میرا خیال ہے کبھی نہیں جائے گی، لیکن منہ دھو رکھو، اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ محبّت پر وہ اپنی خودداری اور آن قربان کر دے گی تو اوّل درجہ کے بیوقوف ہو، وہ مٹ جائے گی، مر جائے گی، مگر اپنی آن میں فرق نہیں آنے دے گی، ساری زندگی میں وہی تو ایک عورت ملی ہے نہیں، وہ ماہ پارہ بیگم نہ باشد!"

محمود کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اس نے انہیں روکتے ہوئے کہا: "آخر دوسرے کیا؟ کیا ایک عمر سے کم ہے؟"

"جی نہیں، وہ ایک کھلی کتاب ہے، جہاں سے چاہیئے پڑھ لیجئے!"

بے جوش لیکن بڑی بے بسی کے ساتھ محمود نے کہا: "پھر وہ مجھے معاف کیوں نہیں کر دیتی؟ میرے پاس کیوں نہیں چلی آتی؟ —— میں جانتا ہوں،

سے گھومتا گھامتا سلیم آنکلا، محمود اسے دیکھ کر خوش ہو گیا۔ اس نے کہا: "خوب آئے بھئی، بہت دن جیو گے، میں تمہیں یاد ہی کر رہا تھا!"

سلیم نے کہا "او زہے قسمت، خیر تو ہے، کیوں یاد فرمایا جا رہا تھا اس خاکسار کو؟"

"تکلف برطرف، تم سے ایک کام لینا ہے!"

"مجھ سے؟ —— اماں کیوں کانٹوں میں گھسیٹتے ہو خواہ مخواہ کو!"

"نہیں سچ، بڑا ضروری کام ہے!"

"تو کہہ ڈالو۔ پھر سوچ کیا رہے ہو؟"

"وعدہ کرتے ہو؟ انجام دو گے اسے؟"

"تمہاری حرکتوں نے اگرچہ مجھے تم سے بیزار کر دیا ہے پھر بھی جو کچھ کر سکتا ہوں اس سے دریغ نہ کروں گا!"

"تو پھر تم عذرا کے پاس جاؤ!"

"وہاں جا کر کیا کروں؟"

"اسے منا کر میرے پاس لے آؤ!"

سلیم نے ایک زور کا قہقہہ لگایا،

"کچھ بھنگ پی گئے ہو؟ —— میں عذرا کے پاس جاؤں اور اسے منا کر لے آؤں، کیوں؟"

"ہاں تو کیا ہوا؟ —— تمہاری بات ضرور مان لے گی بہت مانتی ہے تمہیں!

ے پاس جاؤ اور میری طرف سے کہو ـــــــ تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن ـــــــ وہ مجھ سے زیادہ اپنے ساتھ دشمنی کر رہی ہے، اس کی زندگی برباد ہوئی جا رہی ہے، وہ پردین کو چاہتی ہے، مگر اس سے ملتی نہیں، پردین اس پر جان دیتی ہے اور مری جا رہی ہے اس کے غم میں، وہ مجھے چاہتی ہے ـــــــ یقین تو نہیں آتا لیکن تم کہتے ہو تو تھوڑی دیر کو مانے لیتا ہوں ـــــــ لیکن مجھ سے نفرت بھی کرتی ہے، میں اسے چاہتا ہوں، لیکن اس سے اسی طرح دور رہنے پر مجبور ہوں جس طرح آتش پرست آگ سے ـــــــ آخر اس کا انجام کیا ہوگا؟ کیا اس کا انجام یہ نہیں ہوگا کہ پردین کھلنے سے پہلے مرجھا جائے، میں اپنی جان سے گذر جاؤں اور وہ خود بھی اپنی زندگی ہوتے ہوئے ختم کرلے ـــــــ سلیم تم چپ کیوں ہو؟ بولو جواب دو، میں غلط تو نہیں کہتا!"

"بالکل ٹھیک کہتے ہو!"

"پھر تم میرے پیامی بن کر اس کے پاس جاتے کیوں نہیں؟"

"کہو تو چلا جاؤں، لیکن کامیابی کی امید بہت کم ہے!"

"جب بھی جاؤ"

"چلا جاؤں گا؟"

"کب؟ ـــــــ جب میں مرچکوں گا؟ پردین دو من مٹی کے بوجھ تلے دب رہی ہوگی؟"

وہ پاک دامن بھی ہے میں قانونی طور پر اس کا شوہر سہی، لیکن میرے اس کے زن و شو کے تعلقات نہ تھے، ان تعلقات کو میں نہ نباہ سکا، لیکن اس نے نباہا، اور آج تک نباہ رہی ہے!"

"یہ کیسے معلوم ہوا؟"

"میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ پاک دامن ہے، وہ باآبرو ہے، میرے سوا اس نے کسی شخص سے نہ محبت کی، نہ کسی کی محبت قبول کی، وہ اتنی ہی معصوم ہے جتنا ایک پاکباز عورت کو ہونا چاہیئے!"

"ان باتوں میں شبہ کسے ہے؟ آخر اس وعظ کا مقصد؟———!"

"میں پوچھتا ہوں، جب وہ میرے سوا کسی اور کی نہیں بنی تو پھر میری ہی کیوں نہیں رہتی؟"

"اور کس کی ہے؟"

"اوہ، تم میرا مطلب نہیں سمجھے!"

"سمجھایئے!"

"میرا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ کسی اور سے محبت کرنے لگتی، کسی دوسرے آدمی سے شادی کر لیتی، یا آوارگی کی زندگی بسر کرنے لگتی؛ تو مجھے ہرگز کوئی شکایت نہ ہوتی، اور اس کے موجودہ طرزِ عمل کو میں بالکل جائز اور مناسب سمجھتا، لیکن روتا تو اسی کا ہے وہ میرے سوا کسی اور کی ہے بھی نہیں، اور میری بھی نہیں، سلیم تم اس

چاہتا خواہ وہ مسرت انگیز ہو یا تکلیف دہ، لہٰذا بہتر یہی ہے تم مجھے اور عذرا کو چوبیس گھنٹے کے لئے بھول جاؤ، انشاءاللہ کل ملیں گے!"

سلیم چاہی رہا تھا کہ نہ جانے کس طرح پروین نے اسے دیکھ لیا اور وہ تیر کی طرح سیدھی اس کے پاس پہنچی، اور کہنے لگی "آپ بڑے جھوٹے ہیں!"

سلیم ہنسنے لگا،

"کیوں بیٹی؟"

"نہ ممی کو یہاں لائے، نہ مجھے ان کے پاس لے گئے، اب میں آپ سے کبھی بات نہیں کروں گی ———!"

اور یہ کہتے کہتے اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں، سلیم نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا "تم تو خفا ہو گئیں بیٹی ——— تمہیں کیا معلوم میں کتنی کوشش کر رہا ہوں!"

وہ بولی "آپ کچھ نہ کیجئے مجھے لے چلئے ممی کے پاس، پھر میں جانوں اور وہ جانیں"

ان الفاظ میں کتنا سوز اور اثر تھا اسے سلیم نے پوری طرح پر محسوس کیا، اس نے کہا "بیٹی، تھوڑی سی مہلت اور دو"

وہ مچل گئی،

"آخر مہلت کی ضرورت ہی کیا ہے؟ مجھے لے چلئے نا وہاں!"

"ضرور لے چلوں گا، لیکن آج نہیں، کل، آج تو کرفیو لگا ہوا ہے!"

"جب کہو چلا جاؤں؟"

"آج، ابھی، اسی وقت، فوراً جاؤ ـــــــ میں تمہارا منتظر ہوں، واپس آکر بتاؤ، اس نے کیا کہا؟ کیا جواب دیا، اس کے جواب پر میری زندگی کا انحصار ہے، اور پرویز کے مستقبل کا دارومدار ہے ـــــــ سلیم سوچ کیا رہے ہو جاؤ، تمہیں مجھ پر رحم نہیں آتا میں کتنا ہی برا سہی، لیکن تمہارا دوست ہوں۔"

"سلیم اٹھ کھڑا ہوا،

"جاتا ہوں، لیکن آج تم میرا انتظار نہ کرنا!"

"یہ کیوں بھائی؟"

"نہ جانے اس سے ملاقات بھی ہو سکے یا نہ ہو سکے، اور ہو تو باتیں چھڑ سکیں یا نہ چھڑ سکیں اور چھڑ بھی جائیں تو بھی ایک نشست میں مکمل اور فیصلہ کن گفتگو ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ ان تمام احتمالات کو پیش نظر رکھو، یہاں سے سیدھا میں دہلی جا رہا ہوں، لیکن ملاقات تم سے کل کروں گا!"

وہ کچھ سوچتا ہوا بولا: "اچھا ـــــــ لیکن اگر باتیں ہو جائیں تو سیدھے یہیں آنا، میں یہیں ملوں گا!"

سلیم نے جھنجھلا کر کہا: "جب بھی نہیں آؤں گا!"

"کیوں میرے دوست؟"

"تم پر اس وقت جذبہ طاری ہے اور اس حالت میں میں تمہیں کوئی خبر دینا

"نہیں بھیّا، میں بالکل نہیں روئی، روؤں گی بھلا کیوں؟"

"پھر یہ آنکھیں سوجی کیوں ہیں؟ لال کیوں ہو رہی ہیں؟"

وہ آنکھوں پر ہاتھ پھیرتی ہوئی زبردستی مسکراتی ہوئی بولی "یہ تو آشوب چشم ہے بھیّا، ہو ہی جاتا ہے۔ آپ نے بھی بات کہاں سے کہاں پہنچا دی!"

وہ بولا "مجھ سے نہ اُڑو، میں اڑتی چڑیا کو پہچانتا ہوں یہ آشوب چشم نہیں، آشوب دل ہے، پروین کی جدائی برداشت نہیں ہوتی صاف صاف کیوں نہیں کہتیں؟"

وہ بڑے استقلال سے بولی "پروین؟ ——— اسے تو میں بھول بھی گئی!"

"سچ کہتی ہو؟"

"ہاں بھیّا بالکل سچ!"

سلیم نے سمجھاتے ہوئے کہا "دیکھو عذرا دنیا میں قاعدہ ہے کسی نہ کسی کو اپنا ہمدم اور دمساز ضرور سمجھتے ہیں، اس سے دل کی کوئی بات نہیں چھپاتے، اس طرح دل کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے اور کامیابی کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں!"

وہ ذرا اجڑ کر بولی "ہوتی ہوں گی بھیّا، لیکن میرے سامنے نہ کامیابی ہے نہ ناکامی، اس منزل سے بہت آگے گذر چکی ہوں، رہا ہمدم اور دمساز سمجھنے کا معاملہ تو سچ میں آپ کو اپنا سچا دوست بھی سمجھتی ہوں اور ہمدرد بھی!"

سلیم نے پوچھا "کیا پروین کے بغیر تم زندہ رہ سکو گی؟"

وہ بے پروائی سے بولی "زندہ رہ سکوں گی، مر جاؤں گی پھر؟ کونسی قیامت

کہنے لگی "پھر آپ کیسے باہر جا رہے ہیں؟ بیٹھئے نہیں!"

سلیم نے جیب سے سگریٹ کی ڈبیہ نکالی اور کہا "یہ دیکھو کیا ہے؟ سگریٹ ہے نا؟"

وہ بولی "ہاں ہے!"

کہنے لگا "پولیس والے سگریٹ کے بڑے شوقین ہوتے ہیں آج انہیں یہ تحفہ دے کر دوست بنا لوں گا کل ہم تم ٹھاٹھ سے چلیں گے پھر دیکھیں گے کون مائی کا لال روکتا ہے ہمیں۔!

محمود نے جل کر کہا "ارے بھئی جا بھی جلدی کسی طرح!"

سلیم محمود کے ہاں سے اٹھ کر سیدھا عذرا کے ہاں پہنچا، اتفاق سے اس وقت وہ موجود تھی لیکن بہت بدلی ہوئی آنکھیں سوج آئی تھیں اور سرخ ہو رہی تھیں، چہرے پر افسردگی اور سوگواری کا اثر غالب تھا معلوم ہوتا تھا کئیں بکی اور روئی، سلیم نے اس کا یہ رنگ دیکھا، کچھ دیر دیکھتا رہا، پھر کہا "عذرا یہ تم نے اپنی کیا حالت بنالی ہے؟"

وہ سنبھل کر بیٹھ گئی،

"کیا ہوا بھیا؟"

"معلوم ہوتا ہے رات بھر روئی ہو نہ جانے کتنی راتوں سے رو رہی ہو!"

"ہاں!"

"میری سمجھ میں نہیں آتا، آپ لوگ موت کو اتنا بھیانک کیوں سمجھتے ہیں؟ موت سے ڈرنے اور گھبرانے کے کیا معنی؟ اس سے بڑھ کر بھی یقینی، قطعی، اور ناگزیر کوئی چیز ہے دنیا میں؟ جب موت آنی ہی ہے تو کل آئی اور آج آئی، اس میں فرق ہی کیا ہوا؟ کم از کم میں تو نہیں سمجھتی"

سلیم نے کہا "بہت بڑا فرق ہے، موت کا آنا اور چیز ہے بلانا اور چیز، یہاں موت آنہیں رہی ہے بلائی جا رہی ہے!"

"میں تو نہیں بلاتی ——— جو جہاں ہے وہاں زندہ رہے!"

"خواہ زندگی موت سے بدتر کیوں نہ ہو جائے یہی مطلب ہے تمہارا؟"

وہ بولی "بھیا آج آپ کو کیا ہو گیا ہے، آپ تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی کے پیامی بن کر آئے ہیں؟ اس سے پہلے تو آپ نے کبھی ایسی باتیں نہیں کیں!"

سلیم نے کہا "کیا کروں نہ پروین کی حالت دیکھی جاتی ہے نہ میاں محمود کی ——— اور نہ تمہاری!"

وہ بگڑ گئی،

"آپ بار بار میری حالت کا تذکرہ کیوں کرتے ہیں، مجھے تو کچھ نہیں ہوا؟ آج تک میں نے آپ سے کبھی محمود صاحب کا ذکر کیا؟ پروین کو یاد کیا، کبھی میں نے آپ کے سامنے؟ سچ کہیئے گا؟"

آجائے گی!"

"لیکن آخر کیوں مرد، زندہ کیوں نہ رہو؟"

"کہنے لگی "اگر زندگی کی شرط یہ ہے کہ میں محمود صاحب سے پھر ربط ضبط قائم کروں تو باز آئی میں ایسی زندگی سے مجھے نہیں چاہیئے یہ زندگی!"

مصالحت کے لہجہ میں سلیم نے کہا "عذرا اب بس کرو، اپنی ضد، آخر چاہتی کیا ہو؟ کیا کرے وہ بیچارہ ——— یاد کرو جب اس نے تم سے دغا بازی کی ہے تو اس کا بہترین دوست ہونے کے باوجود میں بدترین دشمن بن گیا تھا جتنا میں نے اسے ڈانٹا پھٹکارا ہے، کسی نے نہیں کیا ہوگا، لیکن اب میں اس کی حالت دیکھ رہا ہوں واقعی وہ نادم ہے تلافی پر آمادہ ہے، اس کی حالت مجھ سے دیکھی نہیں جاتی دیوانہ ہوا جا رہا ہے وہ تمہارے غم میں ——— آنکھوں دیکھی کہتا ہوں، کانوں سنی نہیں کہتا!"

"مانتی ہوں آپ غلط نہیں کہتے ——— اسی لئے میں نے ان پر رحم کیا اور پرویز انہیں بخش دی، لیکن وہ تو انگلی پکڑتے پکڑتے پہنچا پکڑنے لگے، کیا ایسا ہو سکتا ہے؟"

"کیوں نہیں ہو سکتا ——— رحم کرو عذرا محمود پر بھی، پرویز پر بھی، اور اپنے آپ پر بھی، ورنہ جانتی ہو انجام کیا ہوگا؟

"تینوں مر جائیں گے، یہی نا؟"

عذرا چاہ رہی تھی سلیم پر اس گفتگو سے جو بُرا اثر پڑا ہے، وہ باتوں باتوں میں مل جائے، لیکن ایسا نہیں ہوا آج اسے واقعی بہت صدمہ پہنچا، اس نے اگرچہ محمود کو کوئی امید نہیں دلائی تھی لیکن خود بہت پر امید ہو کر یہاں آیا تھا، اس کا خیال تھا آج وہ کسی نہ کسی طرح عذرا کو شیشہ میں اتار ہی لے گا، لیکن اس کا یہ خیال غلط ثابت ہوا، اس نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا: نہیں یہ بات تو نہیں ہے، موقع ملتا ہے تو بار بار آتا ہوں نہیں ملتا تو بے شک وقفہ طویل ہو جاتا ہے، لیکن اگر کوئی کام ہو تو جب چاہو بلا سکتی ہو —— میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں!"

وہ کہنے لگی "بڑے اچھے آدمی ہیں —— اچھا چائے پی لیجئے پھر جائیے گا!"

"کیا کرو گی تکلف کر کے، ابھی چائے پی کر آیا ہوں ورنہ پی لیتا!"

وہ بولی: جی نہیں چائے تو پینی ہی پڑے گی آپ کو، ہاں اگر آپ کو میرے ہاں کی چائے پینے سے کسی نے منع کر دیا ہو تو دوسری بات ہے پھر میں اصرار نہیں کرتی!"

سلیم ہنسنے لگا،

"اچھا لاؤ بھئی پی لیں گے —— منع کون کرے گا بھلا میں کسی کا زرخرید یا دبیل ہوں، کیا سمجھا ہے تم نے مجھے؟"

وہ کہنے لگی،

"نہیں کبھی نہیں!"

"پھر ان دونوں کے ساتھ میرا نام آپ کیوں نتھی کر لیا کرتے ہیں؟ ایسا معلوم ہوتا ہے جب تک میرا نام نہ لیا جائے مصرعہ کا وزن ہی پورا نہیں ہوگا!"

سلیم نے گفتگو کا سلسلہ مختصر کرتے ہوئے کہا "تو میں سمجھ لوں تم محمود سے صلح نہیں کروگی!"

"جی نہیں، صلح نہیں ہو سکتی!"

"کسی شرط پر نہیں؟"

"جی کسی شرط پر نہیں!"

"یہ تمہارا آخری اور قطعی فیصلہ ہے؟"

"ہاں، اور بہت پرانا!"

سلیم خاموش ہو گیا،

عذرا نے بھی سکوت اختیار کر لیا!

بڑی دیر تک دونوں چپ چاپ بیٹھے رہے، پھر سلیم نے کہا "اچھا اب چلتا ہوں!"

وہ مسکراتی ہوئی بولی "اب گئے گئے نہ جانے کب آئیں گے آپ؟ آخر یہ کیا عادت ہے آپ کی، آئیں گے تو آتے رہیں گے اور جائیں گے تو پھر لوٹ کر خبر بھی نہیں لیں گے!"

(۱۹)

پھر وہی سوال!

سلیم سے کئی دن تک محمود کی ملاقات نہ ہوئی، اس لئے کہ سلیم اسے منہ دکھاتے ہوئے شرماتا تھا، وہ سوچتا تھا،

"آخر کہوں گا کیا محمود سے؟ عذرا کی باتیں مجھ سے نہ دہرائی جائیں گی، سن لے گا تو رو دے گا!"

لیکن ایک روز محمود نے خود سلیم کو جا پکڑا،

"کیوں سلیم صاحب یہی شرطِ انسانیت ہے؟ ایسے گئے کہ رسید بھی نہ دی!"

سلیم نے ندامت کے ساتھ کہا "کیا کروں کچھ ایسا ہی پھنسا رہا، بعض ضروری کاموں میں!"

"خیر میں خود آگیا، جانتا ہوں کنواں پیاسے کے پاس نہیں جاتا کہو کیا گذری!"

وہ خفت کی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوا،

"اچھی گذری!"

"میں نے آپ کو بڑا اچھا آدمی سمجھا ہے ——— بیٹھئے میں ابھی لاتی ہوں!"

"... وہ چپ سے چائے بنانے کے لئے چلی گئی اور سلیم نہ جانے کیا کیا سوچنے لگا، اکیلا بیٹھ کر ———————————— !"

———— ※ ————

بڑے استقلال کے ساتھ محمود نے کہا "اب میں خود ملوں گا!"

"بیکار ہے ——— بات بھی کھوئی التجا کر کے ——— لا حاصل!

مت جاؤ!"

"ضرور جاؤں گا!"

"تم جانو، لیکن یہ کہے دیتا ہوں، دال گلنے والی نہیں ہے وہاں!"

"پھر بھی مجھے جانا ہی پڑے گا!"

"جاؤ، لیکن ایک بات بتاؤ ——— اگر تم سے بھی وہ نہ مانی پھر؟"

"جانتا ہوں، وہ نہیں مانے گی، لیکن اس کے بعد کیا کروں گا، اس کا قطعی فیصلہ ابھی نہیں کر سکا!"

سلیم سمجھ رہا تھا، محمود کا دماغ کس طرف جا رہا ہے اس نے دوستانہ اپنایت کے ساتھ کہا "لیکن تمہارا کوئی فیصلہ نافذ نہیں ہو سکتا جب تک میری رائے بھی اس میں شامل نہ ہو!"

محمود خاموش رہا!

"سن رہے ہو یا نہیں؟ ——— میں نے کیا کہا؟"

وہ بولا "سن لیا ——— تمہیں تو ایک میرے مشیر ہو!"

سلیم نے کچھ سوچتے ہوئے سوال کیا "یار ایک بات تو بتاؤ ——— آخر ۹، سال کی مفارقت کے بعد تمہارے دل میں عذرا کی محبت پھر کیسے پیدا ہو گئی۔ اب

محمود نے پوچھا "کیا باتیں ہوئیں؟"

سلیم سمجھ گیا اب ٹال مٹول سے کام نہیں چلے گا، جھوٹ بولنا اور لیپ پوت کرنا بیکار ہے، سارا ماجرا سچ سچ بتا دینا چاہیئے، اس نے کہا "وہ سب کچھ جو تم نے کہا تھا!"

"پھر نتیجہ؟"

"وہی حسب سابق!"

"یعنی انکار؟"

"ہاں صاف اور شدید!"

یہ سن کر محمود پر جیسے بجلی گر پڑی، چہرہ سفید پڑ گیا، کاٹو تو لہو نہیں بدن میں،

سلیم نے دلاسا دیتے ہوئے کہا "اماں ہٹاؤ بھی —— تم بھی میری مانو تو ترکی بہ ترکی جواب دو"

محمود نے خلا پر نظریں گاڑ دیں اور کہا "تمہارا مطلب یہ ہے کہ عذرا کے خیال سے دست بردار ہو جاؤں؟"

"ہاں یہی ہے۔ اور کیا جان دو گے اپنی اس ضدّن عورت کے لئے؟"

ایک ٹھنڈی سانس بھر کر محمود نے کہا "پروین کو اپنے سامنے مرتا دیکھنے سے بہتر یہی ہے کہ اپنی جان دے دوں!"

"ہاں یار پروین کا سوال بڑا ٹیڑھا ہے! —— پھر اب؟"

سکتا ـــــ محبت سے محبت تو کی جا سکتی ہے لیکن نفرت سے محبت کرنا آپ ہی جیسے بزرگ کا کام ہے!"

محمود نے سلیم کی باتوں پر توجہ کئے بغیر بڑی سنجیدگی سے کہا "اگر عذرا اب تک میری پرستار ہوتی تو شاید میں اس کی طرف رخ بھی نہ کرتا، جو چیز مجھے اس کی طرف کھینچ رہی ہے وہ اس کی یہی بیگانگی ہے!"

"بہت خوب، مکرر ارشاد فرمایئے!"

"جتنا چاہو ٹھٹھا کر لو، لیکن بات یہی ہے!"

"خدا کے بندے بات یہی ہے، لیکن اس بات میں کچھ وزن بھی ہے؟"

"میرے لئے تو ہے!"

"ہو گا، خیر چھوڑ و اس قصہ کو!"

"تم ہی نے چھیڑا ہے، بغیر ختم کئے چھوڑ کیسے دوں؟"

جل کر سلیم نے کہا "اچھا تو کہہ ڈالو!"

محمود نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "واقعہ یہ ہے میں عذرا کو بھول گیا تھا، ماہ پارہ نے مجھے بے نیاز بنا دیا تھا، وہ عذرا سے کم حسین نہیں تھی اور دولت مند بھی تھی!"

"ہاں تھی پھر؟"

"پھر تم نے مجھے پروین کی تصویر دکھائی اور وہ میرے دل میں چھپ کر بیٹھ گئی، اور آنکھ مچولی کرنے لگی ـ بعد سے، یہ تصویر دیکھ کر پہلی بار مجھے اندازہ ہوا، اولاد

تو اس میں وہ بات بھی نہیں رہی جو ۹ برس پہلے تھی!"

محمود نے جواب دیا "ٹھیک کہتے ہو —— لیکن اس مرتبہ میں عذرا سے محبت کر رہا ہوں اس کی "وہ بات" سے نہیں، زندگی کے ہر دور میں انسان کا مزاج اور رجحان بدلتا رہتا ہے پہلے میں مجاز کا پرستار تھا، اب حقیقت کا پجاری ہوں، پہلے سنگ ریزے کی طرف لپک رہا تھا، اب میری نظر موتی پر ہے، پہلے نفس کا بندہ تھا اب ——" سلیم نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: "بس کرو بھائی، معلوم ہو گیا، بڑے بھاری ولی اللہ ہو —— کر لو، اپنی سی کوشش، لیکن ایک دفعہ پھر کہے دیتا ہوں، یہ بیل منڈھے چڑھنے کی نہیں!"

محمود نے گویا سلیم کی یہ باتیں سنی ہی نہیں، کہنے لگا "تم نے ابھی پوچھا تھا، میں عذرا کی کس چیز سے محبت کرنے لگا ہوں؟"

"ہاں پوچھا تھا!"

"مذاق تو اڑاؤ گے، لیکن چھپانا بھی نہیں چاہتا، میں عذرا کی نفرت سے محبت کرتا ہوں!"

سلیم اپنی جگہ سے اچھل پڑا،

"کیا کہا؟ —— نفرت سے محبت کرتے ہو، ایں؟"

"ہاں بھئی ہاں!"

"بڑا اونچا فلسفہ بیان فرمایا آپ نے، ہم جیسے عامیوں کی سمجھ میں تو نہیں

"تم مستحق بھی تو تھے نفرت کے!"

"ہاں تھا، اور سر جھکا کر کھڑا بھی ہو گیا ———— لیکن میں دوسری بات کہہ رہا تھا!"

"کون سی بات؟"

"میں یہ کہہ رہا تھا، میں نے عذرا کے بہت سے روپ دیکھے، ناواقفیت کا رنگ، چاہ کی کیفیت، بیگانگی کا طور، انجان بنے کا رکھ رکھاؤ، اور ان سب کیفیتوں میں اس کی انفرادیت قائم رہی، لیکن بخدا اسے نفرت کے عالم میں جتنا حسین اور خوب رو میں نے پایا کبھی نہیں پایا!"

"اوہ، اب شاعری پر اتر آئے!"

"نہیں شاعری کرکے کیا کروں گا، واقعہ یہ ہے اس کی یہ ادا میرے دل میں کھُب گئی!"

"بس تو اس کی نفرت کی پوجا کرتے رہئے، رہی وہ، سو وہ ہاتھ آنے سے رہی!"

"نہ آئے جتنی جتنی اس کی نفرت بڑھتی جائے گی اتنی ہی اتنی وہ حسین سے حسین تر ہوتی جائے گی!"

سلیم نے گھبرا کر کہا "خدا کے لئے اب یہ سلسلہ بند کرو مجھے اس قسم کی باتوں سے دہشت ہوتی ہے، یہ تم کیا بک رہے ہو میری سمجھ میں نہیں آتا!"

محمود مسکرایا۔

کیا ہوتی ہے؟ اس کی کشش کتنی پرزور ہوتی ہے، آخر پروین کو میں نے کسی نہ کسی طرح حاصل کر لیا، اور پروین جب آئی تو تنہا نہیں آئی!"

"لاؤنشکر بھی لائی اپنے ساتھ؟"

"نہیں وہ اپنے ساتھ عذرا کو بھی لائی، میں نے ۹ برس کے بعد اسے دیکھا اور نہ جانے کیوں میرا دل اس سے پھر مانوس ہوگیا!"

"میں جانتا ہوں اس راز کو ——— دل پھینک لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں، جسے دیکھ لیا اسی کے ہو رہے!"

"نہیں یہ بات نہیں ہے، میں اس قماش کا دل پھینک نہیں ہوں بات یہ ہے کہ جب میں نے ایک طویل عرصہ کے بعد اسے دیکھا تو میں نے محسوس کیا ——— جانے دو، پھر میرا مذاق اڑانے لگو گے تم!"

"نہیں مذاق نہیں اڑاؤں گا کہو!"

"میں نے محسوس کیا، یہ مجھ سے خفا نہیں ہے، میری دشمن بھی نہیں ہے۔ مجھ سے انتقام بھی لینا نہیں چاہتی ——— اگر خفا ہوتی تو بات نہ کرتی، دشمن ہوتی تو جان اور عزت کی گاہک ہو جاتی، انتقام کی جویا ہوتی تو نہ جانے کس کس طرح سے مجھے ہدف بنا سکتی تھی، لیکن اس نے کچھ نہ کیا، صرف خاموش رہی، جانتے ہو کیوں!"

"نہیں جانتا!"

"اس لئے کہ وہ مجھ سے نفرت کرنے لگی تھی!"

گھنٹے کے وقفہ سے آپ یہ دوا استعمال کرائیے، انشااللہ صبح تک اتر جائے گا، اگر رات کو تیز ہوجائے تو گھبرائیے گا نہیں ایسا ہوسکتا ہے، لیکن صبح تک ضرور اتر جائے گا!"

فوراً دوا آگئی۔ محمود نے ایک آرام کرسی پروین کی چارپائی کے پاس ڈال لی، خود اپنے ہاتھ سے دوا پلائی اور طے کرلیا کہ رات بھر جاگ کر وہ ہی وقت سے دوا، پلاتا رہے گا،

بارہ بجے کے قریب دفعتہً پروین کا بخار بہت تیز ہوگیا، اور وہ اول فول، بکنے لگی، کبھی اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کرتی، کبھی بیٹھ جاتی، کبھی لیٹ جاتی، اور لیٹتے ہی آنکھیں بند کرکے نہ جانے کیا کیا بکنے لگتی،

"ممی تم کہاں ہو؟"

"ان لوگوں نے مجھے تم سے چھین لیا ہے میں تمہارے علاوہ کسی کے پاس نہیں رہ سکتی!"

"ممی ممی!"

اور پھر وہ چیخ چیخ کر رونے لگی!

محمود نے لاکھ لاکھ اسے بہلانے کی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہوا جتنا جتنا وہ پروین کو چپ کرنے کی کوشش کرتا تھا اتنی اتنی وہ چیخ چیخ کر روتی، اور ممی ممی کا نعرہ لگاتی تھی، محمود نے تسلی دی، وعدہ کیا، بہت سارے کھلونے لاکر سامنے ڈھیر کردیئے،

"نہ آئے گا ـــــــ ان باتوں کے سمجھنے کیلئے اہل دل ہونا ضروری ہے!"

"اچھا اب یہ بتاؤ کب جاؤ گے تم درِ محبوب تک؟"

"چلا جاؤں گا، آج، کل، پرسوں، جب موقعہ ہوا، جب طبیعت نے اکسایا!"

"میرا مطلب یہ ہے کہ اگر جانا ہی ٹھہرا تو جلد جاؤ!"

"یہ کیوں؟"

"تاکہ معاملہ یکسو ہو! اونٹ کسی کروٹ بیٹھے تو ـــــــ!"

"وہاں جلد ہی جاؤں گا ـــــــ اور وہاں جو کچھ گزرے گی تمہیں اس کا علم ہو ہی جائے گا؟"

کچھ دیر تک دونوں میں مختلف قسم کی باتیں ہوتی رہیں، پھر محمود نے کہا۔

"اچھا بھئی اب چلیں گے!"

سلیم کے ہاں سے رخصت ہو کر محمود سید معاذ را کے گھر گیا، لیکن دروازے پر پہنچ کر اس کے پاؤں جیسے کسی نے پکڑ لئے، بڑی دیر تک وہ ٹہلتا رہا، لیکن کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکا، دل کی ایک آواز کہتی تھی چل، اور بتیابانہ چل، اور دوسری آواز فوراً منع کرتی تھی، خبردار ایسا نہ کرنا! آخر مجبور ہو کر وہ واپس آ گیا، گھر پہنچا تو سب سے پہلے حسب عادت پروین کے کمرہ میں گیا، وہ بخار میں لت پت پڑی تھی، کافی تیز بخار تھا، پروین کو بیمار دیکھ کر محمود کے ہوش و حواس غائب ہو گئے فوراً ڈاکٹر کو فون کیا، تھوڑی دیر میں وہ آ موجود ہوا، اس نے دیکھ بھال کر نسخہ لکھ دیا اور کہا دوا دو

اس ارادہ کو عملی جامہ نہ پہنا سکا،

جب اس کی نظر پردین پر پڑتی تھی، وہ بے قابو ہو جاتا تھا!،

لیکن وہ پردین سے زیادہ بے بس تھا، کہیں زیادہ مجبور !!!،

آخر اس نے ایک مرتبہ ڈاکٹر کو فون کیا، وہ بے خبر سو رہا تھا لیکن جگایا گیا۔

محمود کا فون تھا کیسے نہ آتا، رات کے دو بجے نیند کے نشہ میں جھومتا ہوا پہنچا!

محمود نے ساری سرگذشت کہہ سنائی اور کہا ”یہ لڑکی ماں کی منتظر بیٹھی ہے اور وہ آئے گی نہیں، تھوڑی دیر کے بعد یہ آس ٹوٹ جائے گی پھر رونا شروع کر دے گی، اس طرح اس کی صحت پر بہت برا اثر پڑے گا، کوئی تدبیر کیجئے !“

ڈاکٹر نے ایک مشورہ دیا اور کہا ”اس سے بخار ضرور اتر جائے گا اور نیند بھی فوراً آجائے گی !“

ڈاکٹر کے جانے کے بعد محمود نے پیار دلار کر کے کسی طرح سکون دیا اور خود آرام کرسی پر بیٹھ کر اس کے اثرات کا اندازہ کرنے لگا، واقعی تھوڑی دیر کے بعد پردین کو نیند آگئی اور وہ بے خبر سو گئی !،

محمود کو ذرا اطمینان ہوا، لیکن وہ اپنی چہیتی بیٹی کی دیکھ بھال کے لئے بدستور کرسی پر بیٹھا رہا، وہ نہیں چاہتا تھا پردین کو ذرا بھی تکلیف پہنچے، صبح ہوتے ہوتے ٹمپریچر واقعی نارمل ہو گیا، جیسے جیسے صبح کی روشنی پھیل رہی تھی محمود کا دل دھڑک رہا تھا، اسکی پریشانی بڑھ رہی تھی !،

مگر ——————!

پروین کی زبان پر ایک ہی بات تھی،

"میں ممی کے پاس جاؤں گی! میں انہی کے پاس رہوں گی!"

محمود کا جی چاہا عذرا کے پاس جائے اور پروین کی کیفیت بیان کرکے منت کرے کہ ہمیشہ کے لئے نہیں تھوڑی دیر کے لئے چلی چلئے، وہ اٹھا بھی، کپڑے پہن کر باہر بھی نکلا، لیکن اس کے قدموں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا، اس کی ہمت جواب دے گئی، وہ جب کمرہ میں پہنچا تو پروین نے پہلا سوال یہ کیا،

"ممی کہاں ہیں؟"

وہ بولا: "انہیں اطلاع کر دی ہے، ابھی آرہی ہیں!"

اور پھر وہ رونے لگی،

محمود نے کہا: "اگر تم روؤ گی تو وہ نہیں آئیں گی!"

یہ سنتے ہی وہ چپ ہو گئی، اس کے ہونٹ اب تک لرز رہے تھے، اس کی آنکھوں میں آنسو بھی بھرے ہوئے تھے، لیکن اب وہ رو نہیں رہی تھی چیخ نہیں رہی تھی البتہ ہچکیوں اور سسکیوں پر غریب کا زور نہیں تھا!

پروین کی یہ حالت دیکھ کر محمود کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اس کا جی چاہ رہا تھا چیخ چیخ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دے، اتنا روئے اتنا روئے کہ جل تھل کر دے!

لیکن وہ محمود تھا،

وہ بولی «وہ کیسے معلوم ؟»

محمود نے کہا «وعدہ کر گئی ہیں اور کیسے معلوم !»

وہ خوش ہو گئی «اب کے آئیں گی تو میں ان کے ساتھ چلی جاؤں گی۔۔۔۔۔؟»

جانے کا نام سنکر محمود کے سینہ پر گھونسہ سا لگا، لیکن وہ ضبط کر گیا۔ کہنے لگا،

«ساتھ جاکر کیا کرو گی ؟۔۔۔۔۔ وہ آئیں گی تو اب جائیں گی تھوڑی۔۔۔۔۔!»

«پھر یہیں رہیں گی ؟ یہیں رہا کریں گی ؟»

«ہاں اور کیا ؟»

«اس کا بھی وعدہ کیا ہے انہوں نے ؟»

«ہاں کیا ہے بیٹی !»

وہ اور زیادہ خوش ہو گئی، اسے خوش دیکھ کر محمود کا دل باغ باغ ہو گیا، اس کے بس میں ہوتا تو دنیا کی ساری خوشیاں پروین کے قدموں پر ڈھیر کر دیتا لاکر، اور پھر اس نے سوچا «کب تک اس معصوم بچی کو دھوکا دیئے جاؤں ؟ آج مجھے عذرا کے پاس جانا ہی چاہیئے !»

چنانچہ وہ اٹھا، کپڑے بدلے اور عذرا کے کوچہ کی طرف اللہ کا نام لے کر چل کھڑا ہوا !

وہ سوچ رہا تھا!

اب یہ جاگے گی اور پھر اپنی ممی کو یاد کرے گی، میں اس کی ممی کو کہاں پاؤں؟ کیسے لاؤں؟ کاش عذرا محمود ہوتی اور محمود عذرا،

اور یہ سوچتے سوچتے خود اس کی آنکھ لگ گئی، آخر رات بھر کا جاگا ہوا تھا!

۹ بجے جب محمود کی آنکھ کھلی تو اس نے سوجا پر دین جاگ رہی ہے لیکن چہرے پر تکدّر کے آثار ہیں اس نے بڑی شفقت سے ٹمپریچر لیا نارمل تھا، پھر بڑے پیار سے پوچھا: کیوں بیٹی کیسی ہو؟"

وہ بولی: "اچھی ہوں ——— لیکن ممی نہیں آئیں، آپ تو کہتے تھے آتی ہی ہوں گی!"

محمود نے کہا "واہ بیٹی، وہ تو آئی تھیں، رات بھر تمہارے پاس رہیں، لیکن تم تو ایسے گھوڑے بیچ کر سوئیں کہ بیچاری نے لاکھ لاکھ جگایا، مگر تم کو نہ جاگنا تھا نہ جاگیں، میں نے بھی کہا، میری بچی کی طبیعت خراب ہے سونے دو!"

وہ خفا ہو گئی،

"تو آپ نے کیوں نہیں جگا دیا! آخر ممی خفا ہو کر چلی گئیں نا!"

اور وہ پھر رونے لگی!

محمود نے کہا "نہیں خفا نہیں ہوئیں وہ رات بھر تمہیں پیار کرتی رہیں، ابھی ابھی تو وہ گئی ہیں، شام کو پھر آجائیں گی!"

رشید اطمینان سے ایک ناول پڑھ رہا تھا، محمود کو دیکھ کر بے ساختگی کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا،

"ہلو محمود تم ؟"

"جی ——— اگر بار خاطر نہ ہو !"

"کیسی باتیں کرتے ہو، تم بار خاطر ہو سکتے ہو کسی پر؟ ——— سوا عذرا کے؟"

محمود نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا "معاہدہ کے خلاف نہ کرو !"

"کیا مطلب ؟ کیسا معاہدہ ؟"

"اس دن جب میں آیا تھا تم نے عہد لیا تھا مجھ سے کہ میں عذرا کا ذکر نہیں کروں گا، پھر اب تم خود کیوں وہی ذکر کر رہے ہو ؟"

"اچھا بھئی خاموش ہوئے جاتے ہیں ——— اور کہو کیا حال چال ہے! سب خیریت ؟"

"دعا ہے جناب کی !"

"اماں سنا ہے تم نے پریکٹس ترک کر دی ؟"

"ہاں ٹھیک ہے !"

"کیوں بھلا ؟ یہ کیا حماقت کی ؟"

"تمہاری خاطر سے پھر شروع کر دوں گا، ہے کوئی کیس ؟"

"تھا تو لیکن اسے ہار چکے ہم تو ؟"

(۲۰)

اَور اگر۔۔۔۔؟

محمود گھر سے یہ ارادہ کرکے نکلا تھا کہ عذرا کے پاس جائے اپنا سوزِ نہانی اس کے سامنے آشکارا کرکے رکھدے، پروین کی بیماری، بیچارگی، اور والہانہ محبّت کی تصویر کھینچ دے اور اسے ترغیب دے کہ وہ اس کے گناہ معاف کردے، دل کے جس نشیمن کو وہ ویران کرچکی ہے اسے پھر آباد کرے، پروین کو اس کی چھینی ہوئی خوشی واپس دیدے، اور مجھے میری لٹی ہوئی محبّت!

لیکن اس ارادہ کو وہ عملی جامہ نہ پہنا سکا!

وہ عذرا کے بجائے رشید کے ہاں پہنچ گیا——!

پروین کی حالت نے اور عذرا کے خیال نے اسے بہت پریشان کردیا تھا،

وہ عذرا کے ہاں جانے سے پہلے پھر ایک دفعہ غور کرلینا چاہتا تھا!

اس نے سوچا، رشید کے ہاں کی خوش گپیوں میں ذرا جی بہل جائے گا اور پھر میں فیصلہ کرسکوں گا کہ عذرا کے ہاں جانا چاہیے یا نہیں،

"مجھے تمہاری رائے سے پورا اتفاق ہے، واقعی حد ہوگئی ہے بے حیائی کی، اس دن کے تجربے کے بعد حماقت سرزد نہیں ہونی چاہیئے تھی مجھ سے!"

"خیر آگے چلو!"

"بس صورت دیکھتے ہی بگڑ گئیں۔ جیسے کسی ولی اللہ کے سامنے شیطان پہنچ جائے، وہ لاحول کی بوچھاڑ کی ہے کہ کیا کہوں؟"

"آخر کچھ تو!"

"میں گیا ——— جانے کا مقصد اظہارِ عشق نہیں تھا، صرف مزاج کا رنگ دیکھنا تھا، وہ یہ سمجھیں میں پھر محبت کی دریوزہ گری کے لئے حاضر ہوا ہوں، دیکھتے ہی تیوری چڑھالی،

"آپ پھر آئے؟"

میں نے ڈرتے ڈرتے کہا "صرف ملنے کے لئے آیا ہوں!"

فرمانے لگیں "لیکن آپ کو یہ غلط فہمی کیوں ہے کہ میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں؟"

محمود نے پوچھا "پھر تم نے کیا جواب دیا؟"

وہ کہنے لگا "تم ہی بتاؤ کیا جواب دیتا؟ میں تو بھونچکا رہ گیا کہ اب کہوں، تو کیا کہوں؟"

"خدا کے بندے کچھ کہا بھی، یا الٹے پاؤں واپس آگئے؟"

"میں نے کہا، آخر ملنے میں کیا مضائقہ ہے؟"

محمود نے کہا "تم اشارے کنایہ میں بھی عذرا کا ذکر نہیں کر سکتے، کچھ اور باتیں کرو!"

رشید نے جواب دیا،

"اگر مجھ سے باتیں سننا چاہتے ہو تو کسی قسم کی پابندی نہ عائد کرو، جگ بیتی سنانے کا عادی نہیں، آپ بیتی سناؤں گا!"

اشتیاق کے لہجہ میں محمود نے پوچھا "کوئی تازہ خبر؟"

وہ بولا "ہاں بالکل تازہ بتازہ، نو بنو!"

"تو کہہ ڈالو پھر!"

"لیکن بیچ میں ٹوکنا نہیں!"

"نہیں ٹوکیں گے!"

"اعتراض بھی نہ کرنا؟"

"نہیں کریں گے بھئی!"

رشید نے کہا "کل پھر شامت آئی تھی ہماری!"

"یعنی؟"

"ملاقات ہو گئی تھی عذرا بیگم سے!"

"کہاں؟"

"وہیں، درِ دولت پر اور کہاں؟"

"بڑے بے حیا ہو!"

"نہیں سنو تو ——— میں پیچھے ہٹا تو وہ پھر میرے پاس آکر کھڑا ہو گیا اور اس دفعہ اس نے گرج دار آواز میں کہا: صاحب تم فوراً چلے جاؤ ——— نہیں تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا!"

آخر مجھے پسپا ہونا پڑا،

"یعنی تم واپس آگئے؟"

"اور کیا کرتا، کیا رائے تھی بیٹا؟"

"یہ تو اچھا کیا چلے آئے ——— لیکن سوال یہ ہے کہ گئے کیوں تھے؟"

"کیسے نہ جاتا، شامت جو آئی تھی؟ لیکن اب بہ حلف اقرار کرتا ہوں، کبھی رخ نہیں کروں گا اس طرف کا، حد ہو گئی خدا کی قسم!"

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد رشید نے کہا "میں کہتا ہوں یہ عذرا آخر اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہے؟"

"وہی سمجھتی ہے جو ہے!"

جل کر رشید نے کہا: "ہے کیا خاک؟ ——— بار بار ایک مصرعہ سنانے کو جی چاہ رہا تھا، لیکن اس نے تو چند کڑوی کسیلی باتیں کر کے میدان ہی چھوڑ دیا!"

"کون سا مصرعہ؟"

"اماں وہی ——— ہم کو دعائیں دو تمہیں قاتل بنا دیا! ——— یہ سلسلہ دم دمہ ہے کس کے برتے پہ ہاں ہمی لوگوں کے!"

کہنے لگیں "نہ ہوتا، تو مجھے ملنے میں تامّل کیوں ہوتا؟"

میں نے پوچھا "نہ آیا کروں کبھی بھی آپ کے پاس؟"

جواب دیا "آپ یوں نہیں مانیں گے!"

اور پھر ملازم کو آواز دی، وہ آکر سامنے کھڑا ہو گیا، اس سے میری طرف اشارہ کرکے کہا "ان صاحب کو اگر اب کبھی تم نے گھر میں قدم رکھنے دیا تو اسی دن برخاست کر دیئے جاؤ گے!"

یہ کہہ کر وہ تو بادِ بہاری کی طرح چلی گئی، ملازم میرے سامنے آیا اور اس نے کہا "صاحب یہ ہماری نوکری کا معاملہ ہے، اب آپ جاؤ اور اب کبھی نہ آنا!"

میں نے تسلّی دیتے ہوئے کہا "نوکری کا معاملہ ہے تو اس کی اتنی فکر کیوں کرتے ہو؟ اگر نکال دیں تو ان سے ڈیوڑھی تنخواہ میں دوں گا، چلے آئے میرے پاس!—

ارے صاحب یہ سنتے ہی وہ تو ہتّے سے اکھڑ گیا، آنکھیں نیلی پیلی کرکے بالکل میرے پاس آکر کھڑا ہو گیا، اس وقت تو میں ٹال گیا، لیکن اب کہتا ہوں، اتنا قریب اسے اپنے پاس کھڑا دیکھ کر میں سہم گیا——————"

محمود نے پوچھا "پھر کیا ہوا؟ مارا اس نے؟"

رشید صاحب نے ذرا تامّل کرتے ہوئے فرمایا "کسر ہی کیا رہ گئی تھی؟ وہ تو کہو میں نے عقلمندی کی اور پیچھے ہٹ گیا"

"صرف پیچھے ہٹے؟ واپس نہیں آئے؟"

جس کشمکش اور ذہنی اذیت سے بچنے کے لئے وہ رشید کے پاس آیا تھا، وہ یہاں آکر کچھ اور بڑھ گئی:

رشید نے اسے خاموش دیکھ کر، دریافت کیا۔

"کیا سوچنے لگے؟"

وہ چونکتا ہوا بولا "کچھ نہیں!"

"آخر کچھ تو، ہم سے نہ چھپاؤ!"

"نہیں میں کچھ چھپاتا نہیں ——— اصل میں مجھے، اس وقت پروین یاد آگئی، وہ کئی دن سے بیمار ہے، میں تھوڑی دیر کے لئے تمہارے پاس آیا تھا! اتنی دیر ہوگئی، وہ انتظار کر رہی ہوگی!"

"اگر یہ بات ہے تو جاؤ بھئی ——— یار زندہ صحبت باقی!"

محمود نے کہا "ہاں اب چلوں گا!"

رشید کے ہاں سے باہر نکلنے کے بعد ایک مرتبہ پھر محمود کے دل میں یہ خیال آیا کہ کہاں جاؤں؟

"اپنے گھر ———؟

"یا عذرا کے ہاں ———؟

بار بار اس کا ارادہ ہوا کہ عذرا کے ہاں جائے، لیکن رشید کی باتیں اب تک اس کے کان میں گونج رہی تھیں،

"وہ کیسے"

"جب کوئی چاہنے والا نہیں ہوگا تو یہ ناز نخرے کون اٹھائے گا!"

"ہاں بھائی بات تو ٹھیک کہی!"

"اب اگر کسی دن ملاقات ہوئی تو واللہ یہ مصرعہ سنا کر رہوں گا، چاہے کچھ ہو جائے!"

"ملاقات ہو جائے؟ —— کیا پھر جانے کا ارادہ ہے؟"

"جانے کا ارادہ تو ہرگز نہیں ہے، اگر وہ بلائے تو بھی نہ جاؤں، لیکن اگر انہیں راستے گلی میں ملا ہوا تب بھی مخاطب کئے بغیر ایک مرتبہ تو یہ مصرعہ ضرور سنا دوں گا پھر چاہے کچھ ہو، قیامت ہی کیوں نہ آ جائے!"

"یہ حسرت بھی پوری کر لو!"

"دیکھ لینا کروں گا اور ڈنکے کی چوٹ کروں گا، میں اتنا بزدل نہیں ہوں جتنا تم نے سمجھ رکھا ہے!"

محمود رشید کی یہ باتیں سن رہا تھا اور بظاہر ہنس ہنس کر سن رہا تھا، لیکن بار بار اس کے دل میں خیال آ رہا تھا، کہیں میری بھی یہی گت نہ بنے! کہیں میرے ساتھ بھی یہی برتاؤ نہ کیا جائے؟

پھر ——؟

"کیا کروں جاؤں یا نہ جاؤں؟"

"لیکن کب؟ یہ بھی تو بتایئے!"

اور وہ روہانسی ہوگئی،

محمود نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "بیٹے، اس وقت وہ بہت ضروری کام سے باہر جارہی تھیں، شام کو آنے کا وعدہ کیا ہے!"

پروین پراداس سی پڑگئی،

مایوسی اس کے چہرے پر جھلک رہی تھی،

بڑی بڑی آنکھیں بھر ڈبڈبا آئی تھیں،

محمود سے یہ کیفیت نہ دیکھی گئی، اس نے بڑے پیار سے کہا "یقین کرو بیٹی وہ ضرور آئیں گی اور میں تمہیں ایک خوشخبری سناؤں؟"

پروین منھ سے کچھ نہیں بولی، باپ کی طرف منتظر نگاہوں سے ٹکر ٹکر دیکھنے لگی، جیسے وہ زبان خاموش سے کہہ رہی تھی،

"آپ تو یونہی باتیں بناتے ہیں، اب نہ جانے کیا بات گڑھ کر کہہ دیں گے!"

محمود نے یہ کیفیت بھانپ لی اور ایک مجرم کی طرح جھکی ہوئی گردن کے ساتھ کہا "اب وہ آئیں گی تو یہیں رہیں گی، دن رات یہیں رہیں گی، کہیں نہیں جائیں گی پھر ——!"

اور پروین خوشی سے بے قابو ہوکر ناچنے لگی اس نے کہا "کیا؟ ممی اب یہیں رہیں گی؟"

اس کا دل کہہ رہا تھا!

"اگر تو گیا تو تیرا ابھی یہی حشر ہوگا!"

آخر اس نے عذرا کے ہاں جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور سیدھا اپنے گھر پہنچا،

وہاں جاکر دیکھتا کیا ہے کہ پروین اور سلیم گھل مل کر باتیں کر رہے ہیں، پروین کی تو باچھیں کھلی جا رہی ہیں اتنی خوش ہے جیسے کوئی بہت بڑی نعمت مل گئی ہو!

محمود کو دیکھتے ہی وہ سلیم کے پاس سے ہٹ کر باپ کے پاس دوڑی دوڑی آئی اور اس کی ٹانگوں میں باہیں ڈال کر پوچھنے لگی،

"امی آگئیں؟"

یہ بڑا نازک وقت تھا محمود کے لئے، اسے چکر سا آگیا،

کیا کہے اور کیا نہ کہے؟

پروین کو یہ خاموشی ناگوار گزری،

"بتایئے نا؟"

وہ بولا "بیٹی میں انہی کے ہاں گیا تھا"

"پھر کیا ہوا؟ وہ آئیں کیوں نہیں؟"

محمود نے کہا "وہ آئیں گی——"!

پھر محمود نے سلیم کو رشید کی ساری سرگزشت سنا ڈالی، اور کہا: "ڈرتا ہوں یہی حشر میرا ابھی ہوگا!"

سلیم نے کہا: "تمہارا یہ حشر نہیں ہو سکتا!"

"کیوں نہیں ہو سکتا؟ کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں مجھ میں!"

سلیم نے جھلا کر کہا: "بیکار باتیں نہ کرو ——— کہہ رہا ہوں تمہارا یہ حشر نہیں ہوگا ——— اور اگر ہو تو بھی تمہیں جانا چاہیئے، یہاں سوال عزت نفس خودداری کا نہیں ہے پردین کی زندگی کا ہے جسے تم اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے ہو، کیا پردین کے لئے تم ذلت نہیں سہہ سکتے؟"

"ہزار بار سہہ سکتا ہوں!"

"پھر یہ ہچکچاہٹ کیوں؟ یہ تامل کس لئے؟ جاتے کیوں نہیں؟"

ایک ٹھنڈی سانس بھر کر محمود نے کہا: "تو کیا ابھی چلا جاؤں؟"

"پھر کبھی ——— آخر کس طرح کہوں جو تمہاری سمجھ میں آسکے؟ ہاں ہاں ہاں!"

"اور اگر وہ نہ آئی؟"

"اور اگر وہ آگئی؟"

محمود نے بڑے وثوق سے کہا: "یہ ناممکن ہے؟"

سلیم نے جواب دیا: "تم جسے ناممکن کہتے ہو میرے نزدیک وہ ممکن ہے!"

"ہاں بیٹی، کہہ جو رہا ہوں!"

سارا غم ننھی بچّی کے دل سے کافور ہوگیا اور وہ خوشی کا جھولا جھولنے لگی!

جب وہ سامنے سے ہٹ گئی تو سلیم نے کہا "یہ کیا حماقت کی تم نے؟"

"کیا ہوا بھئی؟"

"جھوٹ پر جھوٹ؟ ——— ایک تو تم عذرا کے پاس گئے نہیں، اور پھر یہ گپ کہ وہ آئیں گی اور وہ یہیں رہے گی؟"

محمود نے بیچارگی کے ساتھ کہا "کیا کروں پھر؟ کیا بچّی کی جان لے لوں؟ کسی طرح اسے تسلی بھی تو دینا چاہیئے!"

"لیکن اس طرح؟ جھوٹ بول کے؟"

"پھر کون سا طریقہ ہے تم ہی بتاؤ؟"

سلیم نے کہا "جانتے ہو اس جھوٹ کا ردّ عمل کیا ہوگا؟"

"کیا ہوگا؟"

"یہ ہوگا کہ اس بچّی کو اور زیادہ صدمہ پہنچے گا، اس کی حالت اور زیادہ خراب ہو جائے گی!"

محمود کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے،

"پھر تم ہی بتاؤ کیا کروں؟"

"کیا کرو؟ ——— عذرا کے پاس جاؤ اور کیا کرو؟"

محمود نے جواب دیا "وہاں آجائیں گی!"

وہ پھر پوچھنے لگی،

"پھر وہ یہیں رہیں گی؟"

"ہاں!"

"پھر کبھی نہیں جائیں گی؟"

"کبھی نہیں!"

اور یہ جواب سن کر وہ پھر خاموشی کا جھولا جھولتی ہوئی جہاں سے آئی تھی وہیں واپس چلی گئی،

اس کے جانے کے بعد سلیم نے کہا "دیکھا؟"

وہ بولا "ہاں دیکھا!"

"پھر کیا رائے ہے علمائے دین کی؟"

"وہی جو تمہاری ہے!"

"خوب سوچ لو!"

"ہاں اچھی طرح سوچ لیا ——— یہ لڑکی اب زیادہ عرصہ تک باتوں میں نہیں بہلائی جا سکتی اس کے لئے ایک مرتبہ اور شاید آخری مرتبہ مجھے پھر عذرا کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑے گا!"

سلیم نے اسے محبت سے تھپکتے ہوئے کہا "شاباش، یہ رائے قائم تو تم عرصہ

"لیکن مجھے تمہاری رائے پر بھروسہ نہیں!"

"اچھا تو میری رائے پر عمل نہ کرو ـــــــ لیکن پھر کروگے کیا یہ تو بتاؤ؟"

"یہی تو سمجھ میں نہیں آتا!"

سلیم نے کہا "بچوں کی سی باتیں نہ کرو ـــــــ تمہیں عذرا کے ہاں جانا پڑے گا، تمہیں وہاں جانا چاہیئے، خواہ وہ کتنی ہی تمہاری ذلّت کرے خواہ کتنا ہی تمہارے گھر میں آنے سے انکار کرے، اس کے علاوہ کوئی اور چارۂ کار سرے سے ہے ہی نہیں!"

محمود کچھ سوچنے لگا ـــــــ!

سلیم نے کہا "جناب والا یہ مراقبہ کا وقت نہیں ہے کام کا ہے، اٹھئے تشریف لے جایئے دریا تک! ـــــــ!"

محمود نے جواب دیا "اچھی بات چلا جاؤں گا!"

"لیکن کب؟ جب پروین کی حالت اور نازک ہو جائے گی؟ ـــــــ جو کام آج کرنے کا ہے اسے کل پر کیوں ملتوی کر رہے ہو؟"

"اچھا آج ہی چلا جاؤں گا!"

وہ بولا "آج ہی نہیں، ابھی اسی وقت!"

اتنے میں پھر پروین کہیں سے گھومتی گھامتی آگئی، اس نے باپ کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا "ممی آج آجائیں گی؟"

ساتھ مجھے لے چلنا چاہو تو ایک سکینڈ کا تامل بھی نہیں کروں گا۔ ـــــــ لیکن عذرا کے ہاں مجھے اپنے ساتھ نہ لے چلو!"

"کیوں؟ کس لئے؟"

"کام بگڑ جائے گا، گفتگو میں تلخی پیدا ہو جائے گی اور پھر وہی ہو گا جس کا تمہیں اندیشہ ہے!"

"تمہاری موجودگی سے؟"

"ہاں ـــــــ جس قسم کی گفتگو کرنے تم جا رہے ہو اس گفتگو کے وقت کسی تیسرے آدمی کو موجود نہیں رہنا چاہیئے ـــــــ وہ تم نے سنا نہیں ـــــــ میاں عاشق و معشوق رمزیست، بھلا ایسے موقعہ پر کسی تیسرے آدمی کا وجود برداشت کیا جا سکتا ہے؟"

"اچھا تو ایک بات کرو۔"

"فرمایئے، کیا بات؟"

"میرے جانے سے پہلے تم وہاں پہنچ جاؤ، اور جب میں پہنچوں تو تم مجھے چھوڑ کر واپس چلے آنا!"

"اس میں کیا مصلحت ہے؟"

"تم سے کچھ نہ کچھ باتیں ہو نگی ہی، تم باتوں باتوں میں میرا اور پردین کا ذکر چھیڑ دینا، پھر میں پہنچ کر اصل داستان شروع کر دوں گا!"

ہو اگرچہ ہو، لیکن عمل کرتے ہوئے ہچکچاتے ہو، اب ہچکچاہٹ دور ہونی چاہیئے اور تمہیں خدا کا نام لے کر میدان میں کود پڑنا چاہیئے!"

"ہاں اب ایسا ہی کروں گا!"

کچھ دیر تک خاموشی رہی، دونوں دوست کچھ سوچ رہے تھے!"

لیکن الگ الگ!

تھوڑی دیر کے بعد محمود نے کہا "ایک بات نہیں ہو سکتی؟"

سلیم نے ڈانٹا،

"پھر کوئی نیا شگوفہ چھوڑ دو گے؟"

"نہیں سن تو لو!"

"فرمایئے!"

"میرا مطلب یہ ہے ——— میں یہ کہنا چاہتا ہوں ———

یعنی"

"لاحول ولاقوۃ، کچھ کہو گے بھی؟"

"کیا یہ نہیں ہو سکتا تم بھی میرے ساتھ چلو عذرا کے ہاں؟"

"کیوں؟ ڈر لگتا ہے تمہیں؟"

محمود نے بے تامل کہا "ہاں ——— بہت زیادہ!"

سلیم نے بڑی نرمی سے کہا "میرے عزیز دوست، تم اگر جہنم میں بھی اپنے

ہو جائے اور ممکن ہے میں رات کو دیر سے آؤں، تو تم کہانی کہکر اسے سُلا دینا ——
—— دیکھو مجھے وہ جاگتی ہوئی نہ ملے!"

وہ بولی "ایسا ہی ہو گا، آپ مطمئن رہیئے!"

اور پھر محمود اور سلیم ساتھ ساتھ گھر سے نکلے، تھوڑی دور تک دونوں کا ساتھ رہا۔ باتوں باتوں میں راستہ جلد کٹ گیا، جب عذرا کا گھر دکھائی دینے لگا تو سلیم نے کہا "اب آپ سدھاریئے، میں ادھر جاتا ہوں!"

محمود آگے بڑھ گیا، اور سلیم سامنے کی گلی میں چلا گیا!"

———— ✕ ————

سلیم نے کہا "خدا کے لیے عقل کے ناخن لو، بیوقوفی کی باتیں مت کرو، یہ جتنی اسکیمیں تمہارے زرخیز دماغ میں آرہی ہیں سب بیکار ہیں۔ بہتر صورت یہی ہے کہ تم اکیلے جاؤ، اگر کام بنے گا تو صرف اس طرح ورنہ کسی طرح بھی نہیں بن سکتا !"

مایوسی کے عالم میں محمود نے کہا "بنے گا تو اس طرح بھی نہیں، لیکن تم کہتے ہو تو چلا جاتا ہوں !"

"ٹھیک ہے، اس ارادہ پر عمل کرکے تو دیکھو اس کی برکتیں !"

پھر سلیم اٹھ کھڑا ہوا،

"اب میں جاتا ہوں !"

"کہاں جاتے ہو بیٹھو !"

"جی میں ہی نہیں جاتا ہوں، آپ بھی جایئے، ہم دونوں ساتھ ساتھ یہاں سے نکلیں گے اور پھر ——— ازبعد رفت و مادر کوچہ ہار سوا شدیم ——— میرے ساتھ چلو، عذرا کے گھر کے قریب تک تم کو پہنچا دوں گا !"

"بس قریب ہی تک۔ وہاں تک نہیں ؟"

"نہیں ——— اب تیار ہوتے ہو یا نہیں !"

محمود نے جواب دیا "تیار ہی ہوں، چلو !"

جاتے وقت محمود نے ملازمہ کو بلایا اور اسے تاکید کر دی،

"میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں، تم پردین کا خیال رکھنا اگر مجھے دیر

پھر ان میں تلخی نمودار ہوئی، اور پھر وہ غضبناک ہو گئی، بے خیالی کے عالم میں عذرا کا دوپٹہ سر سے ڈھلک گیا تھا وہ اس نے جلدی سے ٹھیک کیا، جیسے ایک پردہ دار عورت کا کسی نامحرم سے یک بیک سامنا ہو جائے، پھر وہ سنبھل بیٹھی، اور پہلو بدلتے ہوئے اس نے کہا "آپ پھر آئے؟"

وہ بولا "ہاں ——— آخری بار!"

عذرا نے کہا "فرمایئے، تشریف آوری کا مقصد کیا ہے؟ ——— وہی پردیس کا افسانہ؟ وہی اپنی داستان؟ ———"

"یہی یا کچھ اور؟"

محمود نے جواب دیا "صرف یہی!"

وہ بولی "یہ دکھڑا سنتے سنتے تو کان پک گئے، مجھے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں!"

"لیکن مجھے تو ہے!"

"آپ کو ہوگی، لیکن آپ کی دلچسپی میری دلچسپی نہیں بن سکتی!"

بڑی ملائمت کے ساتھ محمود نے کہا "عذرا تم تو پھر لڑنے لگیں، میں لڑنے نہیں آیا، بحث کرنا بھی میرا مقصد نہیں، میں تو التجا کرنے آیا ہوں، میں بھکاری بنا کر آیا ہوں بھکاری دلیل منطق سے کام نہیں لیتا، وہ تو صرف فریاد کرتا ہے رحم کی التجا کرتا ہے!"

(۲۱)

آخری ملاقات!

عذرا اپنے کمرہ میں تنہا بیٹھی تھی،

گم صم، خاموش اور افسردہ!،

آنکھیں پُرنم،

نہ جانے کیا سوچ رہی تھی!،

اتنے میں کسی کی آہٹ سنائی دی، سامنے محمود کھڑا تھا، ایک خطاکار اور، ایک مجرم کی طرح!،

اس کی آنکھیں بھی پُرنم تھیں!،

وہ بھی خاموش اور افسردہ تھا!،

اور ——— وہ بھی کچھ سوچ رہا تھا!،

محمود کو دیکھتے ہی عذرا کے آنسو خشک ہو گئے جیسے ریت کے سمندر میں بڑے بڑے دریا جذب ہو جاتے ہیں، اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی،

"آپ جانتے ہیں عورت کی کمزوری خوشامد ہے وہ کسی چیز سے اتنی متاثر نہیں ہوتی جتنی خوشامد سے لیکن عورت کے بارے میں بہت سے جھوٹے پروپیگنڈوں کی طرح یہ بھی جھوٹا پروپیگنڈا ہے میرا جہاں تک تعلق ہے کم از کم میں تو ایسی باتوں سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوتی، میں اچھی ہوں یا بُری؟ میری باتیں دلربا ہیں یا دلشکن کسی آدمی کو ان چیزوں سے متعلق رائے قائم کرنے کا کوئی حق نہیں!"

"عذرا مجھے بھی نہیں؟"

"آپ کو تو ہرگز نہیں ——— حد ہو گئی ستم ظریفی کی، کس برتے پر آپ کو یہ حق حاصل ہو سکتا ہے؟ یا تو آپ نہایت بھولے ہیں ورنہ اتنے چالاک ہیں کہ مجھے بنانے کی کوشش کر رہے ہیں ———!"

"نہیں عذرا، ان میں سے کوئی بات بھی نہیں، میں نے جو کچھ کہا سچے دل سے کہا!"

وہ جھنجھلا کر بولی "سچے دل سے کہا یا جھوٹے دل سے، اس سے بحث نہیں، سوال یہ ہے کہ کیا کہوں ——— میں اس قسم کی باتیں سننا نہیں چاہتی، آپ بیکار اپنا اور میرا وقت ضائع کرتے ہیں!"

"تو مجھے مایوس ہو جانا چاہیئے؟"

"آپ کا مایوس ہونا مشکل ہے ——— جب اب تک مایوس نہیں ہوئے تو اب کیا ہوں گے؟"

"ہونا پڑے گا؟"

وہ بے رخی کے ساتھ بولی "ہاں اسی وقت تک جب اس کی غرض اٹکی ہوتی ہے!"

"یہ نہ کہو عذرا —— بے شک میں غرض مند ہوں، لیکن چند لمحوں کا نہیں، ساری زندگی کا، تم مجھے غلط نہ سمجھو!"

وہ بولی "غلط تو پہلے کبھی سمجھتی تھی، اب تو بالکل صحیح سمجھ رہی ہوں!"

بڑی بے بسی کے ساتھ محمود گویا ہوا،

"پھر وہی طنز کے نشتر، خدا کے لئے اب بھول جاؤ پچھلی باتوں کو —— پیچھے مڑ کر کیوں دیکھتی ہو؟ آگے کی طرف کیوں نہیں دیکھتیں؟ ماضی تاریک ہے لیکن مستقبل روشن!"

"میں نہ ماضی کی طرف دیکھتی ہوں، نہ مستقبل کی طرف، میرے لئے دونوں بے معنی لفظ ہیں —— ماضی کی طرف وہ دیکھتے ہیں جو بیکار ہوتے ہیں اور مستقبل کو للچائی ہوئی نظروں سے وہ دیکھتے ہیں جو امیدوں کی دنیا میں رہتے ہیں میں آس اور یاس کی حد سے بہت دور، بہت آگے نکل چکی ہوں، میرا دامن کوئی نہیں تھام سکتا!"

محمود نے کہا "عذرا تم کتنی اچھی ہو، تمہاری باتیں کتنی دلربا ہیں، ویسی ہی جیسی خود تم!"

وہ ان باتوں سے ذرا بھی متاثر نہ ہوئی اس نے کہا "اب آپ میری دکھتی رگ پکڑنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں!"

"یعنی؟"

تعلق ہے میں ایسی زندگی پر موت کو ترجیح دیتا ہوں !"

وہ بولی "ہاں ——— زندگی سے نفرت اور موت سے رغبت کا راز کیا ہے؟ آپ کی حد تک میں اسے اچھی طرح سمجھتی ہوں !"

"کیا؟ بتاؤ !"

"زندگی میں آپ ہمیشہ کاروبار کرتے رہے، کبھی نقصان نہیں اٹھایا، ہمیشہ فائدے میں رہے، لیکن اس مرتبہ آپ کو ٹوٹا ہی ٹوٹا نظر آرہا ہے، ایسا آدمی جو ہمیشہ کامیاب رہے، پہلی ہی ناکامی پر مایوس ہو جاتا ہے، زندگی اس کے لئے وبال جان بن جاتی ہے، یا وہ خودکشی کر لیتا ہے اور یا پھر ناکامیوں کا عادی بن جاتا ہے! یہ خسارہ اگر آپ جھیل لے گئے تو ہمیشہ بڑی سے بڑی ناکامی پر بھی آپ مسکرائیں گے، اور اگر نہ جھیل سکے تو واقعی زندہ رہنا مشکل ہے !"

محمود نے پوچھا "تو تمہاری بھی یہی رائے ہے کہ میں اپنی زندگی کا خاتمہ کروں ——— بتاؤ، اگر واقعی تمہاری یہی رائے ہے تو میں یہ کام یہیں تمہارے اسی کمرہ میں تمہاری آنکھوں کے سامنے انجام دوں گا !"

وہ بولی "آپ مجھے دھمکایئے نہیں، وہ زمانہ گذر گیا جب ان باتوں سے میں سہم جاتی تھی، بلکہ ان کے تخیل سے میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے، رہا میری رائے کا سوال سو آپ کے ذاتی اور نجی معاملہ میں نہ مجھے رائے دینے کا حق ہے، نہ میں خواہ مخواہ اس قضیہ میں الجھنا چاہتی ہوں ——— میں نے تو آپ کی

"تو ہو جایئے ——— لیکن میری جاں بخشی تو کیجئے کسی طرح !"

محمود خاموش ہو گیا،

بڑی دیر تک وہ خاموش رہا،

پھر وہ بولا "عذرا"

"فرمایئے، ارشاد !"

"تم ایسی ظالم اور سفاک بن جاؤ گی اس کا مجھے وہم و گمان بھی نہیں تھا !"

وہ زہر خند کرتی ہوئی بولی "جس طرح یہ دنیا وہم و گمان سے خارج ہے اسی طرح اس کی باتیں بھی ! ——— مجھے، آپ کو، سب کو ہر روز ایسی ہی باتوں سے سابقہ پڑتا رہتا ہے جو وہم و گمان سے ماورا ہوتی ہیں، میں جو سلوک آپ سے کر رہی ہوں یہ آپ کے وہم و گمان سے بعید ہے جو سلوک آپ نے میرے ساتھ روا رکھا وہ میرے وہم و گمان سے دور تھا ——— میں اور آپ اپنا الگ کوئی وجود نہیں رکھتے یہ مثالی کردار ہیں، ہر شخص میں پائے جاتے ہیں، ہر شخص ان کا تجربہ کرتا رہتا ہے، لہٰذا ان پر کڑھنا، شکایت کرنا، غم کرنا بے سود ہے، مجھے چاہیئے کہ میں ان باتوں کو بے چون و چرا برداشت کر لوں، جو میرے لئے خلاف توقع ہوں، اور آپ کو چاہیئے کہ ان باتوں کو برداشت کر لیں جو آپ کی امید کے خلاف ہوں، زندہ رہنے کی صرف یہی ایک صورت ہے، صرف اسی طرح ہم جسم و جان کا رشتہ قائم رکھ سکتے ہیں !"

ایک ٹھنڈی سانس بھر کر محمود نے کہا "سچ کہتی ہو عذرا لیکن میرا جہاں تک

ناکامی اور محرومی بھی مل سکتی ہے، ملنی چاہیئے!"

"مل سکتی ہے، اسے تو میں مان لوں گا، لیکن ملنی چاہیئے یہ کیوں؟"

"اتنی سیدھی سی بات آپ نہیں سمجھے؟"

"ہاں نہیں سمجھا واضح کرو!"

"قدرت میٹھا میٹھا ہپ اور کڑوا کڑوا تھو کے فلسفہ کو نہیں مانتی یا تو اولاد والدین سے کچھ نہ لے، یا سب کچھ لے، اگر وہ باپ کی دولت لیتی ہے تو باپ کا قرض بھی اسے اتارنا چاہیئے، یہ تو جائز نہیں کہ تجوری کی چابی لے کر ساری دولت پر قبضہ کرلے اور قرض خواہوں کو دھتا بتادے، اولاد اگر والدین کی اچھائیاں لیتی ہے تو، برائیاں بھی اپنے کھاتہ میں لینی چاہئیں ——— یہی اصول پروین پر بھی صادق آتا ہے!"

"لیکن وہ بچہ ہے، معصوم ہے، ناسمجھ ہے!"

"ہوا کرے!"

"اتنا انتظار تو کرلو کہ وہ باشعور ہوجائے!"

"حالات اپنے فیصلہ میں کسی کا انتظار نہیں کیا کرتے!"

بڑی مایوسی اور دل گرفتگی کے عالم میں محمود نے کہا "عذرا میں تم سے جیت نہیں سکوں گا میں ہار مانے لیتا ہوں!"

"شکریہ!"

ذہنی کشمکش اور دماغی انتشار کی صرف نفسیاتی تحلیل کی تھی، اسے اگر آپ میری رائے سمجھ بیٹھیں تو یہ آپ کی زیادتی ہے!"

محمود نے گفتگو کا رخ بدل دیا،

"عذرا ——— میں کتنا ہی مجرم اور گنہگار سہی، میں کتنا ہی ناقابل، معافی اور ناقابل درگذر سہی لیکن پروین ———؟"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"میرا مطلب یہ ہے کہ پروین تو خطاکار اور گنہگار نہیں ہے؟ ———؟"

"جملہ پورا کیجئے پھر جواب دوں گی!"

"جب وہ خطاکار اور گنہگار نہیں ہے تو پھر اسے سزا کیوں دے رہی ہو؟"

عذرا نے کہا "آپ نے یہ بات بھی غلط کہی!"

"تمہارا مطلب یہ ہے کہ پروین مجرم ہے؟ وہ سزا کی مستحق ہے؟"

"جی میرا مطلب یہی ہے!"

"لیکن کس بنیاد پر؟"

"اولاد کو والدین سے بہت سی چیزیں ملتی ہیں ——— غربت، امارت، بہادری، بزدلی، عزت، ذلت، متعدی بیماریاں، نہ جانے کیا کیا، مانتے ہیں آپ؟"

"ساری دنیا جانتی ہے!"

"تو پھر آپ کو اور ساری دنیا کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اولاد کو ماں باپ سے

"یہ کیوں آخر؟"

"——— کس کے گھر جائے گا یہ سیل بلا میرے بعد؟ ———

آخر میرے بعد وہ کہاں رہے گی؟ کہاں جائے گی؟ کون اس کا پرسانِ حال ہوگا؟ کیا وہ ایسا بوجھ ہے جسے میرے بعد بھی تم قبول نہیں کرو گی! تم لاکھ انکار کرو، تم لاکھ بڑہمی کا اظہار کرو لیکن میری زندگی میں جو پروین تمہارے دامن میں پناہ نہ پا سکی وہ میرے بعد ضرور پائے گی ——— آخر وہ تمہاری لڑکی ہے تم اسے دھکے دے کر نکال تو نہ دو گی ——— اور بہ فرضِ محال ایسا کر دبھی تو تم جانو تمہارا کام۔ میں تو وہاں ہوں گا جس کے متعلق غالب نے کہا ہے ——— ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی ——— کچھ ہماری خبر نہیں آتی!" ———"

محمود کی یہ باتیں سن کر عذرا لرز گئی اس کا جی چاہا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے، پروین کی بھولی اور معصوم تصویر اس کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگی، محمود کی برائیاں فراموش ہو گئیں اور اس کی چاہ و محبت کے واقعات ایک ایک کر کے یاد آئے اور دل پر چوٹ لگانے لگے، لیکن وہ سینہ پر صبر کی سل رکھے رہی، اس نے اپنی کمزوری ذرا بھی ظاہر نہیں ہونے دی، وہ اس طرح بیٹھی یہ ساری باتیں سنتی رہی جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہیں یا اگر سنا تو قطعاً کوئی اہمیت نہیں دی!

"کچھ دیر تک محمود جواب کا منتظر رہا، پھر اس نے کہا "تم خاموش کیوں ہو گئیں، عذرا؟"

"مجھے شکریہ کی ضرورت نہیں!"

"پھر کیا چاہئیے آپ کو؟"

"تمہاری مامتا، تمہاری محبت ——— مامتا پر دین کے لئے، محبت اپنے لئے!"

وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولی "مامتا اور محبت کے سوتے بہت دن ہوئے بند ہو گئے اب پھر سے ان میں نئی زندگی اور نئی تڑپ نہیں آسکتی!"

"یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟"

"جی بالکل!"

"نظر ثانی کی ذرا بھی گنجائش نہیں؟"

"نہیں!"

"رحم کی اپیل بھی بے نتیجہ؟"

"ہاں یہی سمجھ لیجئے!"

"پھر اب تم سے گفتگو بیکار ہے؟"

"شکر ہے یہ بات آخر کار آپ کی سمجھ میں آئی تو! وہاں آگئی اور اب کبھی نہیں بھولے گی!"

پھر ذرا رک کر محمود نے کہا "میں اب وہی کروں گا جو مجھے کرنا ہے، پر دین کو، بہرحال تم ہی سنبھالو گی!"

رہی تھی، خود اسے کاٹنے کے لئے دوڑ رہی تھی،

وہ چاہتی تھی ——————،

اس کالی اور بھیانک رات کی سرحد سے کہیں دور نکل جائے، لیکن کہاں؟

دل کی منزل ابھی بہت دور تھی!،

پھر یہ رین کس طرح کٹے؟،

یا کم از کم پردیس کی یاد کس طرح دل سے مٹے؟،

محمود کا خیال کیونکر دل سے نکلے؟،

نہیں یہ کچھ نہیں ہو سکتا!،

پردیس یاد آتی رہے گی!،

محمود کا خیال دل میں چٹکیاں لیتا رہے گا!،

اور ——————!

یہ کالی اور بھیانک رات یونہی سائیں سائیں کرتی رہے گی!

وہ اپنے کمرہ میں چلی گئی، وہاں کوئی نہ تھا، اس کمرہ میں وہ کتنے دنوں سے تنہائی کی زندگی بسر کر رہی تھی، لیکن آج جب وہ اس کمرہ میں آئی تو اسے ایسا معلوم ہوا جیسے کسی بھرے پرے گھر سے کوئی آدمی نکال کر کسی کال کوٹھری میں بند کر دیا جائے!،

اس کمرہ میں اس کا کون تھا؟

کوئی نہیں!،

وہ بولی: جو کچھ کہنا تھا کہہ چکی، اب اور کیا کہوں؟ کہہ بھی کیا سکتی ہوں؟"

"ٹھیک ہے، تم کچھ نہیں کہہ سکتیں، میں تم سے کچھ بھی نہیں سن سکتا تسلی کے دو لفظ بھی نہیں، ہمدردی کے دو بول بھی نہیں، تمہاری کوئی خطا نہیں، میں اسی کا مستحق ہوں مجھے بہادری کے ساتھ سزا بھگتنی چاہیئے، کیفر کردار کو پہنچنا چاہیئے، یہ میری کمزوری تھی کہ میں بچنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا، شکر ہے کہ تم نے اس کا موقعہ نہ دیا، اب میں اطمینان سے اس دنیا کو اور پروین کو الوداع کہہ سکوں گا!"

"یہ کہکر وہ اُٹھ کھڑا ہوا،

"خدا حافظ!"

عذرا کا جی چاہا، اسے روک لے، لیکن الفاظ زبان تک آکے رہ گئے، وہ کچھ نہ کہہ سکی، وہ دلی ارادہ کے باوجود اسے نہ روک سکی،

محمود چلا گیا،

عذرا کی ہمت نہ پڑی کہ اسے جاتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھے اس نے منہ پھیر لیا، اور محمود نے یہ گمان کیا کہ اس نے نفرت سے منہ پھیر لیا ہے!

محمود عذرا کو نہ سمجھ سکا!

عذرا محمود کو نہ سمجھا سکی ——— !

اس ۹ برس کے عرصہ میں نہ جانے کتنی بھیانک اور تاریک راتیں عذرا نے تن تنہا بڑے حوصلہ اور استقلال کے ساتھ کاٹی تھیں لیکن یہ آج کی رات کاٹے نہیں کٹ

وہ بھی آہستہ سے بولی "ہاں ! بی سوتی ہیں ——— بس آنکھیں دروازے پر لگی تھیں، اور ایک ہی بات بار بار پوچھ رہی تھیں،

"مّی ابھی نہیں آئیں، کب آئیں گی ؟"

ملازمہ باہر چلی گئی !

اور محمود چپ چاپ بستر پر لیٹ گیا !

آج کی رات اسے بھی کتنی بھیانک معلوم ہو رہی تھی ——— ؟

بھیانک بھی اور خوفناک بھی !!

لیکن ہاں یہ چھوٹی سی چارپائی !

یہ وہی چارپائی ہے جس پر پروین سویا کرتی تھی، ہائے کتنا بڑا ستم ہے، پروین نہیں ہے اور یہ اس کا بستر، یہ اس کا تکیہ، یہ اس کی چادر، یہ اس کی چارپائی، سب کچھ یونہی جوں کا توں موجود ہے !

وہ چپ چاپ پروین کی چارپائی پر جا کر بیٹھ گئی اس کا چھوٹا سا تکیہ اس نے اٹھا کر گود میں رکھ لیا اور اس پیار سے اس پر ہاتھ پھیرنے لگی، جیسے یہ پروین نے تکیہ کی صورت اختیار کر لی تھی !

اور محمود ؟ ——— ؟

وہ عذرا کے گھر سے نکل کر سیدھا اپنے گھر پہنچا، اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا، وہ بار بار سوچ رہا تھا،

اگر پروین جاگتی ہوئی تو میں کیا جواب دوں گا ؟

وہ ایک قدم آگے بڑھاتا تھا اور دو قدم پیچھے ہٹتا تھا، سمجھ میں نہیں آتا تھا کیا کرے ؟

آخر وہ گھر میں داخل ہوا،

پروین سو رہی تھی !

اور طاہرہ اس کی نگہبانی کر رہی تھی،

محمود نے آہستہ سے پوچھا "سو گئی ؟"

ماں نے اپنی بچی کو گلے سے لگا لیا اور کہا "سچ ؟"

وہ خوشی کا جھولا جھولتی ہوئی بولی "ممی بالکل سچ !"

"میں تجھے بہت یاد آتی تھی !"

"بہت زیادہ !"

"لیکن کیوں ؟ ——— میں تو تجھ سے بہت خفا رہا کرتی تھی۔ پیٹتی بھی بہت تھی تجھے، پھر کیوں یاد کرتی تھی تو مجھے ؟"

وہ ناز کے ساتھ بولی "کرتی تھی !"

عذرا کا جی چاہ رہا تھا اپنے جگر کے ٹکڑے پر قربان ہو جائے آنکھوں آنکھوں پیار کرتی ہوئی بولی "میری بچی، میری بیٹی، میرا لال !"

پروین ماں کی گود میں گھس گئی،

"ممی !"

عذرا نے اسے کلیجہ سے چپٹا لیا،

"میری جان !"

پروین نے اطمینان سے گود میں بیٹھے ہوئے پوچھا "ممی تم نے مجھے چھوڑ کیوں دیا تھا ؟"

عذرا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اس نے اس سادہ سے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا "بیٹی میں نے تجھے کبھی نہیں چھوڑا تھا، تو ہر وقت میرے پاس رہتی تھی !"

(۲۲)

ماں کی گود!

ایک سہانی صبح تھی!

کوئی ۹ بجے کا وقت ہو گا، عذرا ابھی ابھی ناشتہ کر کے بیٹھی تھی، ایک بیک دیکھتی کیا ہے، پروین گل نو دمیدہ کی طرح تبسم کناں اور نسیم بہار کی طرح رقصاں و جولاں چلی آرہی ہے، اسے دیکھتے ہی عذرا کے ضبط کا بند ٹوٹ گیا، وہ والہانہ جذبہ کے ساتھ اسے دیکھتے ہی اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر آگے بڑھی۔ جب سے پروین نے ہوش کی آنکھیں کھولی تھیں آج پہلی مرتبہ عذرا نے اسے بے ساختگی کے عالم میں گود میں اٹھایا اور لگاتار پیار کرنے لگی۔ پروین نے ماں کی چاہ کا مزہ پہلی بار چکھا تھا، اس کی سرخوشی، اور مسرت کی کوئی انتہا نہیں تھی، عذرا نے اسے پیار کرتے کرتے پوچھا "تو آ گئی، میری بچی!"

وہ بولی "وہاں آ گئی، وہاں میرا جی بالکل نہیں لگا، ہر وقت تم یاد آیا کرتی تھیں!"

"نہیں بیٹی!"

پروین پھر ہنس پڑی،

"پھر اس دن رات کو میرے پاس کون آیا تھا؟ کس نے مجھے پیار کیا تھا؟ کون رات بھر میری چھتی سے لگا بیٹھا رہا تھا؟"

"کس دن پروین؟"

"اسی دن جب میں بیمار پڑی تھی، اور ڈاکٹر نے کہا تھا کہ یہ اپنی ماں کے غم میں گھلی جا رہی تھی اور میں تمہیں یاد کرتے کرتے روتے روتے سو گئی تھی اور مجھے روتا دیکھ کر پپا فوراً کپڑے پہن کر تمہیں لینے گئے تھے، تم انہی کے ساتھ آئی تھیں تم نے مجھے جگایا بھی نہیں اور صبح ہوتے ہی مجھے سوتا چھوڑ کر چلی گئیں، پھر جب میں جاگی اور میں نے تمہیں اپنے پاس نہیں دیکھا تو میں پھر بہت روئی تھی اور پپا نے وعدہ کیا تھا کل پھر تمہیں لائیں گے مگر تم نہیں آئیں، تم نے کہلا بھیجا، میں روز روز نہیں آتی، پروین ہی کو میرے پاس بھیج دو!"

"اور تم یہاں آگئیں؟"

"ہاں!"

پروین کی یہ ساری داستان سن کر عذرا کو بہت سی گم شدہ کڑیاں مل گئیں، اسے بہت سے واقعات یاد آگئے اس جھوٹ کے انبار میں اسے محمود کی بعض سچائیاں بھی نظر آئیں، وہ سمجھ گئی اس نے پروین کو مجھ سے بدظن کرنے کے بجائے

وہ تعجب سے ماں کو دیکھتی ہوئی بولی "وہوں !"

اور ماں نے کہا "ہاں بیٹی سچ، تو میری آنکھوں میں بسی ہوئی تھی، میرے دل میں تیرا نشیمن تھا، میرے تصور کی دنیا صرف تجھی سے آباد تھی میرے خیال کی محفل میں تو ہی تو تھی، تو مجھ سے الگ کب ہوئی ؟ کسی دن بھی نہیں !"

یہ شاعرانہ اور جذباتی باتیں پروین کے ننھے سے دماغ میں نہیں سما سکیں، اس نے کہا "کیا کہہ رہی ہو ممی ———— میں تو وہاں تھی تمہارے پاس کہاں تھی ؟"

وفورِ جذبات اور شدتِ تاثر میں اب تک عذرا نے پروین کی صحت کی طرف توجہ نہیں کی تھی، اب جو دیکھا تو اس کا چہرہ اُس وقتی نشاط و انبساط کے باوجود کچھ زرد سا تھا، کچھ دُبلی بھی نظر آ رہی تھی، عذرا نے بیتاب ہو کر پوچھا "میری بچی تو کیسی ہے ؟"

وہ بولی "اچھی ہوں ممی !"

"کچھ بیمار ہو گئی تھی تو ؟"

"ہاں بہت زیادہ، کئی کئی دفعہ تو ڈاکٹر آتا تھا مجھے دیکھنے کے لئے !"

اور زیادہ بیتاب ہو کر عذرا نے کہا "ارے اور مجھے خبر بھی نہیں ؟"

پروین ہنسنے لگی،

"تم تو مجھے جھوٹ بولنے سے منع کیا کرتی تھیں !"

عذرا نے پوچھا "ہاں تو ———— ؟ میں جھوٹ بول رہی ہوں کچھ ؟"

"میں بیمار تھی اور تمہیں خبر بھی نہیں تھی ؟"

"تو وہ اس شہر میں نہیں ہیں؟"

"نہیں!"

عذرا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے،

"وہ گئے؟"

"ہاں جی!"

"کچھ بھی بتا نہیں گئے؟"

"نہیں!"

عذرا نے پوچھا "تو تو نے کیوں جانے دیا؟"

پروین حیرت سے ماں کا چہرہ دیکھنے لگی، عذرا نے پوچھا "تو نے روک کیوں نہیں لیا؟"

وہ بولی "کیسے روک لیتی؟ ——— ہوا کے گھوڑے پر تو وہ سوار تھے، جلدی جلدی کپڑے پہنے، کچھ کاغذات میرے ہاتھ میں پکڑائے اور مجھے یہاں چھوڑ کر چلے گئے، موٹر بھی تو نہیں لے گئے!"

عذرا کو اور حیرت ہوئی،

"موٹر بھی نہیں لے گئے؟"

"نہیں ——— وہ کیا باہر دروازے کے پاس کھڑی ہے؟"

"اور کاغذات؟"

کس کس طرح اسے فریب دیا؟ پروین کی ساری رام کہانی سن کر وہ بولی "کس کے ساتھ آئیں تم؟"

وہ بولی "اور کس کے ساتھ آتی، پپا کے ساتھ آئی!"

"وہ کہاں ہیں؟"

"گئے!"

"اب وہ اکیلے رہیں گے وہاں؟"

"گھر کی کنجی اور کچھ کاغذات تو مجھے دے گئے ہیں، گھر نہیں کہیں اور گئے ہیں!"

وہ تعجب سے بولی "کہیں اور؟ ——— کہاں آخر؟"

"یہ میں نہیں جانتی!"

عذرا کا دل دھک سے ہوگیا،

"کیا کہہ رہے تھے؟"

"کہہ رہے تھے، ایک اور دیس میں جا رہا ہوں، نہ جانے کب آؤں؟ آ بھی سکوں یا نہیں؟"

عذرا کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی،

"آ بھی سکوں یا نہیں؟"

"ہاں یہی کہہ رہے تھے وہ تو!"

عذرا کی روح تڑپ اٹھی،

تصور کی جائے۔ اور تیسرا کاغذ عذرا کے نام ایک خط تھا!

بہت مختصر!

لیکن، بہت معنی خیز!

عذرا!

خدا حافظ ہمیشہ کے لئے!

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

پروین کو تمھارے سپرد کرتا ہوں' اور اپنے آپ کو خدا کے' خدا کا میرے ساتھ کیا سلوک ہوگا، میں نہیں جانتا پروین کے ساتھ تمھارا طرز عمل کیا ہوگا' یہ جانتا ہوں اور اسی اطمینان پر اُسے تمھارے دروازے پر چھوڑے جاتا ہوں' رہا میں سو میری نہ تمھیں فکر ہے نہ خود مجھے' کہاں جا رہا ہوں؟ یہ میں خود نہیں جانتا' اور سچ پوچھو تو جاننا چاہتا بھی نہیں!

احسان ناخدا کا اٹھائے مری بلا
کشتی خدا پہ چھوڑ دوں لنگر کو توڑ دوں

میں نے کشتی خدا پہ چھوڑ دی ہے اور لنگر کو توڑ دیا ہے' زندگی کا ایک مرحلہ یہ بھی ہوتا ہے' کیوں نہ مرنے سے پہلے اس کا تجربہ بھی کر لوں!

خدا حافظ!

الوداع!

"وہ بھی موٹر میں رکھے ہیں!"

عذرا نے پروین کی انگلی پکڑی اور کہا "اٹھ چل میرے ساتھ!"

عذرا اور پروین ساتھ ساتھ ڈرائنگ روم میں آگئیں اور وہاں سے باہر پہنچیں، محمود کی سرمئی رنگ کی شاندار کار باہر کھڑی تھی،

لیکن محمود نہ تھا،

وہ جاچکا تھا ———— !

نہ معلوم کہاں!

عذرا نے کار کا پٹ کھولا اس میں ایک چرمی بستہ رکھا تھا، پروین نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ رہے کاغذات ———— اسی میں ہے سب کچھ!"

عذرا نے وہ بستہ اٹھالیا، اور اندر آئی اس نے جلدی سے بستہ کھولا، اس میں صرف چند کاغذات تھے، اور ایک کنجی کا گچھا، اور ایک خط!"

یہ کاغذات کیا تھے؟

ایک وصیت نامہ جس کی رو سے اپنی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائداد، محمود نے پروین اور عذرا کے نام لکھدی تھی، دوسرے کاغذ میں منقولہ اور غیر منقولہ جائداد کی فہرست تھی اور بنک کے نام ایک خط جس میں یہ ہدایت تھی کہ آئندہ سے تمام لین دین عذرا کے دستخطوں سے ہوگا، اور وہی تمام نقد رقم کی تنہا مالک

تھوڑی دیر میں عذرا سلیم کے مکان پر تھی، سلیم تو بارہا عذرا کے ہاں آچکا تھا، لیکن عذرا زندگی میں پہلی مرتبہ اس کے گھر پہنچی تھی، اسے دیکھ کر وہ گھبرا گیا، اُس نے خیر مقدم کرتے ہوئے کہا۔ ارے تم کہاں بھول پڑیں ـــــ ؟ اوہ میں سمجھ گیا یہ ...ر دین کھینچ لائی تھیں، لیکن یہ ملی کہاں ؟ بھاگ آئی ہوگی، بڑی شریر ہوگئی ہے ...وں رہی ؟ باپ کو چھوڑ کر ماں کی گود میں پہنچ گئی ؟"

سلیم بے تکان باتیں کئے جارہا تھا، اس نے اب تک توجہ سے عذرا کو ...یں دیکھا تھا، اب دیکھا تو اُس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے،

"ایں عذرا تم رو رہی ہو کیا ہوا ؟"

عذرا کے ہونٹ لرزنے لگے اور آنسو بہنے لگے، سلیم نے بیتاب ہو کر پوچھا

...یا ہوا ؟ خدا کے لئے بتاؤ تو!"

عذرا کی ہچکیاں بندھ گئیں،

سلیم بے قرار ہو گیا،

"اللہ کچھ تو بتاؤ!"

وہ لرزتی ہوئی آواز سے بولی "وہ گئے!"

"کون گئے ؟"

"وہ چلے گئے، نہ جانے کہاں ؟"

"کون ؟ محمود ؟"

"ہاں!"

اور یہ کہکر اُس نے تمام کاغذات سلیم کے ہاتھ میں رکھ دیئے،

گھر کی اور موٹر کی چابی حاضر ہے!۔

تمھی تمھارا ——— محمود!

عذرا نے یہ خط پڑھا، اور روتے روتے اُس کی ہچکیاں بندھ گئیں، پروین کچھ نہ سمجھ سکی۔ یہ کیا ماجرا ہے؟ ماں کو روتا دیکھکر وہ بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی!

بڑی دیر تک ماں بیٹی روتی رہیں، پھر یک بیک عذرا آنسو پونچھے اور باہر جانے کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئی، ماں کو جاتا دیکھکر پروین کا ننھا سا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، وہ ڈر گئی:

کہیں ممی بھی کسی دور دیس نہ چلی جائیں!!

وہ اور زیادہ زور زور سے رونے لگی،

عذرا نے مڑکر دیکھا،

"کیا ہے کیوں روتی ہے میری بچی؟"

وہ بولی تو تم کہاں جارہی ہو؟"

"بیٹی بڑے ضروری کام سے!"

وہ مچل گئی۔

"مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو!"

"تو بھی چلے گی؟"

"ہاں، اکیلا نہیں جانے دوں گی تمھیں!"

عذرا نے کہا "اچھا آؤ"!

سلیم نے کہا: "میں ضرور ڈھونڈھونگا، اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرونگا!"

"لیکن کب؟ جب میں مرلوں گی؟ پروین کی جان پرگذر جائے گی؟" "نہیں ابھی!"

اور یہ کہکر وہ باہر جانے کے لئے تیار ہوگیا، عذرا نے کہا۔ "انھیں لے کرہی آئے گا!"

وہ بولا: "اس کا وعدہ کیسے کرسکتا ہوں؟ ہاں یہ ضرور کہتا ہوں کہ کنوئیں میں بانس ڈال دوں گا اس کے لئے ـــــــ لیکن عجیب پاگل آدمی ہے اتنا بڑا فیصلہ کر ڈالا بیوقوف نے اور مجھے ہوا بھی نہیں دی!"

"لیکن آپ تو ان کے بڑے جگری دوست تھے آپ کو خود لوڈہ میں رہنا چاہیے تھا، کہیں کوئی ایسا ویسا فیصلہ نہ کر بیٹھیں، آپ تو ان کے مزاج کو جانتے تھے اچھی طرح ـــــــ میرا اتنا سخت برتاؤ اسی اطمینان پر تھا کہ آپ اُن کے سب سے بڑے اور ہمدرد دوست ہیں، آپ ہرگز انھیں تنہا نہ چھوڑیں گے!"

سلیم نے کہا: "سچ کہتی ہو، میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں، اور وعدہ کرتا ہوں کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے گا اُسے ڈھونڈھ نکالوں گا!"

عذرا نے کہا: "آپ کو باتیں کرتے کرتے اتنی دیر ہوگئی اور جتنی دیر ہوتی جائے گی وہ نہ معلوم اور کتنی دور نکل جائیں گے۔ جائیے بھی!" ـــــــ سلیم مُسکرایا۔

"جاتا ہوں بھئی ـــــ واقعی تم عورتوں کا سمجھنا محال ہے، یا تو نفرت کا وہ عالم تھا کہ صورت دیکھنے اور بات سننے کی بھی روادار نہیں تھیں، یا الفت کی یہ کیفیت ہے کہ اُسی مردود کے غم میں جان دیئے دے رہی ہیں، آخر کچھ ٹھیک بھی ہے تم لوگوں کے مزاج کا؟"

"اب آپ نے ایک نئی بحث چھیڑ دی!"

"اچھا لو بھئی چلا! ـــــــ"

سلیم نے جلدی جلدی تمام کاغذات پر ایک نظر ڈالی اور پریشان ہو کر۔

"کیا ہوا؟"

وہ بولی "آپ ہی بتایئے!"

"مجھے اسی کا اندیشہ تھا!"

"لیکن وہ کہاں گئے بھیا؟"

"میں کیا جانوں؟"

"آپ تو اُن کے رازدار دوست تھے آپ کو ضرور معلوم ہوگا!"

"خدا کی قسم نہیں معلوم، ورنہ تم سے چھپاتا بھلا؟"

پھر وہ کچھ رک کر بولا "عذرا میں نے پہلے ہی تم سے کہا تھا تمہیں جتا دیا ... ت کچھ سمجھا دیا تھا لیکن تم اپنی ضد پر اڑی رہیں تم نے ایک نہ سُنی' اور ... رہی ہو؟"

وہ کہنے لگی "یہ وقت طعن تشنیع کا نہیں ہے، انھیں ڈھونڈیئے اُن کا پتہ چلائے"

"تم نے معاف کر دیا اُسے؟"

"ہاں!"

"اگر وہ مل جائے تو پھر جدائی پر اصرار تو نہیں کرو گی؟"

"نہیں!"

"اسے خوش رکھو گی؟"

"سب کچھ کروں گی، لیکن آپ انھیں ڈھونڈیئے تو!"

اور ابر بہار کی طرح پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے،

محمود نے کہا: "اچھا تھا، پھر تم کون؟"

عذرا بولی: "خود آپ سوانگ رچانے اور ایکٹ کرنے میں کسی سے کم ہیں؟"

وہ حیرت سے بولا: "مجھے کہہ رہی ہو؟"

کہنے لگی: "جی اور کسے؟ کون میرے پاس آ آکر، محمود کی طرف اشارہ کرکے ان کی وکالت آہوں اور آنسوؤں کے ساتھ کیا کرتا تھا؟ ——— میرا تو جو طرزِ عمل شروع سے تھا وہ آخر وقت تک رہا ———"

"ہاں اس وقت تک جب یہ محمود میاں غائب ہوئے ہیں کیوں ٹھیک ہے نا؟ ——— اُسی دن تو تمھارا بھرم کُھلا" میں نے کہا، "ایں یہ جوالا مکھی کے اندر ٹھنڈا پانی کیسا؟ یہ آگ کے شعلوں میں پھول کی طراوت کیسی؟ یہ لوہے کے لباس میں موم بتی کہاں سے آگئی؟ ———"

محمود اور عذرا، دونوں ہنس پڑے۔

پھر سلیم نے کہا: "اور کیوں جناب تاجر صاحب، آپ تو دنیا کے ہر معاملہ کو کاروبار کے اصول پر پرکھا کرتے تھے مگر پروین کو دیکھکر اور عذرا کو یاد کرکے سارا کاروبار تج کیوں دیا تھا آپ نے؟"

محمود نے مسکراتے ہوئے کہا: "میں جو کچھ پہلے تھا، وہی ہمیشہ رہا، وہی اب بھی ہوں اور وہی آئندہ بھی رہوں گا ———"

"یعنی تاجر؟ کاروباری؟"

"جناب!"

"عذرا کے معاملہ میں بھی؟"

تلاش

عذرا کا گھر!

سہ پہر کا وقت ہے، باغیچہ میں ایک کنج کے پاس چند کرسیاں پڑی ہیں بیچ میں ایک چھوٹی سی میز ہے اس پر چائے کی ٹرے رکھی ہے، عذرا، محمود، سلیم اور پروین الگ الگ کرسیوں پر پاس پاس بیٹھے ہیں سب بے انتہا خوش، پروین کی باچھیں کھلی جا رہی ہیں۔ محمود فرطِ مسرت سے دیوانہ ہوا جا رہا ہے، عذرا کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں اور سلیم کے بندِ قبا ٹوٹے جا رہے ہیں، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے غم سے کبھی یہ لوگ آشنا ہی نہیں ہوئے جیسے ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی گنگا جمنا کبھی نہیں بہیں، جیسے ہمیشہ یہ خوش اور مسرور ہی رہے ہیں۔

عذرا چائے بنا چکی تھی، اُس نے سب کی طرف ایک ایک پیالی چائے کی بڑھائی سلیم نے پیالی منہ سے لگاتے ہوئے کہا: "بہت بڑے ایکٹر ہو تم دونوں، واللہ خیر ہے کیسے کیسے سوانگ رچائے تم لوگوں نے؟ —— میں کہتا ہوں جب اس طرح گھُل مِل کر رہنا تھا تو آخر یہ اتنے زوروں سے نفرت اور بیگانگی کا طوفان کیوں اٹھا تھا؟"

"ہاں یقیناً ——— بتاؤ عذرا اور پروین کے معاملہ میں میرا کاروبار کامیاب رہا یا نہیں؟ ——— بے شک شروع شروع میں میں نے بہت کچھ کھویا، بہت نقصان اٹھایا، بڑے دکھ جھیلے، بڑی مصیبتیں برداشت کیں، آنسو بھی بہائے رویا بھی، لیکن انجام کار گھاٹے میں رہا یا فائدہ میں؟ ——— سچ سچ کہنا عذرا اور پروین کو میرے پاس دیکھکر بھی تم کہہ سکتے ہو کہ میں فائدہ میں نہیں رہا؟ ان دونوں کے مقابلہ میں جو کچھ میں نے کھویا اس کی بساط ہی کیا ہے؟

قیمت جو دہر دو عالم گفتۂ ‏ ‏ نرخ بالا کُن کہ ارزانی ہنوز

چنانچہ دیکھ لو، میں تو نقد جان تک نثار کرنے پر تیار ہو گیا تھا، اور اگر عذرا کی طرف اشارہ کرکے، یہ ایک منٹ بھی دیر سے پہنچتیں تو کر بھی چکا ہوتا اور جب ان دونوں کو میں نے پالیا تو پھر اب رہ کیا گیا ہے جس کی آرزو کروں؟"

سلیم نے جل کر کہا "رہے کاروباری کے کاروباری!"

وہ بولا "ہاں تھا ———"

"اور اب؟"

"اب بالکل نہیں! ——— کاروبار کی بھی ایک حد ہوتی ہے میں نے اتنا کما لیا اور ایسا کچھ پالیا کہ اب نفع و زیاں، اور لین دین کے بہی کھاتے بند کرکے رکھ دیئے میں نے! اب میں ہوں، میری عذرا ہے، اور ہماری پیاری پروین!"

عذرا نے فخر کی آنکھیں سلیم سے چار کیں اور وہ بیچارہ آنکھیں جھکا کر خاموش ہو گیا ———!

——— ✻ ———